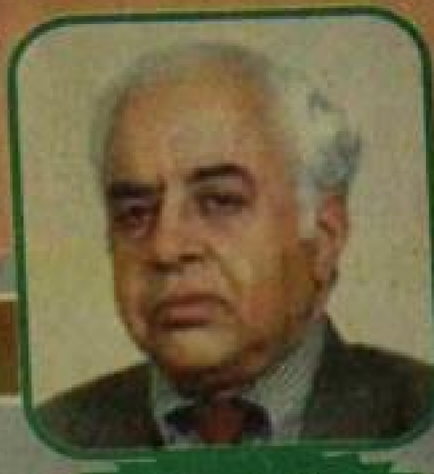

پھول سالنامہ
2001
ہر عمر کے بچوں کیلئے
ماہنامہ پھول لاہور
2000ء
اشاعت کا
124
واں مہینہ
تین سوئے ہوئے آل راونڈر
آفریدی، اظہر اور عبدالرزاق
کو پھول ٹیم نے جا اٹھایا (خصوصی فیچر)
شاندار انعامات
جاندار انعامات
صرف آپ کیلئے
نوائے وقت

ماہنامہ
پھول
لاہور
ہر عمر کے بچوں کیلئے
پھول کی ادا سب سے جدا



ایڈیٹر۔۔۔اختر عباس



چیف ایڈیٹر۔۔۔مجید نظامی





سب ایڈیٹر۔۔ منظور وحید



ڈیزائنر۔۔ عامر شکیل عامر



السٹریٹر۔۔ عمیر صفدر



لے آؤٹ۔۔ شعیب قادر



انچارج پھول کلب۔۔ محمد اعظم یار



انچارج پھول ملٹی ڈیسک۔۔ شاہد بٹ



انچارج کہانی گھر۔۔ ماریہ مجید



انچارج پھول کلب اوورسیز۔۔ امجد اعجاز احمد



http//www.phool.com.pk
phool@phool.com.pk

ماہنامہ پھول 4۔شاہراہ فاطمہ جناح لاہور فون 54-6367551 فیکس 6367616
پاکستان اور آزاد کشمیر کے تمام تعلیمی اداروں
کیلئے منظور شدہ
مجید نظامی پرنٹر پبلشر نے ندائے ملت پریس سے چھپوا کر دفتر روزنامہ نوائے وقت لاہور سے شائع کیا
پاکستان میں بذریعہ ڈاک بدل اشتراک ماہنامہ پھول 300 روپے سالانہ 150 روپے ششماہی





پھول سالنامہ 2000





میرا نام .... ہے

اور یہ میرا پیارا پھول ہے

اسے پڑھنے سے پہلے مجھے ہمیشہ خیال رہتا ہے کہ

نماز کی ادائیگی میں دیر نہ ہو رہی ہو۔

آج کا ہوم ورک مکمل ہو گیا ہو۔

ابو امی نے جو کام کہے تھے وہ کر لئے ہوں

پھول رنگ

P 14 Exclusive







"Stories"

سویٹر جو میرا تھا	ماریہ مجید	6
حصار	نوشین ناز	8
خواب چور	محمد ریاست	10
چھوٹو	ناہید انجم	18
وہ ایک جملہ	حمید اللہ مغل	20
شان شہید ہمی	ڈاکٹر ظہرا اے انور	27
ٹارگٹ	عادل منہاج	32
باعث تحریر آنکہ	بابر حیات	36
5 چاند	عائشہ کوثر	50
نیم	اشفاق احمد	52
انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا	محمد حسین آزاد (انتخاب کرن گوریچہ)	72
کتابوں میں لکھی باتیں	عائشہ خان	80
فرصت	مجیب ظفر انوار	88
بے حسی کا بوجھ	سراج جتوئی	95
کیسا آدمی ہے؟	شکیلہ تبسم	97
آغوش	صدف بتول	99
خبطی	محمد امجد سلیم	102
اعتماد	عین الفاطمہ	104
غلطی پہ غلطی	محمد تنویر جبار	106
دیکھو دسمبر اب نہ آنا	قراۃ العین فاروق	108
داستان لہو رنگ	سعدیہ فیض	110
چھوٹا سا تحفہ	اشتیاق احمد	118
تشخص	مدیحہ انور	120
سکوں سے بھری جھولی	علی اکمل تصور	122
بیڈ ٹائم سٹوری	چھید	124

"Exclusive"

تقریب لاہور پھول کلب	عقیلہ عروبہ بتول	12
کرکٹرز نشانے پر	رپورٹ: بابر حیات/اہتمام: قیصر صغیر	14
پھول ٹیم والز میں	عائشہ نثار	30
پہلی بات	نعیم احسن	34
کہانی گھر		83
پھول اخبار	خبریں وبریں	84
سپورٹس گلانس	مونا سکندر	90
نگری	آمنہ احتجاب	98
الحدیث	سید نظر زیدی	128



کرنیں

انتخاب ماریہ مجید

آیات قرآنی

☆اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے۔ تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ گنتی کے چند ہی دن ہیں۔ لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں گنتی کو پورا کرلے اور اس کی طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں پھر جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اسی کے لئے بہتر ہے۔ لیکن ہمارے حق میں بہتر کام روزے رکھنا ہی ہے۔ اگر تم باعلم ہو

☆تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ظاہر ہوجائے پھر رات تک روزے کو پورا کرو۔

☆اللہ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں ہے وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو اور اللہ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان اور اس کا شکر کرو (البقرہ)

☆قسم ہے اس وضاحت والی کتاب کی۔ یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات میں اتارا ہے۔ بیشک ہم ہوشیار کردینے والے ہیں۔ اسی رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے ہمارے پاس سے حکم ہو کر ہم ہی میں رسول بنا کر بھیجنے والے (الدخان)

☆روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا۔

☆یقیناً ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا تو کیا سمجھا کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس ہر کام کے سرانجام دینے کو اللہ کے حکم سے فرشتے اور روح اترتے ہیں یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے اور فجر کے طلوع ہونے تک ہوتی ہے۔ (القدر)

احادیث نبویؐ

☆جب تو روزہ رکھے تو اپنے کان، آنکھ، اور زبان کا بھی روزہ رکھ

☆بہت سے ایسے روزہ دار ہیں جنہیں روزہ سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

میں تیرا فقیر ملنگ تیرا

مجھے اپنے رنگ میں رنگ خدا
خوشبو کی طرح ہر چند رہوں
تیری مٹھی میں ہی بند رہوں
گم تجھ میں تیری سوگند رہوں
دم دم تو میرے سنگ خدا
مجھے اپنے رنگ میں رنگ خدا
مرا ظاہر اندر جیسا ہو
منظر پس منظر جیسا ہو
میرا عشق سمندر جیسا ہو
اور تیرے پیمبر جیسا ہو
مرے جینے کا ہر ڈھنگ خدا
مجھے اپنے رنگ میں رنگ خدا
تیری رحمت یوں اپنائے مجھے
آنکھوں پر وقت بٹھائے مجھے
تجھ بن اک سانس نہ آئے مجھے
شیطان اگر بہکائے مجھے
کروں اپنے آپ سے جنگ خدا
مجھے اپنے رنگ میں رنگ خدا

(الحمد از مظفر وارثی)

یہ روزہ کیا ہے؟

جس سبق کو نماز روزانہ پانچ وقت یاددلاتی ہے اسے روزہ سال میں پورے ایک مہینے تک ہر وقت یاددلاتا رہتا ہے۔ رمضان آیا اور صبح سے لے کر شام تک تمہارا کھانا پینا بند ہوا۔ سحری کے وقت تم کھا پی رہے تھے یکایک اذان ہوئی اور تم نے فوراً ہاتھ روک لیا۔ اب کیسی ہی مرغوب غذا سامنے آئے۔ کیسی ہی بھوک پیاس ہو کتنا ہی دل چاہے تم شام تک کچھ نہیں کھاتے، نہیں، تنہائی میں بھی نہیں جہاں کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا ایک قطرہ پانی پینا یا ایک دانہ نگل جانا بھی تمہارے لئے ناممکن ہوتا ہے۔ پھر یہ ساری رکاوٹ ایک خاص وقت تک رہتی ہے۔ ادھر مغرب کی اذان ہوئی اور تم افطار کیلئے لپکے۔ اب رات بھر بے خوف وخطر تم جب اور جو چیز چاہتے ہو کھاتے ہو۔ غور کرو، یہ کیا چیز ہے؟ اس کی تہہ میں خدا کا خوف ہے۔ اس کے حاضر وناضر ہونے کا یقین ہے۔ آخرت کی زندگی اور خدا کی عدالت پر ایمان ہے۔ قرآن اور رسولؐ کی سخت اطاعت ہے۔ فرض کا زبردست احساس ہے۔ صبر اور مصائب کے مقابلہ کی مشق ہے۔ خدا کی خوشنودی کے مقابلے میں خواہشات نفس کو روکنے اور دبانے کی طاقت ہے۔ ہر سال رمضان کا مہینہ آتا ہے تاکہ پورے تیس دن تک یہ روزے تمہاری تربیت کریں اور تمہارے اندر یہ تمام اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

پھر دیکھو، اللہ پاک نے تمام مسلمانوں کے لئے روزہ ایک ہی مہینہ میں فرض کیا تاکہ سب مل کر روزہ رکھیں۔ علیحدہ علیحدہ نہ رکھیں اس کے بے شمار دوسرے فائدے بھی ہیں۔ ساری اسلامی آبادی میں پورا ایک مہینہ پاکیزگی کا مہینہ ہوتا ہے ساری فضا پر ایمان اور خوف خدا اور اطاعت احکام اور پاکیزگی اخلاق اور حسن عمل چھاجاتا ہے۔ اس فضا میں برائیاں دب جاتی ہیں اور نیکیاں ابھرتی ہیں۔ اچھے لوگ نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ برے لوگ بدی کے کام کرتے ہوئے شرماتے ہیں۔ امیروں میں، غریبوں کی امداد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ خدا کی راہ میں مال صرف کیا جاتا ہے۔ سارے مسلمان ایک حال میں ہوتے ہیں۔ اور یہ ایک حال میں ہونا ان کے اندر یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ ہم سب ایک جماعت ہیں۔ ان میں برادری، ہمدردی، اور باہمی اتحاد پیدا کرنے کے لئے یہ ایک کارگر نسخہ ہے۔

یہ سب ہمارے فائدے میں ہیں ہمیں بھوکا رکھنے سے خدا کا کوئی فائدہ نہیں اس نے ہماری بھلائی ہی کیلئے رمضان کے روزے ہم پر فرض کئے ہیں۔ اس فرض کو جو لوگ بغیر کسی معقول وجہ کے ادا نہیں کرتے وہ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں اور سب سے زیادہ شرمناک طریقہ ان کا ہے۔ جو رمضان میں علانیہ کھاتے پیتے ہیں۔ وہ گویا اس بات کا اعلان کرتے ہیں۔ کہ ہم مسلمانوں کی جماعت میں سے نہیں ہیں۔ بتاؤ! جن لوگوں کے لئے اپنی جماعت سے الگ ہونا ایک آسان بات ہو۔ جن کو اپنے خالق و رازق کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے ذرا شرم نہ آئی اور جو اپنے دین کے سب سے بڑے پیشوا کے مقرر کئے ہوئے قانون کو علانیہ توڑ دیں، ان سے کوئی شخص کسی وفاداری، کسی نیک چلنی اور امانت داری، کسی فرض شناسی اور پابندی قانون کی امید کرسکتا ہے؟

(سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب دینیات سے انتخاب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

ایک ہی ہفتے میں انارکلی کا میرا تیسرا چکر تھا انارکلی جاتے ہوئے سو دفعہ سوچنا پڑتا ہے اتنا رش ہے کدھر سے جائیں گاڑی کہاں پارک کریں۔ کدھر سے نکلیں۔ وہیں جاتے ہوئے پارٹنر نے کہا یار! یہ زندگی 9 نمبر ویگن جیسی کیوں ہوتی جا رہی ہے کہ جب دیکھو سب سیٹیں بھری ہوئی ملتی ہیں۔ جس سٹاپ سے دیکھو منظر نہیں بدلتا۔ اپنے لئے سیٹ کا پوچھو تو بخل اور طمع سے بنا کوئی ستم ظریف جواب دیتا ہے کہ انتظار کریں نئی بننے گئی ہے۔ کوئی اور موقع ہوتا تو ممکن ہے میں اس پر زور سے ہنستا۔ جملے کی داد دیتا، بھری سیٹوں کے نقصان اور نئی سیٹوں کے فضائل بیان کرتا مگر عین اس لمحے پرانی انارکلی کا وہ سٹاپ آ گیا جہاں مجھے پہنچنا تھا۔ یہ بالکل نکڑ پر آرٹ اینڈ کرافٹ شاپ کے ساتھی پرانی ٹولنٹن مارکیٹ کے سامنے سڑک کنارے بنی ایک جوس شاپ ہے۔ پہلی دفعہ میں اتفاقاً آیا۔ دوسری بار حیرت دور کرنے اور آج تیسری بار خوش ہونے اور دوست کو جسے پیار سے پارٹنر کہتا ہوں خوشی میں شریک کرنے میں جب جب بھی یہاں آیا۔ جی خوش ہوا۔ جوس کے ہر گھونٹ کے ساتھ بنانے اور پلانے والے کو دل سے دعا دی۔ یہ ایک عجیب سی کہانی ہے ایک بڑے دل والے نوجوان لڑکے کا ماجرا جس کے سامنے 8 ملک شیکر رکھے ہوئے ہیں جوس کی مشینیں علیحدہ ہیں۔ ساتھ میں بہترین تازہ پھلوں کا ڈھیر پڑا ہوتا ہے۔ وہاں گاہکوں کا ایسے ہجوم ہوتا ہے جیسے بچپن میں جب دلیے کی دیگ گلی میں رکھ کر آواز لگتی تھی ''کڑیو منڈیو چیز ونڈی دی لئی جاؤ'' (بچو! آؤ چیز بانٹی جا رہی ہے اپنا حصہ لیتے جاؤ) نوجوان لڑکے نے سلام میں پہل کر کے پوچھا ہے ''سر کیا پئیں گے؟'' میں نے خوشدلی سے کہا ''آج جو تمہارا جی چاہے'' اس نے میرے ایک گلاس کے لئے پورا ہاتھ بھر کے تازہ گٹھلی نکلی کھجور (جس میں کھویا ملا ہوا تھا) نکالی اور ملک شیکر میں ڈال دی۔ پھر اس نے ملک پیک کا نیا ڈبہ کھولا اور مشین چلا دی۔ اس کا ساتھی دوسری مشین میں ہمارے لئے تازہ جوس بنانے لگا۔ یہ سارا منظر بغیر کسی وضاحت اور کمنٹری کے میں نے اپنے دوست کو دکھایا پھر ہم واپس آ کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ''ہاؤ سٹرینج!'' پارٹنر بڑبڑایا اس قدر وافر پھل پڑے ہیں اور کس قدر تازہ ہیں'' اتنی دیر میں ایک بچھڑے میں چار گلاس لے کر ہمارے پاس آ گیا۔ جب وہ جانے لگا تو پارٹنر پکارا ابھی ہم نے تو دو کا آرڈر دیا تھا۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا یہ ''جھونگا'' بھی ہمارا ہے۔ ملک شیک اور جوس کے پورے پورے گلاسوں کے ساتھ آدھا آدھا گلاس اضافی تھا۔ سچ بات تو یہ ہے اتنی مقدار دیکھ کر نیت اور آنکھیں ویسے ہی سیر ہو جاتی ہیں۔ ہم نے پورا زور لگا کر، کوشش کر کے ایک دوسرے سے ادل بدل کر کے دو گلاس ختم کئے۔ گاڑی میں پڑی منرل واٹر کی پانی والی چھوٹی بوتل خالی کر کے باقی جوس اس میں ڈالا اور ادائیگی کر کے جوس والے کے رزق میں اضافے کی دعا کرتے ہوئے واپسی کی راہ لی۔

بچپن میں بارش ہوتی تو چشتیاں والے گھر کی چھت پر نہانے کے ساتھ ساتھ ایک پیالہ بھی رکھ دیتے۔ جس میں بارش کے قطرے جمع ہوتے رہتے۔ بارش رک جاتی تو پیالہ اٹھاتے اور جمع شدہ پانی کی مقدار اور حجم سے اپنے الٹے سیدھے اندازے قائم کرتے۔ پھر نعرے لگاتے اور اتنی بارش کے بعد میٹھے پوڑے بنیں گے اور اتنی کے بعد دیسی گھی میں نرم اور گرم دلیے کی دیگ پکے گی۔ پھر اپنے اندازے پورے ہونے کی دعائیں مانگتے۔ ہمارا گھر کمہاروں کی آویوں کے پاس ہی تھا۔ بارش ان پر بہت بھاری پڑتی تھی اور وہ اس کی روک تھام کے لئے فوراً دلیے کی دیگ چڑھا دیتے جس کو بچے لائن میں لگ کر لیتے۔ شروع شروع میں تو ہم ڈرتے رہے پھر جھجکتے رہے۔ کچھ شرم مانع تھی تب خیال آیا کہ جن سے شرم آ رہی ہے وہ تو سارے لائن میں لگے نہ صرف اپنا حصہ لے رہے ہیں بلکہ اصرار کر کے گھر بیٹھی اپنی بہن کا۔ کہیں سیر پر گئے اپنے بھائی کا حصہ بھی لئے جا رہے ہیں۔ پھر ایک روز ہمت کر کے ہم بھی برتن لے کر دیگ والے کے پاس پہنچ گئے۔ اس نے سر سے پاؤں تک دیکھا اور بولا ''جاؤ پتر پہلی بار آئے ہو بڑا برتن لے کر آؤ'' گھر پہنچے اور یہ پیغام دینے کی نوبت ہی نہ آئی باجی ناہید بند دروازے کے پیچھے سے ساری صورتحال کی خبر رکھے ہوئے تھیں۔ وہ ڈونگہ لے کر کھڑی تھیں دیگ والے نے پہلے ڈونگہ بھرا پھر اس پر دیسی گھی ڈالا وہ اتنی محبت اور وارفتگی سے یہ کر رہا تھا کہ میں سوچ میں پڑ گیا کہ اس بھلے آدمی کو ہمیں کھلا کر کیا ملے گا۔

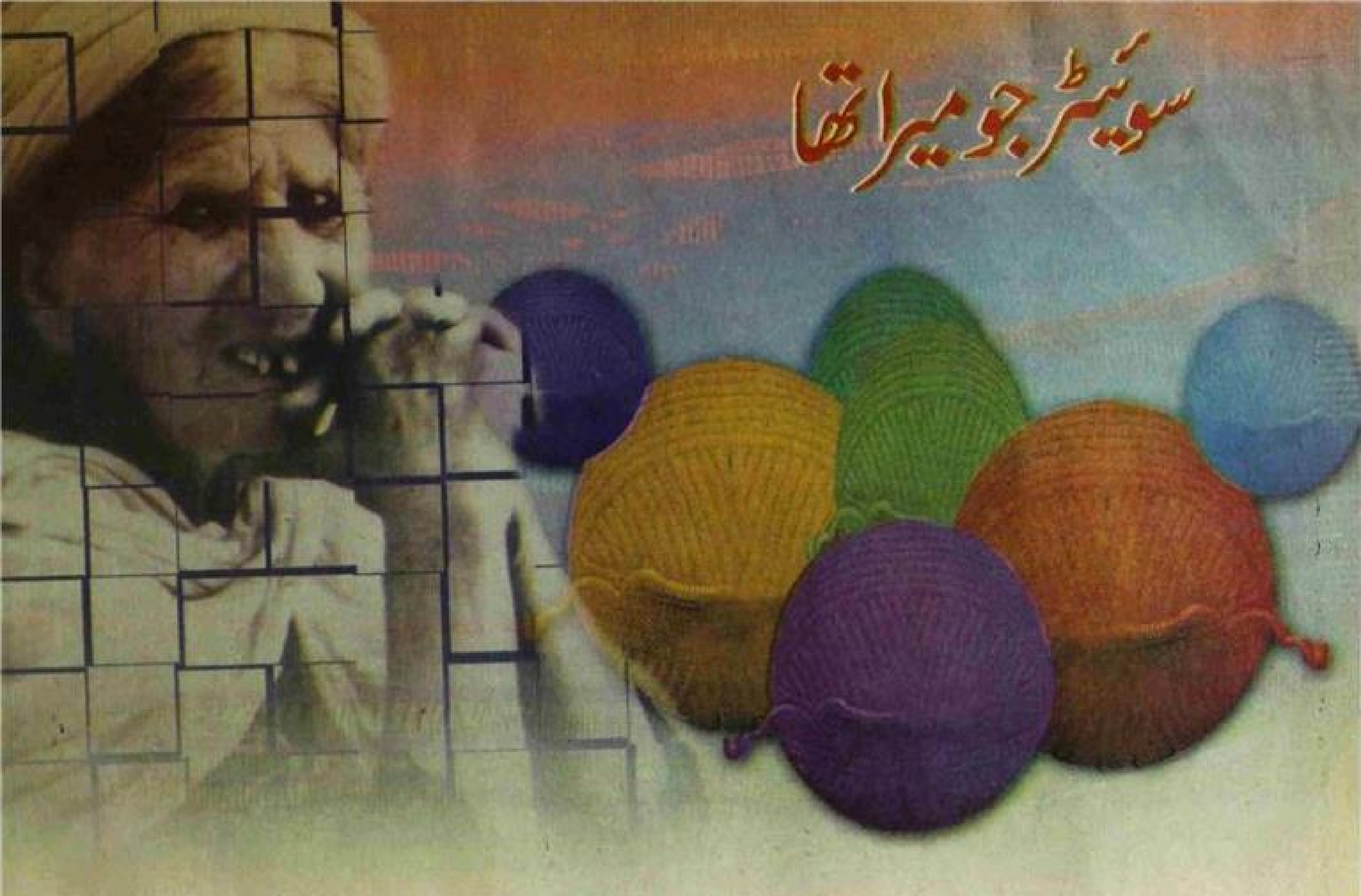
کہتے ہیں بچھڑے اور گزرے وقت کی کچھ چیزیں بہت یاد آتی ہیں۔ اپنا گھر، اپنے دوست، اپنی گلیاں اپنا محلہ، اپنا شہر، اپنی شرارتیں، اپنی خوبیاں اور دوسروں کی غلطیاں یادوں کا تو یہ ہے کہ یاد رکھی جائیں تو ہر بات ایک یاد ہے بیتا ہوا ایک پل۔ ٹھہری ہوئی ایک میٹھی نظر۔ تمام یادیں نئے ماحول، نئی بستیوں کی پذیرائی پر بھی بہت منحصر ہوتی ہیں۔ بڑے سے بڑا نقش ماند پڑ جاتا ہے اور چھوٹے سے چھوٹے کانٹے کی چبھن نہیں جاتی۔ کبھی ایک میٹھے لقمے کی یاد نہیں جاتی۔ اس کا ذائقہ سب پر سوا ہوتا ہے۔

عشرہ دس سال کا ہوتا ہے اور کم سے کم دو عشروں سے میں دلیے کی تقسیم کا وہ خوشنما اور خوش کن منظر دیکھنے کی لذت سے محروم چلا آ رہا تھا۔ اب تو کبھی خیال بھی آتا تو مٹھاس کے بغیر ہوتا بھلا یہ کیونکر ممکن ہوگا۔ کوئی اتنا بڑا دل کیسے نکالے گا۔ اس دلیے والے کی ماں جسے ہم سب بڑی اماں کہتے تھے کے گھر کوئی گاہک کنالی، گھڑا، چپنی یا صراحی لینے آتا تو ساتھ آنے والے بچے کو گلک (گلہ) مٹی کا بھالو، یا کوئی چھوٹی سی ہانڈی کنالی ضرور مفت میں دے دیتی۔ ہم جتنے سال وہاں رہے کبھی بڑی اماں کو رزق کی کمی میں مبتلا نہ دیکھا۔ اس کے ساتھ سنگت والے کبھی مہنگائی پر روتے یا اپنے ہنر کی بے قدری کی شکایت کرتے تو وہ کہتی تم تو اپنا ہی سوچتے ہو۔ اپنے مولا کی مخلوق کا بھی تو سوچو۔ کچھ اس کو بھی دان کرو کچھ اس کو بھی تحفہ دو۔ خیر خواہی اور نیک نیتی کو اپنا دوست بناؤ۔ سب پلٹ کر آئے گا۔ ڈھیر سی برکت لائے گا۔ دوسروں کے رزق کے پیچھے بھاگو گے تو یہ بھگا بھگا کے مارے گا اور ہاتھ پھر بھی نہ آئے گا۔

اچھے وچاروں والے، اچھے خیالوں والے لوگ ویسے ہی کمیاب ہوتے ہیں۔ یہ سڑک پر پڑے تھوڑی مل جاتے ہیں۔ اسے محمد اقبال کہئے یا محمد اکمل، اس کا کوئی بھی نام رکھ لیں۔ نیک نیتی کا کوئی یقین، خیر خواہی کا کوئی خیال تو اس کے سارے کام اور کاروبار کو سنبھالا دیئے ہوئے ہے۔ کل تک وہ خالی ہاتھ تو تھا۔ اس بھرے بازار میں اتنی بڑی بڑی دکانیں ہیں کہ انسان آنکھ بھر کر دیکھنے سے بھی گھبراتا ہے۔ ایسے میں کوئی دونوں ہاتھ سے سمیٹنے، لوٹنے اور جھاگ سے بھرے گلاس دینے کی بجائے ہر آنے والے کو ایک کی بجائے ڈیڑھ گلاس دے تو سوچئے سب کو دینے والا مالک اس کے ہاتھ میں برکت اور فراخی کا چشمہ کیسے نہیں جاری کرے گا۔ اس نے ادھار کے ایک ملک شیکر سے کام شروع کیا تھا۔ آج اس پورے بازار کا مقبول اور محبوب جوس والا ہے۔ عام سی شکل اور اس سے بھی عام کپڑے مگر ان کے اندر اس قدر خاص دل، کبھی جا کر دیکھئے آپ کا منہ بھی مٹھاس ہی سے نہیں دعاؤں سے بھی بھر جائے گا۔ یہ تو ہمارے سامنے کا سچ ہے تھوڑ دلے۔ لالچی، بخیل اور دوسروں کا حق مارنے والے ہمیشہ خیر اور برکت سے محروم رہتے ہیں جو اچھا بننا نہ چاہے۔ اچھی روایت پر چلنا نہ چاہے اس پر بھلا کب دریچے کھلتے ہیں کب سمتیں روشن ہوتی ہیں۔ دیالو لوگ بچپن سے اپنے بڑوں والی خوبیاں اپنا لیتے ہیں۔ دلوں اور دعاؤں میں جگہ بنا لیتے ہیں وافر رزق سے نوازے جاتے ہیں۔ بخل اور بے برکتی سے تحفظ پاتے ہیں۔ پسند کئے جاتے ہیں۔ یاد رکھے جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ پھلدار پودوں جیسے ہوتے ہیں۔ یہ دل کی وسعت، ہاتھ کی فراخی، خوش دلی سے خدمت تھوڑا ایثار اور بہت سے تپاک کے پھل انہی بوٹوں کو تو لگتے ہیں۔

اختر عباس۔ آپ کے ایڈیٹر بھیا
یکم دسمبر 2000ء

سوئیٹر جو میرا تھا



اک تحفہ کی کہانی اسے لینے والے نے اپنے ہاتھوں سے آگے دیدیا تھا ماریہ مجید ایک نئی کہانی کے ساتھ، ان لفظوں میں بہت نرمی اور گرمی بھری ہوئی ہے

ماریہ مجید

کسی کے دیئے ہوئے تحفے کو آگے دینا عموماً بداخلاقی سمجھی جاتی ہے۔ اور میں تو ان لوگوں میں سے ہوں جن کے بچپن کے کھلونے کارڈ اور دوسرے تحفے ابھی تک محفوظ ہیں۔ کبھی کبھی میں اپنی بیگم کے ساتھ ان سب چیزوں کو دیکھتا ہوں اور ان چیزوں سے متعلق اپنی یادداشت کریدتا ہوں۔ اور یوں ہم اپنے بچپن میں پہنچ کر بچوں جیسی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ آپ مانیں یا نہ مانیں میں بہت دنوں تک خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہوں جیسے میں قدم زمین پر نہیں رکھ رہا بلکہ ان محبت بھرے لفظوں کی فضا میں رکھ رہا ہوں۔ جو ان تحفوں سے منسوب ہیں۔ اب بھی مجھے جو تحفے ملے ہیں میں انہیں بہت پیار اور حفاظت سے رکھتا ہوں کسی حد تک میں نے بچپن کی دوستیاں بھی محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ معلوم نہیں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں۔

لیکن آج اس ساری زندگی کی عادت اور محبت نے بھی مجھے نہیں روکا۔ میری بیگم شربت کی ٹرے ہاتھ میں لئے دروازے پر ہی کھڑی ہیں۔ میرا دوست علی دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھے ہولے ہولے لرز رہا ہے اور یقیناً رو رہا ہے اور وہ سویٹر جو مجھے اپنے دل کے کسی حصے کی طرح عزیز ہے۔ اس کے شانوں پر پڑا ہے۔ معلوم نہیں میری بیگم علی کو روتا دیکھ کر حیران ہوئی ہیں۔ یا اس سویٹر کو اس کے شانوں پر دیکھ کر جو میرا تھا اور مجھے تحفے میں ملا تھا۔

مگر کمرہ ویسے ہی آنسوؤں اور پشیمانیوں سے بھرا ہوا ہے اب اس میں حیرانگی کی گنجائش نہیں نکلے گی۔ میں نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھوں سے ٹرے لے لی ہے۔ اور وہ میرا مدعا سمجھتے ہوئے چلی گئی ہیں۔ علی کی ہچکیاں ہولے ہولے تھم گئی ہیں۔ میرا خیال ہے میں اسے شربت پلا سکوں گا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

علی میرا بچپن کا دوست ہے میٹرک کے بعد میری اس سے آج ملاقات ہو رہی ہے مگر میں نے کبھی اس کے لئے "دوست تھا" کے الفاظ استعمال نہیں کئے۔ ہم کلاس فیلوز تھے ہماری دوستی کی ابتداء دوسری جماعت میں ہوئی۔ علی گول مٹول چہرے اور ویسی ہی آنکھوں والا بچہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہمیشہ سرمہ بھرا رہتا تھا۔ اسے میرا گھر بہت پسند تھا اور شاید یہی ہماری دوستی کی وجہ تھی۔ "تمہاری ماما ساڑھی پہنتی ہیں تو کتنی گریس فل لگتی ہیں" "تمہاری ماما اتنی مشہور ہیں سکول کے فنکشن میں چیف گیسٹ بنیں۔ میری امی کو تو کبھی نہیں بلایا۔ میری امی خوبصورت بھی نہیں اور اچھی ڈریسنگ بھی نہیں کرتیں شاید اس لئے۔" "تمہیں پتہ ہے میری امی کو پڑھنا نہیں آتا۔ ابو کہتے ہیں اپنی امی کی باتوں پر دھیان نہ دیا کرو بالکل جاہلوں والی باتیں کرتی ہیں" "احمد! تمہارا پی اوور کتنا خوبصورت ہے۔ میری امی تو مجھے ہاتھ سے بنا سویٹر پہنا دیتی ہیں۔ ہر وقت اون سلائیاں لے کر بیٹھی رہتی ہیں۔ ٹک بھی ہے صفائی والی ماسی بھی ہے پھر بھی ہر کام خود کرتی ہیں۔ ابو کہتے ہیں تمہاری امی کو کام والی بننے کا شوق ہے ہم کیا کر سکتے ہیں"

علی کی دو بہنیں اور ایک بھائی تھا اور اس کی

باتوں سے یہی محسوس ہوتا تھا کہ وہ بھی اپنی ماں کے بارے میں ایسی ہی رائے رکھتے ہیں۔ اور علی اپنے بڑے بہن بھائیوں سے بہت متاثر تھا۔ ایک دن میرے بہت اصرار پر وہ مجھے اپنے گھر لے گیا تھا۔ گھر بڑا اور خوبصورت تھا مگر سجاوٹ بہت سادہ تھی۔ اس کی امی بہت محبت سے ملیں۔ گلے سے لگایا اور ماتھا چوما مگر میں علی کی باتوں کی وجہ سے کچھ گھبرایا اور کھنچا سا رہا۔ اس کی امی نے بہت اصرار سے کھانا کھلایا علی کو اور مجھے نوالے بنا بنا کر دیتی رہیں۔ علی بہت نخرے سے کھاتا رہا اس دوران علی کی بہنیں اور بھائی گھر آئے۔ امی جان کسی خادمہ کی طرح اس کے آگے پیچھے پھرنے لگیں اور وہ کسی مالک کی طرح رعب جماتے رہے۔ میں نے چونکہ کبھی ایسا ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ میری ماما بہت رعب دار خاتون ہیں اس لئے بہت الجھا ہوا رہا۔ جاتے ہوئے ان خاتون نے اتنی دعائیں دیں کہ میں پریشان ہو گیا۔ مجھے رخصت کرتے ہوئے علی نے کوئی جملہ نہ کہا مگر اس کی بجھی ہوئی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ "دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ ہمارے گھر آ کر تم خوش نہ ہو گے" دن مہینے اور سال گزرتے گئے ہم بڑی کلاس میں آئے تو علی کی آنکھوں کا سرمہ غائب ہوا اور ساتھ میں وہ تھوڑا بہت لحاظ بھی جو اس کی زبان میں ماں کیلئے تھا میں اسے کچھ سمجھانا چاہتا تو وہ میری امی کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاتا کہ میں کچھ کہہ ہی نہ پاتا۔

لیکن اتنا احساس مجھے ضرور ہوتا کہ وہ خاتون کتنی تنہا ہوں گی۔ جن کے بچے اور میاں ان سے اس قدر دور ہوں۔ ذہنی طور پر بھی اور جذباتی طور پر بھی۔ میٹرک کے بعد علی کو اس کے ابو نے انگلینڈ اپنے بھائی کے پاس بھجوا دیا۔ وہ شروع شروع میں خط اور کارڈ وغیرہ بھیجتا رہا جس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ وہاں کی تیز رفتار اور ماڈرن زندگی میں بہت "At Home" محسوس کرتا ہے۔ پھر ہولے ہولے اس کے خطوط آنا بند ہو گئے۔

اور یہ تب کی بات ہے جب میں ایم ایس سی سائیکالوجی کے آخری سال کے آخری دنوں میں تھا۔ ہمیں فاؤنٹین ہاؤس پر اسائنمنٹ ملی۔ ان دنوں میں بہت ڈسٹرب رہا۔ روز نئے کرداروں سے ملاقات ہوتی۔ ڈاکٹرز اور والنٹیر جب ان کی ہسٹری سناتے تو کبھی دکھ اور کبھی شرمندگی سے کی ایک گہری چپ ہمارا احاطہ کر لیتی کہ ہم بھی اسی معاشرے کا ایک حصہ ہیں۔ جس میں ایسی کہانیاں جنم لیتی ہیں۔ شروع شروع میں صرف مشاہدہ کرنا ہوتا تھا پھر ہمیں وہاں کے مکینوں سے ملنے کا موقع دیا گیا۔ یہ میری تیسری ملاقات تھی۔ جو ہسٹری مجھے بتائی گئی اس کے مطابق جن سے مجھے ملنا تھا وہ ایک خاتون تھیں جن کے گھر والے انہیں یہاں چھوڑ گئے تھے۔ حالانکہ خاتون خطرناک یا شدید پاگل پن کا شکار نہیں تھیں کسی کو یہ چاہتی نہ تھیں بہکی بہکی باتیں کرتیں اور ہر وقت سویٹر بنتی رہتیں میں کمرے میں داخل ہوا تو مجھے شاک لگا۔ یہ علی کی امی تھیں صحت مندی سفید بالوں کی چوٹی کے ساتھ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے شناسائی کی ہلکی سی چمک ان کی آنکھوں میں بھی آئی ہے۔ مگر پھر میں نے اس خیال کو جھٹک دیا کیس ہسٹری کے مطابق وہ تو اپنے بچوں کو بھی نہیں پہچانتی تھیں۔

میں اسی شاک کے عالم میں ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا ان کے ہاتھ میں سلائیاں تھیں اور سامنے میز پر ناڑ (گندم کی پتلیاں) کا بنا ہوا چھابا پڑا تھا۔ جس میں اون کے گولے پڑے تھے۔ وہ سویٹر بنتے ہوئے بہت نارمل انداز میں چھوٹی چھوٹی گھریلو باتیں کرنے لگیں۔ انہیں سبھی کے نام یاد تھے۔ پیار بھری باتیں بیٹوں کی بہوؤں کی بیٹیوں کی ان کے بچوں اور شوہروں کی اور یہ بھی کہ وہ سب ان سے کس قدر پیار کرتے ہیں۔ ذرا سی بیماری سے کس قدر پریشان ہوتے ہیں، کھل کر پانی نہیں پینے دیتے اور کس قدر ٹائم دیتے ہیں۔ شوہر کی وفات کے بعد ان سب نے کس قدر سنبھالا دیا وغیرہ وغیرہ۔ مجھے ان میں سے کسی بات کا یقین نہیں آیا۔ ان کے ساتھ ہونیوالی واردات کا تھوڑا سا گواہ تو میں بھی تھا، سارے حصے کی مجھے کچھ کچھ سمجھ آ رہی تھی۔ پھر وہ میری طرف جھکیں اور سرگوشی کے انداز بولیں "بیٹا! تمہیں معلوم ہے یہ جو میرا چھابا ہے اس میں اللہ جی رہتے ہیں۔ میرے ساتھ، ہر وقت، مجھ سے بہت ساری باتیں کرتے ہیں، جب میرا جی کچھ اداس ہوتا ہے تو مجھے بہلاتے ہیں۔ میرے بچوں خیر اور خیریت سے رکھتے ہیں اور پتہ ہے جب میری اون کا گولا الجھ جاتا تو اسے خود سلجھاتے ہیں۔ مجھے ان کی اس بات کا یقین آ گیا اور اس یقین نے میری آنکھوں میں ڈھیر سارے آنسو اتارے۔ میں نے اٹھ کر ان کے وہ ہاتھ چومے جنہیں شاید زندگی بھر کسی نے نہ چوما تھا۔ یہ احساس اتنا نیا تھا کہ ہوش و خرد سے بیگانہ اس خاتون کی آنکھوں میں ایک حیران سی چمک لہرائی۔

"تم اچھے لڑکے ہو"" میں علی کا آپ کے بیٹے کا دوست ہوں" اور پھر میں واپس آ گیا، میں نے ارادہ کیا کہ روزانہ کچھ وقت ان خاتون اور ان کے اللہ جی کے ساتھ ضرور گزاروں گا۔ مگر پھر مجھے سائیکالوجی میں ڈپلومہ کیلئے امریکہ سے سکالرشپ مل گیا اور میں صرف ایک دو بار ہی دوبارہ جا سکا۔ ڈیڑھ سال بعد جب میں وطن واپس آیا تو گھر والوں کی منتظر آنکھوں کے ساتھ ایک بند پارسل بھی میرا منتظر تھا۔ پارسل میں ایک سویٹر اور ایک خط تھا ڈاکٹر الطاف کی طرف سے ڈیئر احمر! امید ہے اب تم نفسیات کی پریکٹس شروع کرنیوالے ہو گئے اور اتنے ڈسٹرب ہوتے ہو گے جتنا طالبعلمی کے زمانے ہو گے، امریکہ میں پڑھائی کا تجربہ کیسا رہا۔

یہ سویٹر تمہیں سعدیہ بیگم نے بھجوایا ہے، شاید تمہاری ان سے ایک آدھ ملاقات ہوئی ہے۔ تمہیں یاد ہو گا وہ کوئی سویٹر مکمل نہ پاتی تھیں، یہ واحد سویٹر ہے جو انہوں نے مکمل کیا۔ انہوں نے یہ سویٹر اور یہ پیغام تمہیں بھجوانے کیلئے کہا تھا۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے، پیغام انہی کے الفاظ میں لکھ رہا ہوں۔ "بیٹا تمہیں تو معلوم ہے نا، اللہ جی میرے چھابے میں رہتے ہیں، یہ سویٹر میں نے تمہارے لئے بنا ہے، تم جب جب اسکو پہنو گے تمہیں اللہ کی محبت کی گرمی اور نرمی محسوس ہو گی۔ تم ہمیشہ خدا کی محبت کے تحفظ کے حصار میں خود کو محسوس کرو گے۔ مجھے بالکل سمجھ نہیں آئی کہ آیا انہوں نے یہ سویٹر مجھے اس لئے بھیجا کہ میں علی کا دوست ہوں یا محبت کے اس چھوٹے سے اظہار پر جس کو دہرانے کی بھی مجھے فرصت نہ ملی۔ مگر سویٹر مجھے بہت عزیز ہو گیا۔ میں اس کو پہن کر ہمیشہ خود کو کسی انوکھی گرمی اور نرمی میں محسوس کرتا۔ تحفظ کا عجیب سا احساس جو کسی باڈی گارڈ یا پوری فوج کی موجودگی میں بھی محسوس نہیں ہو سکتا۔ آج علی آیا ہے، ہم تقریباً دس سال بعد ملے ہیں، وہ چند دن پہلے ہی وطن لوٹا ہے اور اپنی تمام تر بے انتظامی اور بے نیازی کے باوجود اس نے ماں کو مس کیا ہے۔ وہ ماں کے ساتھ اپنے اور اپنے بعد ہونیوالے سلوک پر دکھی بھی تھا۔ وہ شاید کچھ یا بہت کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ماں تو ماں ہوتی ہے جیسی بھی ہو وغیرہ وغیرہ۔ مگر میں کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسکے پکے ہوئے پھوڑے جیسے دل پر نشتر چلا دیا۔ اسکی امی سے فاؤنٹین ہاؤس میں ملاقات اور پھر تحفہ کا احوال سنا کر وہ پھوٹ بہا ہے۔ جانے اپنی کوتاہی پر یا جس کے چھابے میں خدا رہتا تھا، ایسی اللہ کی پیاری ماں کے مرنے پر، میں کچھ نہیں کر سکتا، کچھ کہہ بھی نہیں سکتا کیا کہوں مگر میں نے اپنی ساری زندگی کی عادت اور محبت بھول کر وہ سویٹر جو مجھے دل کے کسی حصہ کی طرح عزیز ہے، علی کے حوالے کر دیا ہے۔ وہ ساری زندگی جس نرمی اور گرمی سے بھاگتا رہا ہے، اسکی تشنگی اسی تحفہ کی حقدار ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟



حصار

ایک منصف کی داستان ایک خوف نے اس کی راہ روک لی تھی نوشین ناز کی کہانی۔ اسے زندگی اور اس کے رنگوں کو خوب پینٹ کرنا آتا ہے۔

نوشین ناز

سنئے! میں اس چوکیدار سے بہت تنگ آ گئی ہوں۔ اسکی چوکیداری کا ہمیں خاک فائدہ جب روز کوئی نہ کوئی چیز غائب ہو جاتی ہے۔ پچھلے ہفتے گاڑی کا ٹیپ کوئی نکال کر لے گیا۔ آج صبح آ کر ڈرائنگ روم کھولا تو کتنی ہی قیمتی اشیاء غائب ہیں۔ چلو دروازہ اگر غلطی سے کھلا رہ بھی گیا تھا۔ تو بھی چوکیدار کا دروازے پر ہونا۔ کسی مقصد کیلئے ہی تو ہے۔ آپ میری بات توجہ سے کیوں نہیں سن رہے؟ ثنا بیگم حسب عادت لمبی بات کرنے کے بعد اب مجھے گھور رہی تھیں۔ کہ میں اس سارے ذکر میں ہوں ہاں کا رسپانس تک نہیں دے رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ بیگم کا غصہ بڑھتا میں نے فوراً چوکیدار کو بلا بھیجا۔ صاب! ام خدا پاک کی قسم کھاتا ہے جو ایک پل کو آنکھ جھپک جائے۔ خدا معلوم یہ کیسے ہو جاتا ہے اصاب ہم دس سال سے تمہارا ساتھ ہے تم ام کو جانتا ہے ہم اپنے کام میں بے ایمانی نہیں کرتا۔ چوکیدار کی بات بھی درست تھی۔ اور میری بیگم کی بات بھی درست تھی۔ اور مجھے نہایت ضروری کیس پر کام کرنا تھا۔ اگلے ہفتے اسکا فیصلہ مجھے سنانا تھا۔ اور اس کام کیلئے مجھے مکمل یکسوئی درکار تھی۔ جب میں نے چوکیدار کو واپس بھیج دیا تو ثناء بیگم فوراً سے بول پڑیں۔ یہ تو آپکے فیصلہ کرنے کی صلاحیت ہے۔ مجال ہے کسی بات کا حل نکال دیں۔ بیگم! چوکیدار تمہارے سامنے ہے اگر تم نکالنا چاہو تو اسے نکال دو میں اس کیلئے تمہیں منع نہیں کرتا۔

پر وہ بالکل درست ہے۔ ہاں جی وہ تو بالکل درست ہے۔ چور تو ہمارے اپنے گھر میں رہتا ہے۔ بس ہماری ہی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے۔ ثنا بیگم تو غصے سے باہر نکل گئیں۔ یہ میرے ماتھے پر اس سردی میں پسینہ آ گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں نے اسے چھپا کر رکھا ہے۔ نہیں یہ تو...... کمرے کے خالی ہوتے ہی وہ پھر پردے کے پیچھے سے باہر نکل آیا۔ تم اتم یہاں سے دفع نہیں ہو سکتے! میں نے گھبراہٹ سے کہا۔ میں جو جج کے عہدے پر فائز تھا۔ جسکی گاڑی میں سکیورٹی گارڈ جاتے تھے۔ وہ اس چور سے بچ نہ پایا تھا۔ پچھلے آٹھ دن سے یہ میرے کمرے میں میرے گھر میں موجود تھا۔ اور میں اسے نکالنے کیلئے بے بس تھا۔ کوئی کیا کہے گا کہ ایک جج نے ایک چور کو پناہ دے رکھی ہے!

یہ خیال دن میں کتنی ہی بار میری ساری یکسوئی اور سکون کو تباہ کر دیتا۔ نہیں! آج تو میں اسے ضرور گرفتار کروا دوں گا۔ میں نے قریبی تھانے میں فون کیا اور خود گھر روانہ ہوا۔ میرے پہنچنے سے پہلے پولیس نے سارے گھر کو گھیر رکھا تھا اور میری بیوی اور بیٹی حیران و پریشان گھر کے باہر کھڑی تھیں۔ خوف انکے چہروں پر جھلک رہا تھا۔

بابا! Who is there! تانیہ دوڑ کر میرے سینے سے آ لگی۔ ریلیکس بیٹا جی! ایک چور ہے۔ گھر میں گھس آیا ہے۔ بس اسے ہی لینے کیلئے یہ لوگ آئے ہیں۔ رضا! لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔ صبح میں نے ایک ایک کمرے کو کھول کر صفائی کروائی۔ سارے گھر کو دیکھا کوئی بھی نہ تھا آخر آپکو کس نے اطلاع دی۔ میری بیگم نے پریشانی سے پوچھا اطلاع! اطلاع؟ وہ...... وہ بس مجھے خبر ہوئی تھی۔ میں اسے ٹالتے ہوئے آگے بڑھا۔ سر! ہم نے ایک ایک کمرہ اور کونہ تک دیکھ لیا ہے۔ اندر کوئی نہیں ہے۔ انسپکٹر نے آ کر اطلاع دی تو میرے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

ہوں! تو دفع ہو گیا حد ہوتی ہے میرا سکون تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ اسکا خیال کسی بم کی طرح ٹک ٹک کیا کسی انہونی کا خوف دلاتا رہتا تھا۔ جب سب نوکروں اور بیوی بیٹی کو تسلی دے کر میں کمرے میں داخل ہوا تو...... وہ اپنا کمرہ چہرہ لئے ٹیبل پر پاؤں رکھے مسکرا رہا تھا۔ کیوں مسٹر رضا! حیران ہو گئے؟ ارے ہم تو صرف آپکے مہمان ہیں کسی اور کو میزبانی کیوں دیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں۔ اس مہمان نوازی کا دعوت نامہ تو آپکے ہاتھوں ہی سائن ہوا تھا۔ کیوں؟ پھر کیوں بھلا یہ پولیس کیوں بلوائی گئی؟ تمہیں تو میں ابھی بتاتا ہوں۔ میں نے سائیڈ ٹیبل سے پستول نکال کر اس پر تان لیا۔

روشن خان! کلیم! میں نے چوکیدار اور نوکر دونوں کو آوازیں دی۔ لیکن میر کسی بھی قدم پر وہ نہ گھبرایا۔ بلکہ ڈھٹائی سے مسکراتا ہوا ڈریسنگ سے برش نکال کر اپنے بالوں میں پھیرنے لگا۔ بلا لو! لیکن یاد رکھو یہ لوگ میرا کچھ نہیں کر سکتے۔ اسکے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ اور میرا غصہ آسمان کو چھونے لگا تھا۔ آئی ول شوٹ یو! اور ساتھ ہی میں نے فائر کر دیا۔ فائر کی آواز سن کر سب ہی بھاگتے ہوئے میرے کمرے میں داخل ہو گئے۔ بابا! کیا ہوا؟ رضا! کیا ہوا؟ بیٹی اور بیوی

کی آواز میری پشت سے سنائی دی۔ ثناتم تانیہ کو لے کر باہر چلو۔ میں اس سے نپٹتا ہوں۔ روشن خان رسی لاؤ اور اسے باندھو! میں بالکل ایکشن میں کھڑا تھا۔ پستول تانیلیکن جب ایک آدھ منٹ کی مکمل خاموشی رہی تو میں نے مڑ کر دیکھا تو میری بیوی اور بیٹی پریشانی سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ چوکیدار اور نوکر کی آنکھوں میں حیرانگی تھی۔ سب لوگ حیرانگی سے چپ کھڑے مجھے دیکھ رہے تھے۔ روشن خان میں نے کیا کہا اس کی ہے جلدی سے اسے رسیوں سے باندھو! میں روشن خان پر چلایا۔ بابا! بابا! آر یو آل رائٹ تانیہ ایک دم سسکتی ہوئی میرے گلے آ لگی۔ تب مجھے ایک دم حالات کی سنگینی کا احساس ہوا۔ لیکن میں اس شخص کی مکروہ مسکراہٹ برداشت نہ کر سکتا تھا۔ میں نے تانیہ کو پرے کرتے ہوئے فائر کھول دیئے ساتھ ہی میری بیوی اور بیٹی کے چلانے کی آواز آئی۔

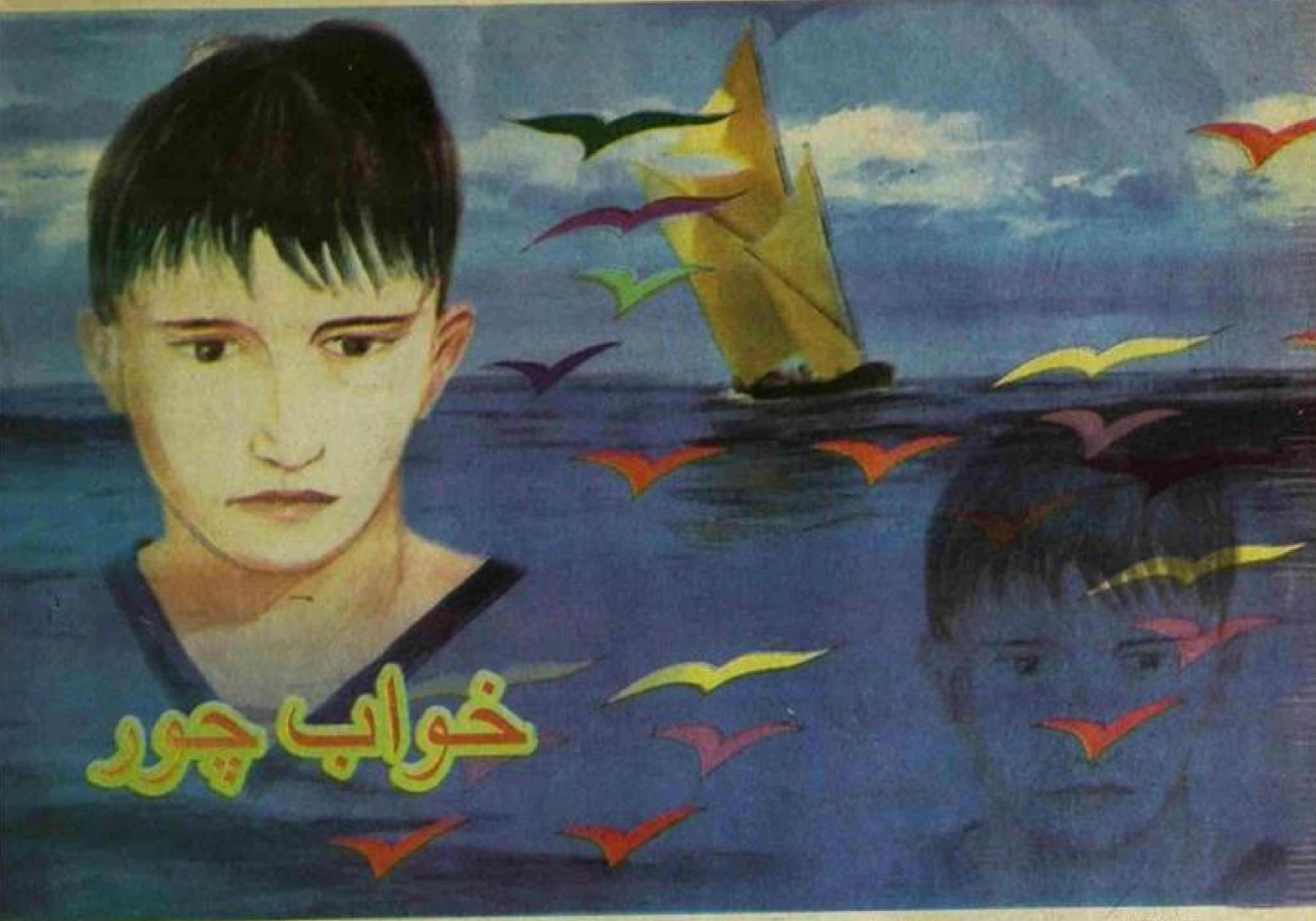
رضا! کیا ہو گیا ہے آپکو؟ یہ کیا تماشہ ہے کیوں خالی دیوار پر فائر کئے جا رہے ہیں۔ آپ نے کمرے کی کیا حالت کر دی ہے۔ دھمک سے کتابوں کی الماری نیچے آ گئی تھی۔ ہر چیز لڑھک کر ادھر ادھر بکھری تھی۔ ثنا بیگم! یہ خبیث میرے ہاتھوں نہ بچے گا! کون؟ کس کی بات کر رہے ہیں؟ یہاں تو کوئی نہیں ہے۔ کیوں نوکروں کے سامنے تماشہ لگا رکھا ہے۔ میری بیوی نے جھنجلاہٹ سے کہا کیا تمہیں واقعی کوئی دکھائی نہیں دے رہا، میں نے سوال کیا تو سب چپ کھڑے تھے۔ میرے خدایا! کیا میں پاگل ہو گیا ہوں؟ تانیہ مجھے میرے بیڈروم میں لے آئی۔ بابا جانی آپ ٹھیک ہیں ناں؟ کیا الوژن تھا؟ وہ فکرمندی سے بولی یس مائی چائلڈ آئی ایم آل رائٹ۔ جاؤ! میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی مجھے آنکھیں بند کئے ایک آد...... ھ منٹ ہی ہوئے ہونگے کہ آہٹ کی آواز سے میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ خبیث میری رائٹنگ چیئر پر بیٹھا مجھے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ کیوں مسٹر رضا! بس اتنی جلد گھبرا گئے ارے ہمارا اور آپکا ساتھ تو اب ہمیشہ ہی چلنا ہے۔ تم! میں نے بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے اسے دیکھا اور پھر ایک دم سائیڈ ٹیبل پر بڑا گلاس اٹھا کر اسے دے مارا۔ سامنے ڈریسنگ کا شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی میری بیوی اور بیٹی پریشانی سے اندر داخل ہوئیں۔ میں نے بے بسی سے دونوں کو دیکھا اور آنکھیں موند لیں۔ میں رضا احمد! جو اپنے حلقہ احباب میں ایک انصاف پسند جج کہلاتا ہوں۔ آج تک میں نے بیسوں فیصلے کئے ہیں اور میں ہمیشہ سے مطمئن رہا ہوں کہ میں نے کبھی بھی غلط فیصلہ نہیں کیا۔ لیکن کچھ روز پہلے بشیر مجید ہمارے گھر آیا۔ یہ ایک بڑا تاجر ہے اور میرے بچپن کا دوست بھی۔ میرے پاس ایک پلاٹ کا مقدمہ آیا ہوا تھا۔ یہ کسی بیوہ جنت بی بی کی جائیداد تھی اور قبضہ تھا کسی اور کا۔ اب کتنے ہی دنوں سے یہ مقدمہ چل رہا تھا اور گواہ اور ثبوت جنت بی بی کے خلاف تھے۔ لیکن میں ہمیشہ سے ہر چیز کی پرسنل فائل بناتا ہوں۔ اس ساری چھان بین سے جنت بی بی سچی ثابت ہوئی تھی اور میں جنت بی بی کے حق میں فیصلہ دینے والا تھا۔ میری چھان بین کی خبر کہیں دوسری پارٹی کو ہو گئی تھی۔ اس لئے مجھ پر دباؤ پڑ رہا تھا کہ میں فیصلہ انکے حق میں دوں۔ اب تک میں کتنی ہی پرکشش آفرز ٹھکرا چکا تھا۔ لیکن بشیر مجید کا معاملہ دوسرا تھا۔ وہ میرا دوست تھا۔ اس لئے مجھے اسکی بات سننی پڑی۔ یار تم بھی اپنے نام کے ایک ہو۔

آخر مجھے تمہارا سامنا کرنا ہی پڑا۔ تمہیں معلوم ہے کہ جنت بی بی کی مخالف پارٹی کون ہے۔ وہ ہم ہی ہیں وہ ایک کمرشل پلاٹ ہے۔ پلازہ بنے گا تو کروڑوں کا فائدہ ہے۔ بشیر مجید نے اپنا مطلب بیان کر کے مجھ پر زور دیا کہ میں اپنی پرسنل چھان بین کو سامنے نہ لاؤں اور جو ثبوت عدالت میں ہیں ان سے فیصلہ سناؤں۔ لیکن میں نے صاف انکار کر دیا۔ اور بحث سے بات بڑھتے بڑھتے لڑائی پر پہنچ گئی۔ اور جاتے جاتے بشیر مجھے میرا بیٹی کی دھمکی بھی دے گیا۔ تانیہ میں میری جان ہے وہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ کالج سے وہ آدھا گھنٹہ لیٹ ہو جائے تو ثنا بیگم گیٹ کے چکر لگانے شروع کر دیتی ہیں۔ میں بشیر مجید کو جانتا تھا کہ جو وہ کہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اور شام تک اسکا نتیجہ بھی مل گیا۔ تانیہ کو کالج گاڑی لینے گئی تھی۔ وہ خالی واپس آئی تانیہ کالج میں نہ تھی۔ سارے گھر میں ماتم کا سا عالم تھا۔ رضا کچھ کریں۔ میری بیوی نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔ شام پانچ بجے بشیر مجید کا فون آیا تو میں اپنے آپ کو ہر مطالبہ ماننے کے لئے تیار کر چکا تھا۔ بیٹی کا معاملہ تھا میں پولیس کو خبر دے کر اپنی بدنامی نہیں کروا سکتا تھا۔ بدنامی کی بھی کیٹگری ہے۔ جتنا بڑا آدمی ہوتا ہے اتنی ہی بڑی بدنامی کا سکیل اسکو گھیرتا ہے۔ میں جو کسی بات کے لئے نہ ڈرا تھا اولاد کے معاملے میں بزدل آدمی نکلا۔

جب آٹھ بجے تانیہ بشیر مجید اور اسکی بیوی کے ساتھ اندر داخل ہوئی تو ہم دونوں میاں بیوی کی جان میں جان آئی۔ بابا جانی بشیر انکل بہت اچھے ہیں۔ اور انکے فارمز بھی بہت اچھے لیکن آپ نے اس سیر کا پروگرام مجھے پہلے کیوں نہ بتایا تھا۔ تانیہ حالات کی سنگینی سے بے خبر تھی۔ یہ ہمارے لئے سکون کا باعث رہی کہ بچی محفوظ رہی تھی۔ جاتے جاتے بشیر مجید پینتالیس لاکھ کی رقم تحفہ کے طور پر دے گیا تھا اور میں نے ڈوبتے دل کے ساتھ یہ رقم الماری میں رکھ دی تھی۔ اسی پل جب میں رقم رکھ کر واپس مڑا تو وہ خبیث میرے سامنے کھڑا تھا۔ اس دن سے یہ ہمارے گھر میں موجود تھا۔ میرے علاوہ کسی کو دیکھائی نہ دیتا تھا۔ اسکی موجودگی میرے اعصاب کو کس بری طرح ڈسٹرب کرتی تھی یہ صرف میں جانتا تھا۔ اور اب تو یہ اذیت مزید بڑھتی جا رہی تھی یہ چور! یہ چور میرے اندر سے باہر آیا تھا۔ ایک مکمل انسان کی شکل رکھتا مجھ سے باتیں کرتا۔ اور میں اس سے جان نہیں چھڑا پا رہا تھا۔ تم! تم آخر میری جان کیوں نہیں چھوڑ دیتے میں نے چلاتے ہوئے آنکھیں کھولیں تو سامنے تانیہ ڈبڈبائی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ بابا جانی! وہ میرا ہاتھ تھامے کتنی ہی دیر روتی رہی تھی۔ وہ شاید سب کچھ سن چکی تھی۔ میں بے خیالی میں با آواز بلند بولتا رہا تھا۔ بابا جانی! ہر چیز کی ملکیت اور حفاظت کا ذمہ اللہ پاک نے لیا ہے ناں بابا جانی! ایسا فیصلہ تو نہ کریں کہ ہم ہمیشہ کیلئے ایک چور کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائیں۔ ایسی حراست بھری زندگی جس میں آزادی کا سانس نہ پائیں۔ بابا پلیز! میں ایک چور کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی۔ تانیہ نے میرے ہاتھوں پر اپنا چہرہ رکھتے ہوئے کہا۔ لیکن بیٹا میں مجبور ہوں! تمہاری زندگی میں ہماری زندگی ہے! میں نے کمزور سے لہجے میں اپنا جواز دیا۔ نہیں بابا جانی پلیز! آپکا یہ جواز ہماری زندگیوں کو کسی دیمک کے کیڑے کی طرح کھا جائے گا۔ لاشعوری خوف، شعوری خوف سے زیادہ بے چین رکھتا ہے چہرا اور زبان رکھتا ہے۔ بولتا بھی ہے پھر سناتا بھی ہے اور دھیرے دھیرے کسی جونک کی طرح زندگی کا رس پی جاتا ہے۔ بابا جانی! اگر آپ آج ڈر گئے تو پھر کل ہمیشہ کیلئے ڈرا ہوا ڈیزائن ہو جائے گا۔ بابا جانی! آپ تو زندگی کو مختلف اور سچے رنگوں سے پیور پینٹ کرنا سکھاتے رہے ہیں۔ یہ آپ نے کیوں ملاوٹ کرنے کا خیال کیا؟ تانیہ کی آنکھوں میں ایک آس تھی۔ آنسو تھے جو منتظر تھے کہ وہ میرے فیصلے سے خوشی کے رنگوں میں ڈھل جائیں۔

تانیہ کو سچے رنگوں اور پیوریٹی سے روشناس کروانے والی میری ہی ذات ہے۔ اور میں اسے اس لذت سے محروم نہیں کروں گا۔ تانیہ بیٹا میرے پاس آؤ! میں نے تانیہ کو اپنے پاس بلایا! یہ چابیاں لو اور سامنے کی الماری سے براؤن بیگ نکالو! اور منیر سے کہو کہ میرے کمرے میں آئے

جی سر! تھوڑی دیر بعد میرا نوکر مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ اسے کس ایڈریس پر یہ بیگ پہنچانا ہے۔ تم بشیر مجید سے خود ملو گے اور یہ بیگم ہینڈاوور کرنے کے بعد رسید لاؤ گے۔ ہاں بڑی گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ چلے جاؤ میں اور تانیہ گیٹ تک آئے جب تک منیر گاڑی میں نہ بیٹھ گیا میں اور تانیہ وہیں کھڑے رہے۔ جب گاڑی تھوڑی دور گئی تو میں پیچھے بیٹھے اس چہرے کو دیکھ کر ایک دم بھرپور مسکرا دیا۔ کتنے دنوں کی مسکراہٹ جو اسکے چہرے پر تھی اب رخصت ہو گئی تھی۔ اور بے بسی اور غصہ اسکی آنکھوں میں جھلک رہا تھا۔ "وہ بندھے ہاتھوں کے ساتھ واپس جا رہا تھا)) میں نے چوکیدار کو گیٹ بند کرنے کیلئے کہا اور تانیہ کے ساتھ اندر قدم اٹھائے ہم نے ایک خوف کو شکست دی تھی ہم نے جیتنے والوں میں سے تھے۔ حالانکہ آئندہ دنوں میں ایک لحاظ سے ہم نے حفاظت کو غیر محفوظ کر دیا تھا۔ لیکن ہم جیتنے والوں میں سے تھے۔ "یہ پلاٹ جو جنت بی بی کی جائز ملکیت ہے۔ جنت بی بی کے خلاف تمام ثبوت جھوٹے ثابت ہوئے ہیں"۔ اس لئے عدالت یہ زمین جنت بی بی کے حوالے کرنے کا فیصلہ دیتی ہے۔ اور میں نے جنت بی بی کی آنکھوں میں وہ آنسو دیکھے جو دعاؤں میں ڈھلتے جا رہے تھے۔ "حفاظت" کو محفوظ حصار دیتے جا رہے تھے۔



خواب چور

ایک نوجوان کی سچی کہانی۔اس کے خواب چوری ہو گئے تھے

محمد ریاست ہری پور

آج ساتواں روز تھا' جو بے چینی میں گزرا۔ آج آنے والی رات آٹھویں رات ہو گی جسے میں پھر جاگتے ہوئے گزاروں گا۔ گذشتہ سات دنوں سے میں سخت بے چین تھا' مجھے کہیں قرار نہیں مل رہا تھا۔ دن سارا پریشانی کے عالم میں گزرتا اور رات ساری جاگتے ہوئے۔ میرے ساتھ واقعہ بھی بڑا عجیب پیش آیا تھا۔ آج سے سات دن قبل پیش آنے والے ایک معمولی واقعہ نے میری زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔ مجھ سے میرا چین' سکون' احساس کی قوت' جینے کی آرزو اور نیند چھن گئی تھی اور تو اور میرے خواب بھی چوری ہو چکے تھے۔ ہاں آج ساتواں روز تھا' میں نے کوئی خواب نہ دیکھا تھا' نہ تو دن کو جاگتی آنکھوں سے ہوائی قلعے بنائے تھے اور نہ ہی رات کو میری سوتی آنکھوں میں کوئی سپنا اترا تھا۔ سپنا اترتا بھی کیسے؟ جس شخص کی خاطر سپنے دیکھتا تھا' جسے اپنے خوابوں کا مرکز بنایا تھا وہی خواب چور نکلا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ مجھے اچھے اچھے خواب اسی نے دیئے تھے اور آج اسی نے مجھ سے میرے خواب چھین لئے تھے۔ خواب بھی تو زندگی ہوتے ہیں' آس' امید اور روشنی کی کرن ہوتے ہیں جب تک آنکھوں میں اترتے رہتے ہیں' زندگی گزارنے کی آس باقی رہتی ہے اور جب نزول کا عمل رک جاتا ہے تو زندگی کا جواز چھن جاتا ہے۔ بندہ کیوں زندہ رہے اور کس کے لئے؟ جب پاس خوابوں کی دولت ہی نہ ہو تو غموں کی حقیقتیں مفلس جان کر خوب طاقت سے حملہ کرتی ہیں اور انسان کو پچھاڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ پھر نہ تو وہ دوبارہ زندگی کے اکھاڑے میں کودنے کی ہمت رکھتا ہے اور نہ ہی سر اٹھا کر غموں کو للکارنے کی اس میں قوت ہوتی ہے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جب وہ مجھے پہلی مرتبہ ملا تھا تو میں نے اس کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔ سکول کا زمانہ تھا۔ میرے عروج کا وقت تھا' نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ہم نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں' میں بہت آگے ہوتا تھا۔ تقریر' ہاکی' سکاؤٹنگ' ملی نغمے' بزم ادب کی جنرل سیکرٹری شپ اور دیگر بہت سارے کام ایسے تھے جن میں میرا کوئی ثانی نہ تھا' تعلیمی میدان میں بھی تاک' یہی وجہ تھی کہ میں استادوں کی آنکھوں کا تارا تھا۔ ایسے میں لڑکے خود مجھ سے ملنے اور فری ہونے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ اسے بھی میں نے ان ہی سب میں سے ایک سمجھا اور کوئی خاص نوٹس نہ لیا لیکن وہ جس کا نوٹس لینے سے میں نے گریز کیا تھا' رفتہ رفتہ میرے قریبی دوستوں میں داخل ہو گیا۔ آگے چل کر سارے دوست بادلوں کی طرح چھٹ گئے اور صرف ایک اسکا روشن چہرہ چاند کی مانند تنہا میری زندگی کے افق پر چمکنے لگا۔ وہ چاند بنا تو میں نے چکوری کا روپ دھار لیا۔ اس میں بہت ساری خوبیاں تھیں مگر دوسروں کے کام آنے' سب سے پیار کرنے اور خلوص سے پیش آنے والی خوبی ایسی تھی کہ میں اس کا فریفتہ ہو گیا کالج میں گئے تو میری خاطر اس نے اپنے مضمون بھی بدل لئے۔ تب میری آنکھوں میں ڈاکٹر

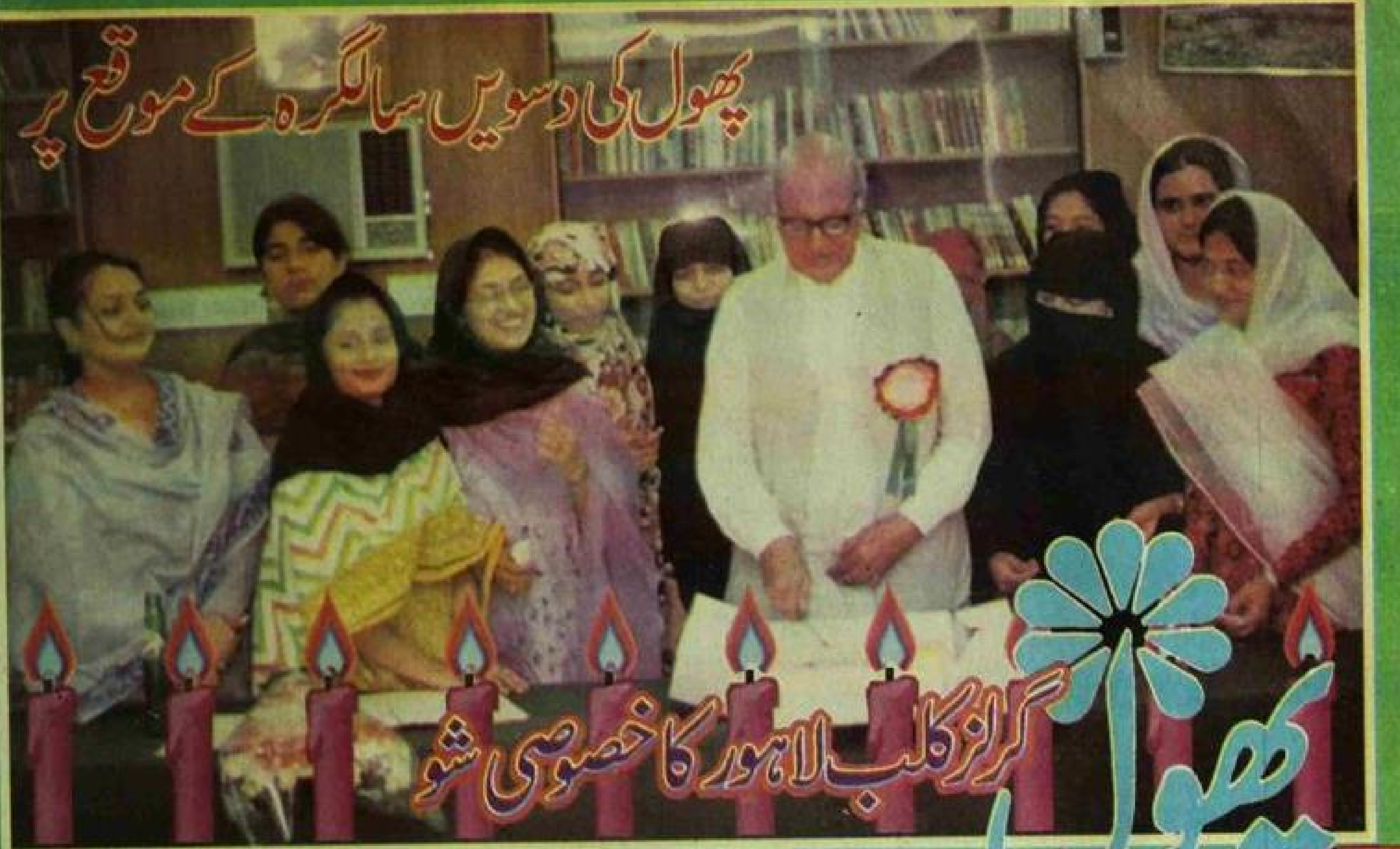
بننے کا سپنا تھا' ہم دونوں اس سپنے کے شریک ٹھہرے اور دونوں ہی کا سپنا ٹوٹ گیا۔ ایف ایس سی کے بعد زندگی کی راہیں بدلتی گئیں مگر دل کے سارے راستے جڑے رہے۔ جب بھی جہاں بھی وقت ملتا' ہم مل بیٹھتے۔ ایک دوسرے سے خواب شیئر کرتے' مسائل سنتے' مستقبل کے سپنے دیکھتے اور ایک دوسرے کے کام آتے۔ دو چیزیں کبھی کوئی روک ہی نہیں سکا۔ بڑھتی ہوئی خواہشوں کا سلسلہ اور گزرتے ہوئے وقت کا گھوڑا...... یہ گھوڑا پوری رفتار سے بھاگتا رہا' ہم بھی اس کے ہم قدم بھاگنے کی کوششوں میں مصروف رہے اور پھر یہ گھوڑا موت کے صحرا میں داخل ہو گیا۔ میرے یار' میرے پیار اور میرے چاند علی کے ابو وفات پا گئے۔ باپ کا گھنا سایہ سر سے اٹھا تو تیز دھوپ نے علی کو کملا کر رکھ دیا۔ ایسے وقت میں کملانے والا گھنی چھاؤں اور سہارے کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے' میں نے علی کو اس تلاش سے بچانے کے لئے خلوص کی چھتری لی اور اس کے سر پر تان دی۔ اس غم نے اسے جسمانی ہی نہیں ذہنی طور پر بھی بہت متاثر کیا تھا۔ اسے زندگی میں واپس لانے کے لئے میں نے گھر بار چھوڑا اور اس کے پاس ٹھکانہ کر لیا۔ جب غموں کا تیز ریلا تباہی و بربادی پھیلا کر گزر گیا تو ہمیں بھی اپنی بکھری زندگی سمیٹنے کا خیال آیا۔ علی نے زندگی کی طرف جب دوبارہ قدم رکھا تو وہ اکیلا نہیں تھا۔ میں بھی اس کے ہم قدم تھا۔ یہی وہ عرصہ تھا' جب میں اسے محرومی کے احساس سے بچانے کے لئے اس سے محبت جتانے لگا۔ مجھے کب کسی سے محبت ہوئی تھی' میں تو دوستی نبھانے کے لئے سرگرم تھا مگر علی کا فلسفہ زندگی کے بارے میں بہت مختلف تھا۔ وہ ہمیشہ مجھے یہ کہتا کہ "یار! زندگی میں کوئی بھی بغیر کسی غرض کے ایک دوسرے کے کام نہیں آتا۔ ہر کسی کو کوئی نہ کوئی غرض ہی دوسرے سے باندھے رکھتی ہے۔ میں بھی تمہارا دوست کسی غرض ہی کی وجہ سے بنا تھا۔ تم سکول میں لائق تھے' ذہین تھے اور مشہور بھی۔ تمہاری وجہ سے میں بھی شہرت کا خواہشمند تھا۔ لیکن اب تم میرا ساتھ کس غرض سے دے رہے ہو؟" میں اسے لاکھ سمجھاتا رہا کہ میں تو تم سے کوئی غرض نہیں رکھتا مگر وہ کب ماننے والا تھا۔ مجبوراً مجھے اسے یہ بتانا پڑا کہ میری غرض یہ ہے کہ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ میرا محبت کا جتانا اسے کیسا لگا۔ میں نہیں جانتا مگر مجھے اچھا لگا تھا اور پھر یہ جھوٹ نہ جانے کب سچ ہو گیا۔ میں اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا اور پھر ایک روز اس نے مجھے اپنی محبت میں بری طرح جکڑ لیا میرے خوابوں کا رخ بدلتا گیا' وہ میرے خوابوں کا مرکز بن گیا۔ اب لوگ ہمیں "جوڑی" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ہم دونوں ہی کو اس پر فخر محسوس ہوتا تھا۔ مجھے یاد ہے ایک روز اس نے مجھ سے کہا تھا کہ "مدثر! اگر میں نے کبھی زندگی میں کسی کو آئی لو یو کہا تو وہ تم ہو گے" جس دن میں نہ جاتا وہ سخت تڑپتا رہتا۔ مجھ سے لڑ پڑتا کہ "کل کیوں نہیں آئے ہو' پتہ ہے کتنا انتظار کیا تھا" مجھے یہ باتیں اچھی لگتی تھیں۔ اب میں نے یوں کیا کہ علی کو درمیان میں کھڑا کر کے اس کے گرد محبت کا ایک مضبوط حصار کھینچ لیا۔ میں نے بہت مضبوط قلعہ تعمیر کیا تھا' محبت کی اینٹیں لگائیں' خلوص کے مصالحے سے ان اینٹوں کو جوڑا' پیار کا پلستر کیا اور پھر قربانیوں کے روغن سے اس قلعے کو فائنل ٹچ دیا۔ میں بہت مطمئن تھا۔ میں نے محبت کے اس قلعے کو حسد کے ہاتھیوں اور منافقت کی توپوں سے بچانے کے لئے قلعے کے روزن بھی احتیاطاً بند کر دیئے تھے مگر میری نظر بڑے دشمنوں پر رہی اور ایک چھوٹا سا دشمن کام کر گیا۔ ہاتھیوں سے بچتا رہا مگر چونٹیوں کا مجھے خیال ہی نہیں آیا۔ ایک روز ایک چونٹی کسی سوراخ سے میرے قلعے میں داخل ہو گئی اور اندر ہی اندر اسے کھوکھلا کرتی رہی اور پھر نہ جانے کب میرا قلعہ دھڑام سے زمین پر آ گیا۔ علی تو موسموں کی طرح بدلنے والے مزاج کا مالک تھا۔ اسے ذرا سا اشارہ ملا اور اس نے خود کو بدل دیا۔ میرے ابو فوت ہوئے تو میں چند ماہ کے لئے بیمار ہو گیا۔ بیماری جسمانی ہوتی تو دکھائی دیتی مگر بیماری تو ذہنی تھی جو صرف محسوس کی جا سکتی تھی۔ میں چڑچڑا ہو گیا تھا۔ بات بات پر جھگڑ پڑتا تھا۔ میں بڑی منفی سوچوں کا مالک بن گیا تھا۔ ہر بات میں مجھے اپنی تذلیل محسوس ہوتی اور میں بدتمیزی اور گستاخی تک کر بیٹھتا۔ میرے اس رویئے سے علی بھی بدل گیا۔ میں اس کے پاس جاتا تو اس کے چہرے پر خوشی کی بجائے اداسیاں چھا جاتیں۔ قصور میرا بھی نہیں تھا۔ میں تو علی سے اتنی توقعات وابستہ کر بیٹھا تھا کہ مجھے پورا یقین تھا کہ علی میری تمام توقعات پر پورا اترے گا اور اس بیماری میں میرا بہت ساتھ دے گا مگر نہ جانے کیوں علی نے مجھے ایسے موقع پر تنہا چھوڑ دیا تھا جب مجھے اس کی بہت ضرورت تھی۔ میں اکثر سوچا کرتا ہوں کہ انسانی رویئے بدلتے کیوں ہیں۔ بیماریاں تو آنے جانے والی ٹرینیں ہیں یہ کب کسی سٹیشن پر ہمیشہ کھڑی رہتی ہیں۔ کسی بھی وقت اللہ میاں جی ان کے راستے میں آنے والی سبز روشنیوں کو "ON" کر دیتے ہیں اور یہ چل پڑتی ہیں۔ سٹیشن تو بعد میں پھر پہلے جیسا ہی ہوتا ہے مگر اس بات کو سمجھے کون اور سمجھائے کون؟ میری بیماری علی کے لئے تکلیف دہ تھی اور مصیبت کا باعث بن گئی تھی۔ اس نے اس مصیبت کو سر سے اتارنے کا فیصلہ کر لیا اور پھر ایک روز مجھے کہا "مدثر! تم یہاں میرے گھر کل سے نہ آیا کرو کیوں کہ اب تم میرے لئے مصیبت کا باعث بن گئے ہو۔ میرا سارا شیڈول تمہاری وجہ سے متاثر ہو جاتا ہے اور تم......" لیکن میں اس کی پوری بات نہ سن سکا اور چپ کر کے اٹھ آیا۔ اب سوچتا ہوں کہ میں تو رفتہ رفتہ ٹھیک ہی ہو جاؤں گا مگر کیا علی کا یہ رویہ بھی بھول پاؤں گا۔ ممکن ہی نہیں ہے۔ اس نے چوٹ ہی ایسی لگائی ہے کہ یہ زخم شاید ہی کبھی مندمل ہو سکیں مگر اپنے اس "خواب چور" کے رویئے کے باوجود ایک موہوم سی امید اب بھی باقی ہے کہ اللہ جی نے نیتوں کے خالص ہونے کو منزل پانے کے لئے پہلی شرط کے طور پر رکھا ہے اور میری نیت خالص ہے۔ نہ جانے کب علی پھر سے واپس آ جائے۔ خزاں کے بعد بہار قانون قدرت ہے۔ ممکن ہے کہ میری زندگی میں پھر بہار آ جائے اور علی کبھی دھیمے سے آ کر میرے کان میں کہے۔ "یار مدثر! میں تو مذاق کر رہا تھا بھلا میں تمہارے بغیر کبھی رہ سکتا ہوں۔ میں تو چاہتا تھا کہ تم جلد سے جلد ٹھیک ہو جاؤ۔ اسی لئے میں نے یہ ڈرامہ کیا تھا" کاش ایسا ہو جائے اور مجھے میرے سپنے واپس مل جائیں۔

ابھی تک

ایک خط اس اطلاع کے ساتھ واپس آ گیا "مکتوب الیہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ غلطی سے وہ خط دوبارہ پوسٹ ہو گیا۔ اس بار یہ لکھا ہوا واپس آ گیا کہ یہ صاحب ابھی تک فوت ہوئے ہوئے ہیں۔
(ایم زبیر ناصر۔ ملتان)

سمجھدار

"آپ نے ٹھیک کہا تھا ڈیڈی" جوزف نے اسکول سے واپس آ کر بتایا۔ جب میں نے مس سے کہا کہ میرا ایک بھائی پیدا ہوا ہے تو اس نے فوراً مجھے چھٹی دے دی اور کہا کہ "تم گھر جا کر اپنے بھائی سے کھیلو" "لیکن ہمارے ہاں تو جڑواں بچے پیدا ہوئے ہیں' کیا تم نے یہ بات اپنی مس کو نہیں بتائی تھی۔" "نہیں ڈیڈی" "میں ایک بچے کو کسی اور وقت کے لئے بچا کر رکھنا چاہتا ہوں۔" (شجیلین احمد شاہد سیال۔ خانیوال)



پھول کی دسویں سالگرہ کے موقع پر

پھول

گرلز کلب لاہور کا خصوصی شو

(عتیقہ نزہت، عروبہ بتول)

1- پھول کے ہر شو پر زور دار بارش ہونے کی روایت حسب معمول قائم ودائم رہی۔ یوں لگ رہا تھا کہ اللہ جی بھی پھول کی دسویں سالگرہ پر مبارکباد دے رہے ہیں۔

2- پروگرام میں لیٹ پہنچنے پر عائشہ آپی سمیت کئی چھوٹی بڑی گھوریوں نے ہمیں گھور گھور کر دیکھا اور حیرت کی بات ہمیں اس پر شرمندگی بھی محسوس ہوگئی۔

3- نعت پڑھنے والی بچی کی آواز نعت کے آخر میں یوں کانپی کہ ہم سمجھے شاید ان کی آواز سردی کے زیر اثر ہے بعد میں پتہ چلا کہ اس میں مائیک کا بھی قصور ہے۔

4- افتتاحی کلمات کے لئے پھول گرلز کلب لاہور کی صدر عائشہ صدیقہ آئیں۔ پھول کی دسویں سالگرہ پر مبارکباد دینے کے ساتھ ساتھ ایک خوبصورت بات کہہ گئیں کہ پھول کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگوں کے ساتھ "قلمی" رابطہ نہیں بلکہ "قلبی" رابطہ رکھتا ہے۔ دوستی اور تعلق قلم سے کہاں پہنچتے ہیں یہ اسی قلبی تعلق کا اعجاز ہے۔

5- علی پبلک سکول کی بچیوں نے جھک جھک کر سب مہمانوں کو ویلکم کیا۔ اور ہم شاید ان سے معافی مانگنے کے چکر میں ان کے پیروں کو ہاتھ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ (لو کر لو گل...... ابھی ہم پر اتنا برا وقت نہیں آیا)

6- علی پبلک سکول کے بچوں نے اقبال کی نظم "ماں کا خواب" پر خوبصورت ٹیبلو پیش کرنا چاہا مگر ان کی کوشش اس وقت ناکام ہوتی نظر آئی۔ جب بچوں کے جلتے دیئوں کو پنکھوں کی ہوا نے زور شور سے بجھانے کی کوشش کی۔ آمنہ آپی نے اسی وقت پنکھے بند کر کے خوب عقلمندی کا ثبوت دیا۔

7- ماڈرن سٹینڈرڈ سکول کے فینسی ڈریس شو میں ننھے منے ہیر رانجھا کو دیکھ کر کچھ لوگ خوب ہنسے اور کچھ نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔ (ننھی ہیر کو دیکھ کر ہمیں خیال آیا کہ اس نے گھڑے پر بیٹھ کر کیا دریا پار کرنا تھا۔ اس نے تو گھڑے کے اندر ہی سما جانا تھا۔

8- پاکستان کی ثقافت پیش کرنے کیلئے ینگ سکالر گرائمر سکول کی بچیوں نے مہندی کی رسم ادا کی۔

9- ینگ سکالر گرائمر سکول کی بچیوں نے "اوپر جھنڈا نیچے ہم"



ترانہ پیش کیا۔ مگر ہم تو بچیوں کو تلاش ہی کرتے رہ گئے۔ بعد میں جھنڈوں کے نیچے سے ننھی بچیوں کو دریافت کر ہی لیا گیا۔ ہم تو سمجھے شاید وہ جھنڈے سے "لکن مٹی" کھیل رہی ہیں۔

10- ماڈرن سٹینڈرڈ کے بچوں نے مزیدار ڈرامہ "ندیدی بیوی" پیش کیا۔ ندیدی بیوی نے ڈرامے میں کمال ندیدے پن کا مظاہرہ کیا۔ (ایسے دو چار اور ندیدے پیدا ہو جائیں تو ہماری قوم کا تو اللہ ہی حافظ ہے)

11- رونے اور ہنسنے کے مقابلے میں بچوں نے کچھ عجیب و غریب قسم کی ورائٹی پیش کی۔ جن کے رونے کو دیکھ کر ہنسی اور ہنسنے کو دیکھ کر ہمیں رونا آ رہا تھا۔

12- ندا رحمٰن نے اپنی خوبصورت کمپیئرنگ پر انور سدید صاحب سے خصوصی شاباش حاصل کی۔ (یقیناً ندا رحمان کا خون سیروں بڑھ گیا ہوگا)

13- حافظہ طیبہ فاطمہ کو خطاب کی دعوت دی گئی (وہی پھول گرلز کلب لاہور کی سابقہ صدر) انہیں یقین ہی نہ آیا کہ انہیں خطاب کے لئے بلایا گیا ہے۔ (یہی تو پھول کی خاص بات ہے کہ پرانے ساتھیوں کو بھی نہیں بھولتا۔ طیبہ باجی کے دو عدد منے سے بچے بھی ہیں)

14- آمنہ آپی نے پھول کی 10 ویں سالگرہ پر مبارکباد دیتے ہوئے بہت خوبصورت بات کہی کہ ہمیں اپنی زندگیوں میں اصل سے کچھ زیادہ رہنے کی کوشش کرنی چاہئے دوسروں کو حق سے کچھ زیادہ دینے سے انسان ایک دوسرے کے زیادہ قریب آ جاتے ہیں اور زندگی کچھ آسان ہو جاتی ہے۔

15- خطاب تو آسیہ نے بھی کیا مگر ہم ان کی آواز سننے سے محروم رہے (ہماری قوت سماعت پر شک نہ کریں دراصل مائیک کی قوت گویائی سلب کر لی گئی تھی جس سے یہ نازک صورتحال پیدا ہوئی)

16- پھول کہانی گھر کی جنرل سیکرٹری عقیلہ اقبال ہال میں داخل ہوئیں وہ ابھی ٹھیک طرح سے اپنا سانس بھی درست نہ کر پائی تھیں کہ انہیں سٹیج پر بلا لیا گیا۔

پھول کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگوں کے ساتھ قلمی رابطہ نہیں بلکہ قلبی روابط رکھتا ہے

دوسروں کو حق سے کچھ زیادہ دینے سے انسان کو ایک دوسرے کے زیادہ قریب آ جاتے ہیں

17- پھول کی سالگرہ کا کیک کاٹا گیا اس دوران ندا رحمان نے بہت خوبصورت گیت "جنگل میں منگل تیرے ہی دم سے" بہت خوب گایا (اس دوران بہت سی ندیدی نظریں مسلسل کیک کا طواف کرتی نظر آ رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا کہ اگر انہوں نے کیک سے نظریں ہٹائیں تو انہیں گناہ ملے گا۔)

18- تقریب کے مہمان خصوصی ملک کے مایہ ناز نقاد صحافی اور کالم نگار انور سدید نے پھول گرلز کلب لاہور کی اس بہترین کاوش پر بہت خوشی کا اظہار کیا انہوں نے پھول کے دس کامیاب سالوں پہ بہت خوبصورت اظہار خیال بھی کیا۔ کہ

"پھول کی یہ دسویں سالگرہ نہیں بلکہ 70'75 ویں سالگرہ ہے کیونکہ پھول تو ساٹھ ستر سال پرانا ہے پھول ہم بھی پڑھتے تھے مگر تب کا پھول صرف بچوں کا تھا۔ سوچ کو ایک نیا رنگ دینا عملاً کچھ کروانا پھول کا ہی خاصہ ہے وہ دائمی خوشی جو مجھے یہاں آ کر حاصل ہوئی میں اسے کبھی نہ بھلا پاؤں گا۔

19- بھیاجی کی آمد پر سب کے چہرے دفعتاً یوں روشن ہو گئے کہ گویا بھیا بھیا نہ ہوئے سو واٹ کا بلب ہو گئے۔

پھول کی دسویں سالگرہ پر بھیا جی بہت خوش اور خوب نکھرے نکھرے نظر آ رہے تھے (بھئی ایریل سے دھلی شرٹ جو پہن رکھی تھی) یہ سفر ایک روشن امید کی انگلی پکڑے شروع ہوا تھا۔ اور ہمیں خوشی ہے کہ یہ سفر بہت سے دئیوں کو روشن کرتا ہوا ننھے پھولوں کو کھلاتا ہوا اس مقام پر پہنچا اور پھر بھیا مسکراتے ہوئے سب کو بہت سی محبتوں اور کامیابیوں کی دعائیں دیتے ہوئے یہ جا اور وہ جا۔

20- خطاب کے دوران بھیا نے حاضرین محفل سے پوچھا کہ کسی کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی جواب بھرپور تالیوں کی صورت میں ملا (اللہ جانے یہ تالیاں بھیا کی بات کی تائید میں تھیں یا تردید میں)

21- آخر میں سب نے ڈبل کولا پر ہاتھ صاف کئے اور ہم ہاتھ ملتے اور منہ دیکھتے ہی رہ گئے کیوں ہم نے پہلے ہی پی لیا تھا۔ لگتا ہے ڈبل کولا والوں سے پھول کی دوستی خوب چلے گی۔





تین سوئے ہوئے آل راؤنڈر

پھول ٹیم کے نشانے پر

شاہد آفریدی عبدالرزاق اور اظہر محمود سے سوتی جاگتی مزے دار گفتگو

اہتمام: قیصر صغیر

انٹرویو پینل: عمر عباس، صنوبر، سید غضنفر علی عثمان خادم، عمران سہیل بوبی، سعد ریاض، عاصم ریاض

رپورٹ: بابر حیات

"جاگتے رہنا"

یہ دن بھی عجب تھا کہ ایک وقت میں ان لوگوں سے ملاقات کا موقع ملا جو اپنی فیلڈ کے سپر سٹار ہیں جی ہاں تین کرکٹرز اور تینوں آل راؤنڈر پرل کانٹیننٹل میں قیصر صغیر بھائی کی نگہبانی میں ہم پہنچے۔ جہاں پر یہ کھلاڑی پاک انگلینڈ ٹیسٹ سیریز کے سلسلے کے پہلے ٹیسٹ میں شرکت کے لئے ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ تینوں صاحبان سوئے ہوئے ہیں۔ میں غضنفر سے کہنے ہی والا تھا کہ "جاگتے رہنا" کی آواز لگا کر دروازہ کھلا صرف سر نظر آیا اور ایک آواز "ذرا ٹھہریئے" یہ آل راؤنڈر اظہر محمود تھے۔ تمام ٹیم ان کے کمرے میں براجمان ہوگئی۔ اظہر محمود خاصے پریشان نظر



اظہر محمود نے پراٹھے عبدالرزاق نے بسکٹ اور شاہد آفرید

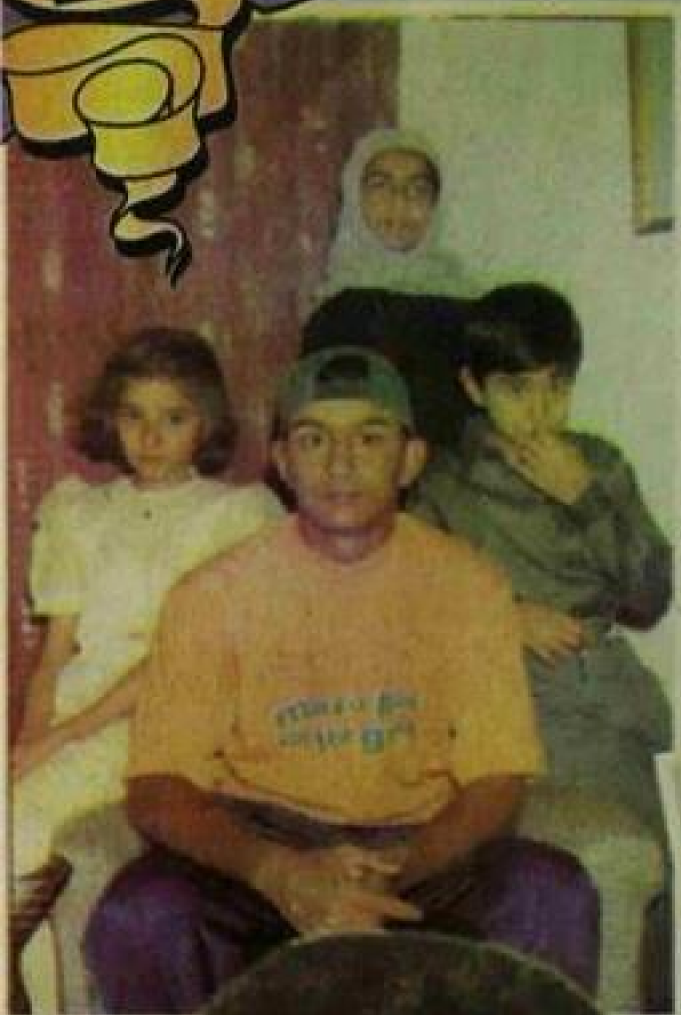
اور شاہد آفریدی نے جلدی آؤٹ ہونے کا اصل راز بتادیا

ماہنامہ پھول لاہور

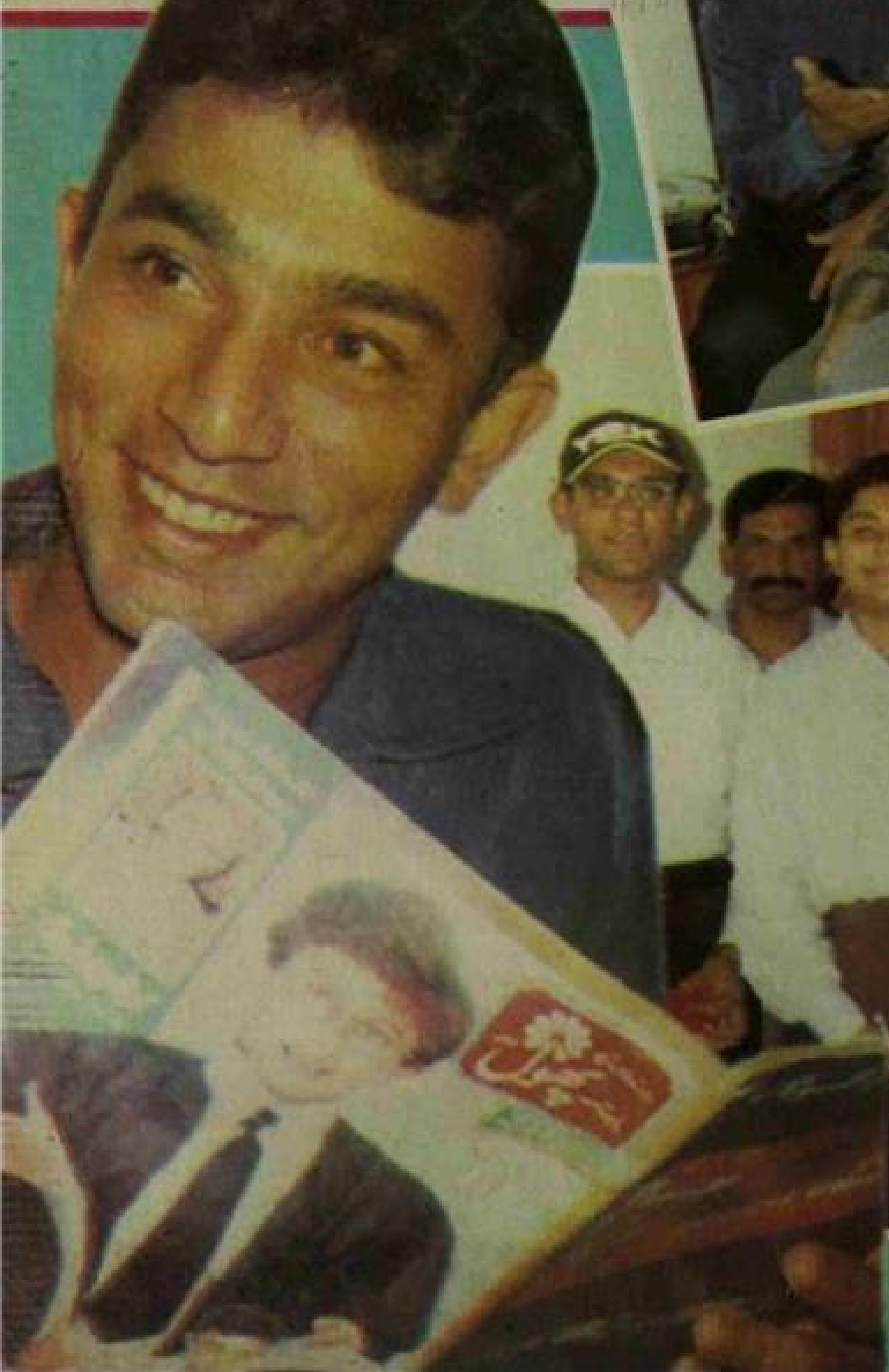
آ رہے تھے۔ وجہ پوچھی تو کہنے لگے "مجھے تو کہا گیا تھا پانچ چھ بجے ہوں گے" غضنفر نے کہا "بجے تو پانچ چھ ہی ہیں" باقی بجے ہیں۔ چند ہی لمحوں بعد دوسرے سپر سٹار داخل ہوئے' خاصی تیزی سے کمرے میں آئے' یہ شاہد آفریدی تھے' کہنے لگے "آپ نے تو جگا دیا" جواب بڑا اچھا تھا کہ پھول کا تو کام ہی جگانا ہے' وہ چاہے نئی نسل ہو یا کھلاڑی کچھ تصویریں ہوئیں اور پھر تیسرے مہمان بھی آ گئے' جی ہاں عبدالرزاق' ان تینوں کے ساتھ تصویریں ہوئی اور پھر ایک الگ انداز کے انٹرویو کا آغاز ہوا۔

اجو ذرا دیکھ کے'

معین خان بھی کمال ہیں اپنے فائدے کے لئے کھلاڑیوں کے اپنی مرضی کے تک ٹیم رکھتے ہیں' اظہر محمود کو اجو کہتے ہیں' ہمارے پینل سب سے پہلا نشانہ اظہر محمود ہی تھے کہنے لگے کہ کرکٹ کا شوق تو بچپن سے ہی تھا۔ اس لئے ایک خواہش بھی تھی کہ پاکستان کے لئے کھیلوں' خواب کا پورا ہونا مشکل تھا لیکن مستقل مزاجی' شوق اور لگن سے یہ خواب اللہ نے پورا کردیا۔ اکے فیورٹ عمران خان تھے اور اب بھی ہیں۔ انکو اپنی پہلی سیریز جو انہوں نے جنوبی افریقہ کے خلاف کھیلی' بڑی یادگار لگتی ہے۔ انہوں نے اپنی پہلی ٹیسٹ سنچری کے حوالے سے بتایا کہ سنچری مکمل ہونے پر مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نے دنیا کی بہترین ٹیم کے خلاف سو رنز بنائے ہیں۔ میرے لئے وہ دن خوشیوں سے بھرا تھا۔ ایک بچی نے پوچھا (جو قیصر









صغیر کی بھتیجی تھی) کہ اظہر بھائی آپ نماز پڑھتے ہیں تو انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا کہ کوشش کرتا ہوں مگر تمام نمازیں نہیں پڑھی جاتیں۔ عثمان نے سوال پوچھا کہ آپ کو کس کپتان کے ساتھ کھیلنے میں مزا آتا ہے تو انہوں نے کہا معین کے ساتھ بھی اور وسیم کے ساتھ بھی تو عثمان نے کہا کہ یہ تو سیاسی بیان ہے۔ اظہر نے پوچھا تمہاری عمر کتنی ہے "جواب ملا "اٹھارہ سال" تو اظہر نے کہا "اچھا! میں تمہیں اپنی لپیٹ میں لیتا ہوں۔ غضنفر نے سوال کیا کہ "اظہر بھائی آپ انگریزی سیکھنے پر توجہ دے رہے ہیں" تو انہوں نے کہا کہ بالکل نہیں اور نہ مجھے اس چیز کا افسوس ہے کہ مجھے انگریزی نہیں آتی۔ ہماری اپنی زبان ہے اور ہمیں بالکل احساس کمتری کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن ہمارا میڈیا اس سلسلے میں اچھا کردار نہیں ادا کر رہا اگر ہنسی کرونیئے "السلام علیکم" کہہ دے تو اخبار بھر دیئے جاتے ہیں اور اگر ہمارا کوئی کھلاڑی انگریزی نہ بول سکے تو اخباروں میں مذاق کیا جاتا ہے اگر دوسری ٹیموں کے کھلاڑی اردو نہیں بولتے تو ہم انگریزی کیوں بولیں۔

اس دوران اظہر خاصے جذباتی ہو گئے۔ عمر اس دوران شاہد آفریدی سے آٹوگراف لینے میں مشغول ہو گئے اور عبدالرزاق یہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے کہ "میں ذرا تیار ہو لوں" اس دوران ہلکی پھلکی گپ شپ ہوتی رہی۔ میری نظر عمران سہیل بوبی پر پڑی (ارے وہی اپنے کارٹون' سوری! کارٹون بنانے والے) موصوف اظہر محمود کے ساتھ براجمان تھے اور کہہ رہے تھے "اظہر بھائی آپ کبھی اوکاڑہ گئے ہیں" جواب ملا "ہاں" اچھا آپ وہاں کس کس کو جانتے ہیں سوال بڑا عجیب تھا میں نے بوبی سے کہا "یار تم تو ذاتی قسم کے معاملات ڈسکس کرنے لگ پڑے ہو۔ اس دوران انہوں نے اظہر سے لطیفے سننے کی بار بار فرمائش کی مگر اظہر نے صرف مسکراہٹ سے کام چلایا۔ اظہر نے کہا کہ انہیں انضمام کے ساتھ بیٹنگ کرنے کا مزا آتا ہے کیونکہ وہ بڑا اچھا ساتھی ثابت ہوتا ہے (اگر رن آؤٹ نہ کروائے تو) انہوں نے کہا کہ میں جب بھی اپنا موازنہ کرتا ہوں تو دنیا کے ٹاپ آل راؤنڈرز سے کرتا ہوں۔ سوال آیا کہ آپ کپتان بننا چاہیں گے تو انہوں نے کہا "کیوں نہیں لیکن ابھی میں کھیلنا چاہتا ہوں" "تو کیا کپتان بنکر کھیلا نہیں جا سکتا' جواب میں صرف خاموشی آئی اور عثمان کی طرف ایک گھوری' عثمان نے اظہر کو خاصا پریشان کیا۔

شاباش شاہد

اب سب لوگ شاہد کی طرف آ گئے' موصوف نیکر پہنے ہوئے تھے' جیسے سپاہی ہر وقت حالت جنگ میں ہوتا







ہے۔ وہ "حالت کھیل" میں ہے۔ سب سے پہلا سوال عمر کی طرف سے تھا۔ "انکل آپ اتنے لمبے چھکے کیوں مارتے ہیں" شاہد نے مسکرا کر کہا "بیٹا آپ کو اچھے لگتے ہیں نا اس لئے" ایک اور سوال آیا "انکل آپ اتنی جلدی آؤٹ کیوں ہو جاتے ہیں" جواب میں شاہد نے اس قومی راز سے پردہ اٹھایا کہا "بیٹا آپ کو سکول بھی تو جانا ہوتا ہے اگر آؤٹ نہ ہوں تو آپ لیٹ ہو جائیں' کسی نے پوچھا آپ ماڈلنگ کیوں کرتے ہیں شاہد نے کہا "بھئی یہی تو وقت ہے۔ اب ہر کوئی عمران خان تو نہیں بن سکتا' شروع میں جن کھلاڑیوں کے پیچھے عوام پھول لیکر بھاگتی ہے بعد میں اسی کھلاڑی کو انڈے مارے جاتے ہیں۔ اصل میں ہم جسے اپنا آئیڈیل بناتے ہیں' اس کی غلطی برداشت نہیں کر سکتے حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ غلطی تو ہر انسان سے ہوتی ہے۔ وہ پریس سے بھی خاصے نالاں ہے کہنے لگے۔ دنیا کے دوسرے پریس اپنے کھلاڑیوں کی غلطیوں کو چھپاتے ہیں مگر ہمارے ہاں اخباران کو بڑھا چڑھا کر اور مصالحہ لگا کر پیش کرتے ہیں۔ آئے دن کوئی نہ کوئی سکینڈل چھپا ہوتا ہے۔ ان چیزوں سے کھلاڑی کی کارکردگی پر برا اثر پڑتا ہے۔ شاہد کو بھی عمران خان پسند ہیں۔ بشیر صاحب اپنے بچوں زینب اور احسن کے ہمراہ آئے تھے۔ انہوں نے شاہد کو لیکچر دیا کہ بھائی ٹاپ پر ہمیشہ جگہ خالی ہوتی ہے۔ محنت کرو' ہمت نہ ہارو' ممکن ہے عمران خان سے زیادہ شہرت ملے ہاں البتہ سیاست میں آنے کی غلطی نہ کرنا اور پھر ایک ایڈوانٹیج تو تمہیں ہے کہ تمہاری شادی بھی ہو چکی ہے اور پھر ساری قوم کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ ایک دن ضرور کامیابی ملے گی" لیکچر ختم ہوا تو آفریدی سوچنے لگے (شاہد دو کانوں کے درمیان راستہ بنا رہے تھے" لیکن اس میں فائدہ تو بہرحال تمہارا ہی ہے" اس دوران نوجوان فیصل اقبال (جو کہ جاوید میانداد کے بھانجے ہیں) وہاں آ گئے۔ قیصر بھائی نے بتایا کہ یہ کل کے سٹار ہیں ہم نے کہا صرف سٹار نہیں اللہ کرے سپر سٹار بنیں' پھر ہم ان سے انٹرویو کریں دونوں کھلاڑیوں سے گفتگو اختتام کو پہنچی اور ہم شکریہ ادا کر کے چلے آئے۔ اب ہم لفٹ میں تھے اور ہماری منزل عبدالرزاق کا کمرہ تھا۔

"رضی ذرا دیکھ کے"

عبدالرزاق نے بڑے دھیمے لہجے میں اور رک رک

بقیہ صفحہ نمبر: 119 پر

یہ ہے سائنس کی دنیا

ہر ماہ 5 بہترین سوالوں پر 1000 روپے کے انعامات

لوہے کا بنا ہوا اتنا بھاری جہاز اڑ کیسے لیتا ہے
محمد مراد چوہدری شہداد کوٹ ضلع لاڑکانہ

س....ہوائی جہاز اتنا بھاری ہوتا ہے لوہے کا بنا ہوا اڑ کیسے لیتا ہے؟

ج....ہوائی جہاز بہت بھاری ہوتا ہے لیکن وہ اپنے پروں کی مخصوص بناوٹ اور سائز اور انجن کی طاقت کی وجہ سے اڑتا ہے یا اڑنے کے قابل ہوتا ہے۔ اگر دوران پرواز جہاز کا انجن بند ہو جائے فیل ہو جائے تو جہاز تیز رفتاری سے بتدریج زمین کی طرف گرنے لگے گا۔ پروں کی مخصوص بناوٹ ایسی ہے کہ جب جہاز رن وے پر ایک مخصوص رفتار کو پہنچتا ہے تو پروں کے اوپر اور نیچے ہوا کا دباؤ مختلف ہو جاتا ہے۔ اوپر والی سطح پر ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ہوا کا نچلی سطح پر دباؤ جہاز کو اوپر اٹھانے کا سبب بنتا ہے۔ پروں کی اس مخصوص بناوٹ کو Aero Foil کہتے ہیں۔ جہاز ڈیزائن کرتے وقت جہاز کا وزن کم سے کم رکھا جاتا ہے تاکہ پروں کا پھیلاؤ محدود رکھا جاسکے اور انجن کو بھی کم سے کم طاقت لگانا پڑے۔ انجن جہاز میں جہاز کو ایک مخصوص رفتار دینے کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور یہ نیوٹن کے تیسرے قانون حرکت کی اصول کو استعمال کرتے ہوئے کام کرتے ہیں۔ انجن ہوا کو پیچھے دھکیلتے ہیں اور ہوا انجن کو آگے دھکیلتی ہے یاد رہے کہ لوہا ایک زیادہ بھاری دھات ہے اور جہاز لوہے کا نہیں بنا ہوتا بلکہ اس کی جگہ دوسری ہلکی دھاتیں استعمال ہوتی ہیں۔

تالی بجانے سے کھلونے بولنے کیوں لگتے ہیں۔
عبدالصمد مظفر سلطان پورہ لاہور

س....آج کل چند کھلونوں کے قریب تالی بجائیں تو بولنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

ج....ان کھلونوں میں ایک الیکٹرونک سرکٹ لگا ہوتا ہے جسے ساؤنڈ سوئچ کہتے ہیں۔ تالی بجانے سے آواز کی لہریں ایک چھوٹے سے مائیکرو فون پر پڑتی ہیں جہاں سے وہ برقی سگنل میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور یہ سگنل کھلونے کے سوئچ کو آن کر دیتا ہے۔ جس سے کھلونے چلنا شروع ہو جاتے ہیں اور اگر ان میں کوئی ریکارڈ شدہ آواز ہے تو وہ بولنا شروع ہو جاتے ہیں۔ آج کل نا صرف ساؤنڈ سوئچ مہیا ہیں بلکہ سوئچ حرارت سے چلنے والے سوئچ دباؤ سے چلنے والے سوئچ، روشنی سے چلنے والے سوئچ، اندھیرے سے چلنے والے سوئچ اور انفراریڈ لائٹ سے چلنے والے سوئچ وغیرہ عام ہیں۔

کمپیوٹر کا وائرس ہے کیا چیز؟
محمد فیصل جاوید مغل پورہ لاہور

س....کمپیوٹر میں وائرس کیوں آتا ہے۔ وائرس ہے کیا چیز؟

ج....کمپیوٹر ایک بے جان مشین ہے اور کمپیوٹر وائرس کی اصطلاح صرف ایک ایسی خرابی کی نشاندہی کیلئے استعمال کی جاتی ہے۔ جس میں بنیادی طور پر کسی بیرونی عامل کی وجہ سے یا کسی DATA کی وجہ سے کمپیوٹر کیلئے کسی کام کو دی گئی ہدایات کے حسب منشا سرانجام دینا ممکن نہ ہو۔ کمپیوٹر ایک نظم و ضبط سے چلنے والی مشین ہے۔ اور جب یہی نظم و ضبط کسی دوسرے سافٹ ویئر پروگرام کی وجہ سے Disturb کیا جائے تو اس کی دلچسپی کیلئے وائرس کا نام دیا گیا ہے۔ حیاتیاتی وائرس کمپیوٹر وائرس کا کوئی تعلق نہیں کمپیوٹر وائرس آج کل زیادہ تر ایسے کمپیوٹروں میں آرہا ہے جو انٹرنیٹ سے منسلک ہیں یا جو وائرس چیک کے بغیر فلاپی یا کمپیوٹر ڈسک کے پروگرام چلاتے ہیں۔ وائرس ایک ایسی خفیہ سافٹ وئر کمانڈ ہوتی ہے جو آپ کے کمپیوٹر میں موجود DATA کو خراب کر دیتی ہے۔ آج کل شرارتی کمپیوٹر انجینئر ایسے پروگرام بنا کر عموماً انٹرنیٹ کے ذریعے بھجوا رہے ہیں جو کہ وسیع پیمانے پر کمپیوٹروں کو فیل کر دیتے ہیں۔ وائرس سے بعض اوقات کمپیوٹر میں موجود DATA کے علاوہ کمپیوٹر کے پرزہ جات بھی متاثر ہوتے ہیں۔

دن میں تارے کیوں نظر نہیں آتے؟
سید غضنفر علی ساندہ خورد لاہور

س....کیا دن میں تارے نظر آسکتے ہیں اگر نہیں تو کیوں؟

ج....دن میں تارے نظر آسکتے ہیں اگر آپ دن کے وقت سورج کو کسی ایسی چیز سے ڈھانپ دیں کہ اس کی روشنی باہر نہ نکل سکے۔ تاروں کی روشنی نسبتاً معمولی ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے ہمیں زمین سے سورج کی روشنی کے دوران ستارے نظر نہیں آتے۔ اگر ہم کسی خلائی جہاز پر سوار ہو کر اپنے نظام شمسی سے نکل جائیں تو ہمیں ستارے ہر وقت نظر آئیں گے۔

سمندر کے پانی میں پودے گل کیوں نہیں جاتے؟
آسیہ ناز اسلام آباد

س....سمندر میں اتنا پانی ہوتا ہے پھر پودے کیسے اگتے ہیں انہیں تو گل سڑ جانا چاہیے؟

ج....سمندر کے پودے خشکی کے پودوں سے ساخت میں مختلف ہوتے ہیں اور وہ پانی سے ہی اپنی خوراک لے کر نشوونما پاتے ہیں۔ زمینی یا خشکی کے پودے اگر سمندر میں رکھے جائیں تو وہ یقیناً گل سڑ جائیں گے۔ اسی طرح سمندر کے پودے بھی خشکی پر رکھے جانے کی صورت میں مر جائیں گے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے مچھلی خشکی پر اور انسان پانی میں نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ان کی ساخت اس ماحول کے مطابق نہیں ہے۔

آنکھ پھڑکنے سے متعلق کہانیوں میں کتنا سچ ہے؟
نوشین ناز لاہور

س....آنکھ کیوں پھڑکتی ہے؟ اس کے متعلق جو کہاوتیں ہیں کیا وہ درست ہیں؟

ج....انسان کے مجموعی بلڈ پریشر میں زیادتی کی وجہ سے آنکھ کے آس پاس موجود چھوٹی نالیوں میں بلڈ سپلائی تیز ہونے یا انہی نالیوں میں کسی وقتی رکاوٹ کی وجہ سے آنکھ کا پردہ ارتعاش پذیر ہوتا ہے۔ جسے عرف عام میں آنکھ کا پھڑکنا کہتے ہیں۔ کہاوتیں صرف کہاوتیں ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ماریہ مجید اعظم گارڈن لاہور

س....انسانی جینز کی ڈی کوڈنگ کیا ہے؟

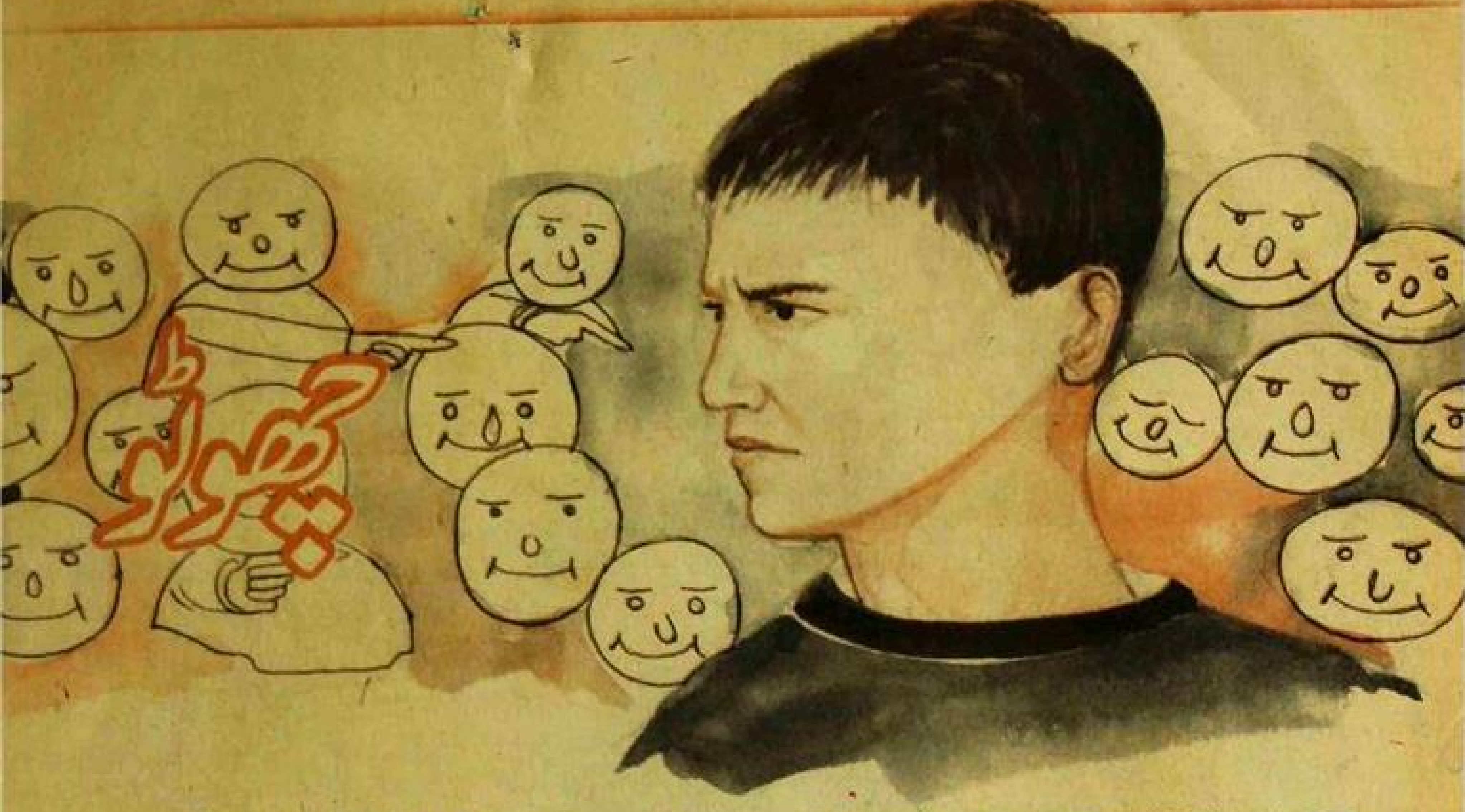
ج....DNA کسی بھی جاندار کی بنیادی اکائی ہے۔ اور اس میں اس جاندار کی نشوونما استعداد و مدافعت وغیرہ کی تمام پروگرامنگ موجود ہوتی ہے۔ اب سائنسدانوں نے اس پروگرامنگ کی بنیاد کوڈی کوڈ کیا ہے۔ جس میں اندازاً تین ارب کے لگ بھگ تراکیب Combinations ہو سکتی ہے۔ اسے Genome کا نام دیا گیا ہے۔ اور اسی کو "Genetic D. Coding" بھی کہا جاتا ہے۔ اس پر مزید تحقیق جاری ہے۔ Genome کا پراجیکٹ ابھی کچھ ماہ پہلے ہی مکمل ہوا ہے۔

یہ ہے سائنس کی دنیا
سوال آپ کے جواب ہمارے
نیا انعامی سلسلہ ہر ماہ بہترین سوالوں پر 1000 روپے کے انعامات

کچھ اس نئے انعامی مقابلے کے بارے

عام طور پر ہم سوال پوچھتے ہیں اور آپ جواب دیتے ہیں پھر ایسے جواب پر انعام پاتے ہیں۔ اس نئے مقابلے میں یہ قاعدہ الٹ کر رہے ہیں۔ آپ سوال پوچھئے جواب ہم دیں گے۔ اور ہر اچھے سوال پر 200 روپے کی کتابیں انعام میں دیں گے۔ ایک سال کے بعد سب سے اچھے سوال پر 1000 روپے کی انعامی سائنسی کتابوں کا انعام الگ ہوگا۔

سال کے بہترین سوال پر لاہور کے سائنس میوزیم کی فری ممبر شپ اور پورے خاندان کے لئے بغیر ٹکٹ وہاں کی سیر کا انعام بھی ملے گا۔



چھوٹو

ایک طالبعلم کا قصہ جو اپنے چھوٹے قد کی وجہ سے پریشان رہتا تھا پھر اس کی یہ پریشانی دور ہو گئی بھلا کیسے؟ آپ بھی پڑھیے گا۔

ناہید انجم ...... لاہور

یہ ان دنوں کا قصہ ہے۔ جب میں ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا کلاس کے سارے لڑکے مجھے ''چھوٹو'' کہہ کر پکارتے تھے۔ میرا یہ نام میرے چھوٹے قد کی وجہ سے تھا جماعت کے سارے لڑکے اپنے قدوقامت کے لحاظ سے ٹھیک ٹھاک تھے اور مجھے ہی چھوٹا قد رکھنے کی انفرادی حیثیت حاصل تھی۔ میں اس پر خوش تھا۔

ایک دن جماعت میں استاد نے پوچھا کہ بڑے ہو کر آپ کیا بنیں گے؟ میں نے جواب میں کہا تھا۔ میں بڑا ہو کر فوج میں کمشن لوں گا اور آرمی آفیسر بنوں گا۔ میرا یہ جواب سنتے ہی احسن جو کہ میرا ہم جماعت تھا بولا ''تمہارا قد چھوٹا ہے اور چھوٹا ہی رہے گا مزید یہ کہ تم آرمی جوائن نہ کرسکو گے۔'' کچھ ایسا ہی جواب میرے استاد محترم کا تھا ...... میں یہ سب کچھ سن کر چپ رہا۔

چھٹی کا گھنٹہ بجا ...... میں نے گھر کی راہ لی۔ گھر پہنچ کر کھانا کھایا اور سو گیا۔ سہ پہر سو کر اٹھا تو میرا دل بہت ملول تھا ...... اس روز مجھے اپنی پست قامت کا بہت دکھ ہوا اور میری آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ کاش میرا قد بڑھ جائے مگر کس طرح؟ میں نے اس پر سوچنا شروع کر دیا۔ مجھے یہ غم بھی ستانے لگا اگر میرا قد چھوٹا ہی رہا تو مجھے فوج میں کمشن نہیں ملے گا۔ اس صورت میں میرا مستقبل کیا ہو گا۔ رات اسی ادھیڑبن میں گذر گئی۔ صبح سکول جانے کیلئے اٹھا تو میرا جسم بخار میں تپ رہا تھا۔ ماما مجھے ناشتہ کیلئے جگانے آئیں تو میں نے انہیں بتایا کہ میری طبیعت خراب ہے۔ یہ سن کر وہ بولیں۔

''کیا آج آپ سکول نہیں جاؤ گے؟'' اتنا کہہ کر انہوں نے اپنا ہاتھ میرے ماتھے پہ رکھ دیا۔ مجھے واقعی بخار تھا۔ میں نے صرف دودھ کا گلاس پیا اور ماما سے بغیر کچھ کہے دوبارہ بستر پہ لیٹ گیا ...... تھوڑی دیر کے بعد ماما میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں میں ناشتہ کے بعد تمہیں ڈاکٹر کے پاس لیکر چلوں گی پھر جونہی ماما ناشتہ سے فارغ ہوئیں وہ مجھے قریبی ڈاکٹر کے پاس لے گئیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنا چیک اپ کیا۔ اس وقت بھی میری آنکھوں میں آنسو تھے۔ بظاہر تو مجھے بخار تھا لیکن دل میں یہ غم کہ میرا قد چھوٹا ہے اور چھوٹا ہی رہے گا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اس کا ذکر ڈاکٹر صاحب سے کیا تو وہ بولے تمہارا قد بڑھ سکتا ہے۔

وہ کیسے؟ میں نے پوچھا تو جواباً ڈاکٹر صاحب کہنے لگے قد بڑھانے کیلئے ضروری ہے کہ تم دودھ ضرور پیا کرو...... اس کیلئے صبح کی سیر لازمی ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ تم پابندی سے نماز پڑھا کرو۔ صبح سیر کیلئے کسی باغ یا پارک میں جاؤ وہاں درختوں کی شاخوں کو اچھل کر ضرور چھوا کرو۔ تمہارے لئے یہ کھیل تین سے پانچ منٹ تک کھیلنا ہو گا۔ یہ ساری باتیں سننے کے بعد میں نے ان سے پوچھا کیا آپ مجھے کوئی دوا نہیں دیں گے۔ جس سے میرا قد بڑھ جائے میری یہ بات سن کر پہلے تو ڈاکٹر صاحب خاموش رہے لیکن پھر کہنے لگے۔

فی الحال تم بخار کی دوا لو۔ اس کے بعد آنا پھر تمہارے مسئلہ کا حل سوچیں گے تب میں دوا لے کر ماما کے ہمراہ گھر چلا آیا۔

بخار نجانے کیوں مجھ پہ عاشق ہو چکا تھا

میں تین ہفتے تک اس کے ناز اٹھاتا رہا۔ چوتھے ہفتے کے شروع میں ڈاکٹر صاحب کے ہاں جانا ہوا تو وہ بولے۔

اب تمہیں میرے پاس روزانہ آنا ہو گا۔ میں تمہارا پکا علاج کرونگا۔ تمہیں اس بات کا غم ہے کہ میرا قد نہیں بڑھ رہا یہی بات ہے نا۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے پیار کرتے ہوئے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ میں نے انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ انہوں نے مجھے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا رونا تمہارے مسئلے کا حل نہیں۔ میں نہ چاہتے ہوئے ان سے کل ملنے کا وعدہ کیا اور گھر لوٹ گیا۔ اب میرا بخار ٹوٹ چکا تھا۔ اس رات مجھے آسودگی کی نیند آئی۔ حسب وعدہ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی تو وہ خوشدلی سے ملے۔ اس روز شرارتاً مجھے ڈاکٹر صاحب نے ایک یا دو بار ''چھوٹو'' کہہ کر پکارا ...... اس پر مجھے بہت غصہ آیا لیکن میں احتراماً چپ رہا ...... اب مجھے کوئی بھی ''چھوٹو'' کہہ کر پکارتا تو مجھے بہت ناگوار لگتا تھا۔ مجھے اپنی بے بسی پر بہت دُکھ ہوتا تھا کہ میں اپنی قامت کو خود ہی نہیں بڑھا سکتا۔ اس روز کلینک میں مریض کم تھے۔ ڈاکٹر صاحب جلد فارغ ہو گئے۔ میں اکیلا ان کے پاس رہ گیا۔ تب انہوں نے نہایت شفقت بھرے لہجے میں پوچھا۔ بتاؤ تم اتنے دُکھی اور افسردہ کیوں رہتے ہو اور ''چھوٹو'' لفظ سے کیوں بُرا مانتے ہو؟ اس پر میں چپ رہا تب ڈاکٹر صاحب مجھے سمجھاتے ہوئے کہنے لگے۔ ''پست قامت'' رکھنا کوئی عیب نہیں۔ بڑا آدمی وہ ہوتا ہے جس کے خیالات نیک ہوں اور ارادے بلند۔ وہ جو بھی کام کرے۔ اس میں دوسروں کا بھلا بھی ہو۔ ڈاکٹر کی دلنشین باتیں میرے دل میں اترتی جا رہی تھیں پھر انہوں نے مجھے ایک شعر سنایا جو کچھ یوں تھا

آدمیت سے ہے بالاتر، آدمی کا مرتبہ
پست ہمت یہ نہ ہووے، پست قامت ہو تو ہو

پھر وہ مجھے دُعا دیتے ہوئے کہنے لگے۔ خُدا کرے تمہارا قد بڑھ جائے اور تمہاری دلی آرزو آرمی مین بننے کی پوری ہو جائے۔ ہاں اگر ایسا نہ ہوا تو گھبرانا نہیں۔ ہمت سے کام لینا۔ یہاں اکثر بڑے قد والے کام چھوٹے کرتے ہیں۔ تم بڑے کام کر کے ان سے آگے نکل سکتے ہو۔

اس بات کو کتنے ہی سال گذر گئے۔ یاد کرتا ہوں تو خود حیرت ہوتی ہے۔ میرا قد نہیں بڑھ سکا۔ میں نے کوشش ہی چھوڑ دی ہاں کوشش اور جستجو کا رُخ بدل دیا۔

آپ کو پتہ ہے لوگ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ کتنے ہی آرمی والے مجھے روز سلیوٹ کرتے ہیں اور تو اور ان کے بچے بھی ہنسی خوشی میرے پاس آتے ہیں۔ مجھ سے باتیں کرتے ہیں۔ میری باتیں سنتے ہیں اور تو اور میرے منہ پہ مجھے چھوٹو ڈاکٹر کہہ کر بلاتے ہیں اور میں ان کے معصوم سے منہ چوم لیتا ہوں کیونکہ مجھے پتہ ہے ان کے گھروں میں بھی مجھے چھوٹو ڈاکٹر کہہ کر یاد کرتے ہیں۔ ساتھ میں یہ ضرور کہتے ہیں کہ ہے تو چھوٹا مگر بڑی بڑی بیماریوں کو یوں قابو کرتا ہے جیسے عقاب چڑیا پر جھپٹتا ہے۔ میرا کلینک کینٹ ایریا کے ساتھ ہے۔ میں فوجی بن کر شاید اتنی عزت اور اہمیت نہ پا سکتا جتنی ان کی خدمت کرکے مجھے ملتی ہے۔ اب کوئی چھوٹو کہتا بھی ہے تو کہے...... اپنے کام کی بڑائی میں خوب جانتا ہوں۔

بقیہ۔عبیدہ سید

پہلے پروگرام میں میں شریک ہوئی تھی اس پروگرام میں کسی نے سوچا بھی نہ ہو گا کہ اللہ رب العزت پھول کو چار عالم ایک خوشبو اور زندگی سے بھرے رسالے کے طور پر عزت دے گا۔

چھوٹے بچوں کے بہت رسالے تھے مگر سچ یہ ہے کہ بڑے ہوتے ہوئے بچوں کیلئے ہمارے ہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ مشکل کام پھول نے سنبھالا اور خوب کر دکھایا۔

اپنے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے عبیدہ سید نے کہاکہ میری پیدائش سیالکوٹ میں ہوئی ابتدائی تعلیم کانونٹ سے حاصل کی جی سی کالج سے فلسفہ میں ماسٹرز کیا اور پھر ریڈیو سے منسلک ہو گئی۔ مجھے فلسفہ پڑھنے کا کریز تھا۔ دراصل میرے بڑے بھائی میرے آئیڈیل تھے چونکہ انہوں نے بھی فلسفہ میں ایم اے کیا ہوا تھا بس میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ فلسفہ کی تعلیم نے میری بڑی مدد کی۔ اس نے مجھے زندگی کو سمجھنے زندگی کو بہتر طریقے سے چلانے اور لوگوں کی نفسیات کو سمجھنے اور جاننے کا موقع دیا۔ خاص طور پر فلسفے کی تعلیم نے میرے ذہن کو وسیع کیا ہے۔

میں ایف ایم۔101 چینل کو ایک چھوٹے سے بچے کی طرح لے کر چلی ہوں اور اب اس بچے کے ساتھ میں پاؤں پاؤں چل رہی ہوں۔ میں 20 گھنٹے اپنے چینل کو سنتی ہوں اور کوشش کرتی ہوں کہ کہیں بھی کوئی کمی نہ رہے۔

میں میرٹ پر چلتی ہوں ٹیلنٹ اور صلاحیت کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کرتی ہوں مجھے ہمیشہ نئے نئے اور فریش آئیڈیاز رکھنے والے لوگوں کی تلاش رہتی ہے۔ آج آپ سب بچوں کے درمیان بیٹھ کر مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے اور میں چاہونگی کہ آپ سب میں بھی جو بچے ریڈیو پر کام کرنا چاہے ان میں ٹیلنٹ ہو یا اچھے آئیڈیاز ہوں میں ان کو ضرور استعمال کروں گی اور اگر آپ بچوں میں سے کوئی اس فیلڈ میں آنا چاہے تو میں اس کو بتاؤں گی کہ اسے کیا کرنا ہے اسی دوران ننکانہ سے آئے ہوئے ایک چھوٹے سے پھول ساتھی نے بڑی معصومیت سے پوچھا کہ آپ نے کہا کہ میں یہاں بچوں کو دیکھنے آئی ہوں تو مجھے بتائیں کہ اس بچے کو ریڈیو پر آنے کیلئے کیا کرنا ہو گا؟؟؟؟

پہلے تو عبیدہ سید مسکرائیں اور کہا کہ آپ ریڈیو پر کیا کرنا چاہتے ہو۔ بچے نے کہاکہ مجھے نغمے اور ترانے گانے کا شوق ہے اس پر عبیدہ سید نے انہیں اپنے نام کی چٹ دے دی اور ملنے کا ٹائم بھی۔ (بھئی بچے آپکا تو بھلا ہو گیا...... اسے کہتے ہیں۔ لوہا گرم ہو تو......)

آخر میں عبیدہ سید نے بڑی انکساری سے کہاکہ میں چھوٹی موٹی ادیبہ اور شاعرہ بھی ہوں اور اس کے ثبوت کیلئے انہوں نے ہمیں اپنی ایک نظم سنائی آپ کیلئے صرف ایک شعر

جب آنکھ کسی کی یاد میں روتی بھی نہیں ہے
تو سمجھو کہ تہہ آب میں موتی بھی نہیں ہے

خوبصورت راستوں کے مسافر کی داستان اس نے وہیں کہیں اپنا سنہری دور کھو دیا تھا

حمید اللہ مُغل



وہ اک جملہ

میری عُمر کے پچپن سال اندرون شہر کی تنگ اور پُر پیچ گلیوں میں گذرے ہیں۔ اب میں شہر کے ایک پوش علاقے میں رہتا ہوں کبھی کبھار جب فارغ ہوں تو میرے دل کے شہر میں ایک موسم آباد ہو جاتا ہے۔ ایسا موسم جس میں صبح کی اجلی دھوپ ہے۔ تاریک گلیاں ہیں۔ جن کے کناروں پہ بنی نالیوں کے بہتے پانی میں دھوپ کی کرنیں سمیٹتی ہیں۔ گلیوں سے ذرا اونچی دہلیزوں پر بچے رواں رواں کرتے ہیں۔ چوباروں اور دریچوں کے رستے اندر داخل ہو کر نقش و نگار بناتی سُنہری دھوپ ہے۔ ان تنگ زمینوں، تاریک راستوں اور پُر پیچ گلیوں کے گورکھ دھندے میں روزانہ سینکڑوں کہانیاں جنم لیتی ہیں مگر اسے کہانی کہنا شاید غلط ہو گا۔ یہ زندگی کی سچائی ہے۔ زندگی کا فلسفہ ہے۔ اُس لڑکے کو میں ہفتے میں دو تین دفعہ دیکھا کرتا تھا۔ وہ بڑا معصوم اور بھولا بھالا چہرہ تھا۔ اُس کی عمر بمشکل اٹھارہ بیس ہی ہو گی۔ اُس کے سفید چہرے پہ ہلکی ہلکی داڑھی تنکوں کی مانند اُتری تھی۔ اُس کی سیاہ دراز پلکیں اکثر جھکی رہتی تھیں۔ میں نے اُس لڑکے کو ہر دفعہ ایک بُرقع پوش عورت کے ساتھ دیکھا تھا۔ لڑکا آہستگی کے ساتھ اُس عورت کے کان میں سرگوشی کرتا اور وہ عورت اُس پر پھٹ پڑتی آواز سے محسوس ہوتا اُس عورت کی عمر ساٹھ پینسٹھ کے لگ بھگ ہو گی۔ وہ عورت اُسے گالیاں دیتی دھکے اور ٹھوکریں مارتی مگر وہ اپنی جگہ ڈٹا رہتا۔ صبح سے دوپہر اور پھر سہ پہر ہو جاتی مگر وہ اُسے اپنے ساتھ واپس لے جا کر ہی دم لیتا۔ پورے پانچ سال میں یہ منظر وقتاً فوقتاً دیکھتا رہا۔ کبھی یہ منظر ہفتے میں دو تین بار نظر آتا کبھی یہ وقفہ لمبا ہو جاتا اور وہ عورت اور لڑکا کئی کئی ہفتے غائب رہتے۔ یہ سارے منظر میں اپنے چوبارے میں بیٹھا دیکھا کرتا تھا۔ کئی دفعہ دل چاہا جا کر صورتحال دریافت کروں مگر ہمت نہیں پڑی۔

علاقے کے لوگوں کی اُن دونوں کے بارے میں مختلف آراء تھیں۔ کچھ کا خیال تھا دونوں ماں بیٹا ہیں اور دونوں ایب نارمل ہیں۔ کچھ کا کہنا تھا بیٹا ماں سے جائیداد میں سے حصہ مانگتا ہے مگر وہ بڑے بیٹے کو نوازنا چاہتی ہے۔ یہ بھی سننے میں آتا تھا اُس عورت کے نو بیٹے ہیں۔ وہ عورت اور لڑکا میری گلی سے ساتویں آٹھویں گلی میں رہتے تھے۔ اکثر یہ تجسس مجھے تنگ کرتا تھا کہ میں ان دونوں کے بارے میں صحیح صورتحال جانوں مگر کچھ کام کی زیادتی کچھ دوسری مصروفیات کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا، اکثر مجھے یہ خیال تنگ کرتا رہتا تھا کہ وہ لڑکا اُس عورت کے کان میں کیا کہا کرتا تھا۔ جس سے وہ بھڑک جایا کرتی تھی۔ وہ وہی فقرہ بار بار دہرایا کرتا تھا۔ ہونٹ ہلتے نظر آتے تھے مگر آواز ناپید تھی پھر ایک دن ایسا ہوا کہ وہ لڑکا انتقال کر گیا دل کی تمنا دل میں ہی رہ گئی۔ میں نے پہلی دفعہ اس کا گھر تب دیکھا جب اُس کی میت کو کندھا دینے گیا۔ اُس لڑکے کے آٹھ بھائی تھے۔ سب اُس سے بڑے تھے۔ وہ سب میں چھوٹا تھا۔ آیا سب سے بعد تھا چلا سب سے پہلے گیا تھا۔ قبرستان میں اُس کی قبر سے اٹھتی ہوئی خوشبو کو سب نے محسوس کیا تھا اور دم بخود رہ گئے تھے۔ وہ کوئی بڑی برگزیدہ ہستی تو نہیں تھا۔ اس کا ایسا کونسا عمل تھا جس نے اسے اس معراج تک پہنچا دیا تھا۔ یہ بات کئی دن تک میرے حواس پر چھائی رہی۔ قبر سے اٹھتی خوشبو مجھے رہ رہ کر یاد آتی

رہی میں نے اُس کی زندگی کے بارے میں جاننے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ وہ ایک خوشگوار شام تھی جب میں اُس کے گھر پہنچا تھا۔ وہ چار منزلہ تنگ اور گھٹی گھٹی عمارت تھی۔ گھر سے اندر اور باہر چیخ دھاڑ مچی ہوئی تھی۔ میں دو گھنٹے وہاں بیٹھ کر آیا مگر مجھے کوئی خاطر خواہ معلومات نہیں ملی۔ کئی دن اسی شش و پنج میں گذر گئے پھر خد نے ایک وسیلہ پیدا کر دیا۔ اُس گھر میں کام کرنے والی پرانی ملازمہ ماسی برکتے سے مجھے ساری معلومات مل گئیں۔ اُس نے بتایا کہ اُس کا نام عبدالصبور تھا وہ ماں سے بے انتہا پیار کرتا تھا۔ اُس کے بڑے بھائی سب شادی شدہ ہیں۔ وہ بیویوں کی وجہ سے ماں سے اچھا برتاؤ نہیں کرتے۔ ایک بچے کی پرورش میں ماں اپنا آپ فنا کر لیتی ہے۔ جس نے نو بچوں کی پرورش کی ہو اور وہ بچے اُس کا حق ادا نہ کریں تو ایسی ماں کا کیا حال ہو گا۔ وہ جو آنکھوں میں سینکڑوں خواب سجاتی ہے۔ ہر لمحے ہر پل آنے والے وقت کا سوچ کر خوش ہوتی رہتی ہے جب ''اُس وقت'' پر پہنچ کر اُسے دکھ ملتا ہے تو وہ دیوانی ہو جاتی ہے۔ عبدالصبور کی ماں کو بھی اسی صدمے نے دیوانہ بنا دیا تھا۔ وہ اکثر بہوؤں اور بیٹیوں سے لڑکر برقعہ پہن لیتی تھی اور گھر سے نکل جاتی تھی۔ اُسے عبدالصبور کے سوا کوئی منانے نہیں جاتا تھا۔ وہ ماں کی جھڑکیاں اور گالیاں سُن لیتا تھا مگر ماں کو لے کر ہی واپس لوٹتا تھا۔ وہ ماں سے بے انتہا پیار کرتا تھا۔ اب اُس کی ماں کبھی گھر سے باہر نہیں نکلتی کمرے میں ہی پڑی رہتی ہے اور بچوں کی دی روکھی سوکھی کھا لیتی ہے۔ اُسے بھی علم ہے اب اُسے گھر واپس لانے والا کوئی نہیں ہے۔ میں جب ماسی برکتے سے ساری بات سُن کر اُٹھا تو میری آنکھیں بھیگ رہی تھیں پھر بھی دل میں ایک کسک تھی کہ میں جان سکوں وہ ماں کے کان میں کیا کہا کرتا تھا پھر ایک دن گلی کے جمعدار سے یہ خوبصورت فقرہ بھی مجھے معلوم پڑ گیا۔ اُس جمعدار نے یہ فقرہ کئی بار عبدالصبور کی زبان سے سُنا تھا اب تو اُسے یہ حفظ ہو گیا تھا۔ وہ میٹھا بول یہ تھا ''ماں! گھر چل ناں''۔ وہ اُسی فقرے کی گردان کیا کرتا تھا اور ماں کی گالیاں سُنا کرتا تھا۔ اُس نے گالیاں سُنتے سُنتے منزل کو پا لیا تھا۔ اس دن کے بعد میں نے بھی معمول بنا لیا میں روزانہ ماں کے پاس جاتا ہوں۔ اُسے کہتا ہوں ''ماں! گھر چل ناں'' مگر وہ میرا کہنا مانتی ہی نہیں۔ جب اسی بات کی گردان کرتے ہوئے بہت سا وقت گذر جاتا ہے وہ کوئی جواب نہیں دیتی تو میں بلبلا اُٹھتا ہوں۔ میں کتنا کم نصیب ہوں کہ میں نے وہ سنہری وقت کھو دیا ہے جب میری ماں زندہ تھی۔ اب میری ماں منوں مٹی تلے دبی پڑی ہے۔ تنگ و تاریک پُر پیچ گلیوں میں ماں کے پیچھے پیچھے چلنے والا عبدالصبور بہت خوبصورت رستوں کی طرف ہو لیا تھا مگر میں آج بھی لاہور کی پوش سڑکوں کو گاڑی کے پہیوں سے ناپتا رہتا ہوں کیونکہ میں نے اپنا سنہری دور کھو دیا تھا۔

ایک تاریخی کہانی

رسم

شاہد محمود

آج سے تقریباً تین سو سال پہلے برصغیر پاک و ہند پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ آج کا پاکستان، بنگلہ دیش اور بھارت یہ سارا سلطنت مغلیہ کا حصہ تھا لیکن مسلمانوں کے دور حکومت میں بھی ہندو مسلمانوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ اسلئے ہندو دانشوروں کا یہ الزام کہ اسلام ہندوستان میں طاقت کے زور پر پھیلا درست نہیں ہے۔ اگر اس الزام میں کوئی حقیقت ہوتی تو آج ہندوستان میں ایک بھی ہندو نہ ہوتا۔ یہ اسی زمانے کی بات ہے کہ ایک چھوٹی سی ریاست میں ایک ہندو راجہ جے پال حکمران تھا۔ اس کی ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام راجکماری شکنتلا تھا۔ راجہ اپنی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی سے بڑی محبت کرتا، ایک پل بھی اس کو اپنے آپ سے دور نہ ہونے دیتا۔ ہندو معاشرہ دراصل رسوم و رواج کا معاشرہ ہے، یہاں رسم و رواج انسانی زندگی سے بھی زیادہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ برہمن کو ہندو معاشرے میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ برہمن سب سے اونچی ذات والے اور شودر سب سے کم تر ذات والے سمجھے جاتے ہیں۔ آج کل ہم ہندو معاشرے میں جو تھوڑی بہت تبدیلی دیکھ رہے ہیں وہ مسلمانوں کے ہزار سالہ دور اقتدار کی وجہ سے ہے۔ ریاست میں مہا پروہت کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ حالانکہ یہ ریاست سلطنت مغلیہ کی باجگزار تھی لیکن یہاں اصل میں مندر کا مہا پروہت ہی حکمران تھا اور اسی کے احکامات پر عملدرآمد ہوتا تھا۔ ایک دن راجہ جے پال بے حد پریشان تھا' کیونکہ مندر کے پروہت نے اس کو پیغام بھیجا تھا کہ ''کالی ماتا'' کے خصوصی تہوار کے موقعہ پر اس مرتبہ ''راجکماری'' شکنتلا کی باری ہے۔ یہ ایک ظالمانہ رسم تھی' جو ہزاروں سال سے جاری تھی' ہندو معاشرے میں بعض رسومات بے حد ظالمانہ ہیں جس کو آج کا روشن خیال ہندو بھی تسلیم کرتا ہے' مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر نے ستی کی ظالمانہ رسم پر پابندی لگا دی تھی۔ اس رسم کے مطابق جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو اس کی بیوہ کو بھی اس کے ساتھ چتا میں جلنا پڑتا' ابھی بھی یہ رسم بھارت کے بعض علاقوں میں جاری ہے' اسی طرح ہندو ہزاروں دیوی دیوتاؤں کی بیک وقت پرستش کرتے ہیں اور ان کو خوش کرنے کے لئے عجیب ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں' کبھی ان کو خوش کرنے کے لئے کسی دوشیزہ کی قربانی دیتے ہیں' کبھی کسی دلہن کی اور کبھی کسی نوجوان کی۔ اس ریاست میں ''کالی ماتا'' کے چرنوں پر ہر سال ایک دوشیزہ کا خون چڑھاوے کے طور پر قربان کیا جاتا تھا۔ اس مرتبہ مہا پروہت نے راجہ کو یہ پیغام بھیج دیا کہ اب اسکی بیٹی کی باری ہے۔ راجہ کی ایک ہی بیٹی تھی' وہ طاقتور برہمن پروہت کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ راجہ اس وقت بے حد بے بسی اور لاچاری محسوس کر رہا تھا' یہ محض اتفاق تھا کہ اس دن مغل شہزادہ خرم شکار کھیلتے کھیلتے بھٹک کر راجہ کی ریاست میں آ نکلا' راجہ نے اسکی خوب خاطر مدارت کی' شہزادہ خرم نے راجہ کو جب بے حد پریشان دیکھا تو اس نے پوچھا کہ راجہ جے پال' آپ کچھ پریشان ہیں۔ راجہ نے مغل شہزادے کے سامنے رونا شروع کر دیا' شہزادہ اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا اور کہا آخر ایسی کیا بات ہے کہ آپ اتنے سخت پریشان ہیں۔ آخر ایسا کونسا مسئلہ ہے جس نے آپ کی یہ حالت بنا رکھی ہے' راجہ جے پال نے ساری تفصیل بتا دی' شہزادے کا رنگ غصے سے سرخ پڑ گیا اور بولا مجھے سخت تعجب ہوا ہے کہ ابھی تک مغل حکومت میں یہ ظالمانہ رسم جاری ہے' میں دہلی پہنچ کر ''ابا حضور'' (مغل شہنشاہ نور الدین محمد جہانگیر) کے سامنے ساری صورتحال گوش گزار کرتا ہوں' مجھے یقین ہے کہ وہ خود اس ''رسم'' کو بند کرنے کے احکامات جاری کریں گے' راجہ کو امید کی کرن نظر آئی۔ اگر شہنشاہ ہند اس معاملے میں خود مداخلت کرتے تو یقیناً اس کی ''بیٹی'' اس عبرتناک موت سے بچ سکتی تھی۔ ''قربانی'' میں دس دن باقی تھے' شہزادہ واپس چلا گیا' آخر وہ دن بھی آ گیا' سارے انتظامات کر دیئے گئے' حالانکہ یہ رسم ہندو معاشرے کا ایک حصہ تھی لیکن اس کے باوجود لوگ اس سے نالاں تھے' کیونکہ وہ راجہ اور راجکماری سے پیار کرتے تھے۔ راجہ غریبوں کا بڑا حامی اور مددگار تھا۔ وہ لمحہ آ گیا' راجہ کے چہرے پر زردی اور مُردنی چھا گئی کیونکہ پروہت تلوار لئے راجکماری کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک ایک سمت سے شور اٹھا کہ شاہی فوج آ گئی' شہزادہ خرم اچانک نمودار ہوا اور تلوار کا ایک وار کرکے پروہت کے ہاتھ سے تلوار گرا دی اور کہا شہنشاہ ہند نور الدین محمد جہانگیر کا فرمان ہے کہ آئندہ ہندوستان میں یہ ظالمانہ رسم جاری نہیں رہے گی۔ اس کا خاتمہ کیا جاتا ہے' راجہ خوشی سے رونے لگا۔ لوگوں نے بھی شہنشاہ جہانگیر ''زندہ باد'' کے نعرے لگائے۔

ٹیلی فونک کالم

> پھول کا مقبول عام کالم..... جس میں آپ ہر جمعرات اور جمعہ دو بجے سے چار بجے تک فون نمبر 6367551-54 پر براہ راست ایڈیٹر بھیا سے باتیں کر سکتے ہیں' شکایتیں لگا سکتے ہیں' تبصرے سنا اور مشورے لکھوا سکتے ہیں۔

''ابھی کچھ نیا نیا لگا'' یہ عروبہ تھیں۔ وحدت روڈ لاہور سے۔ بتانے لگیں We are UN Observer تو اس قدر کمال آئیڈیا تھا کہ دل خوش ہو گیا۔ بھگوانوں کے سیکرٹریٹ والے آرٹیکل کو پڑھ کر بار بار مسکرانے کو جی چاہا۔

ارے بابا! مسکرالینا تھا۔ اسکی کوئی فیس تھوڑی تھی۔

اس پہ عروبہ نے کہا بھیا ساتھ میں پوسٹر جو تھا۔ وہ دیکھ کر بہت دل دکھا۔ حالانکہ مجھے علم ہے آپ نے سینکڑوں تصاویر میں سے یہ چنی تھیں۔ ظلم اور ناانصافی کا چہرہ دکھانے والی وہ تصاویر تو بہت ہی خوفناک تھیں۔ ہاں ایک چیز اچھی نہیں لگی۔ بھئی وہ کیا' ہم نے اشتیاق سے پوچھا

جواب ملاعقیدہ اوڈھو کی تصویر۔ ''ہوں! تو کیا آپ کی عقیدہ سے لگتی ہے''۔ نہیں ایسی بات بات نہیں بس اسکی کچھ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ اس پر ہم نے عروبہ کو بتایا کہ انٹرویو تو یہ بہت ننھا منا سا تھا۔ ہم نے اس کو سجانے کیلئے روف خالد کی کتاب منگوائی۔ یہ کام منصور فائز نے کیا۔ پھر روف خالد کی بے شمار تصاویر ڈھونڈی گئیں یہ معرکہ منظر وحید نے سر کیا۔ عامر نے پوری رات لگا کر ڈیزائن کیا اور اس کا پھل ہمیں یہ ملا کہ بہت سے لوگوں نے کہا کاش ان کا ایسا خوبصورت انٹرویو چھپتا۔ ہمارا خیال تھا کہ جن صاحب نے پہلی بار یہ انٹرویو کر کے بھیجا ہے (ممتاز حبیب مردان سے) وہ تو بطور خاص بہت خوش ہوں گے کہ پہلی ہی کوشش کو اس قدر بنا سنوار کر بغیر کسی سفارش اور گزارش کے چھاپ دیا ہے۔ دفتر میں ذکر ہوا تو ہمارے ایک دوست نے کہا ارے بھولے آدمی! یہ زمانہ اور ہے کسی کے ساتھ بھلائی کریں تو وہ گلے کو آتا ہے۔ گلے کرتا ہے تاکہ احسان ماننا نہ پڑے۔ ہم نے بڑی آہستگی سے ان کے خیالات سے اتفاق نہ کرتے ہوئے انہیں سمجھانا چاہا تو بولے بتاؤ جن کی پہلی پہلی تحریریں چھپتی ہیں۔ کبھی انہوں نے خوشی کا' شکریے کا خط لکھا۔ ہم نے کہا بابا یہ کیا بات ہوئی یہ تو کوئی پیمانہ نہ ہوا۔ وہ خوش ہوتے ہیں یہی کافی ہے۔ اسی دوران تازہ ڈاک آ گئی۔ اس میں ایک خط پڑھ کر ہمارا رنگ اڑ گیا۔ اللہ معاف کرے اس قدر دکھ ہوا کہ مسکرانے کی ہر کوشش جعلی لگی۔ انہوں نے وہ خط مجھ سے پکڑ لیا بہت کچھ برا بھلا لکھنے کے بعد لکھا تھا آپ نے میرے انٹرویو کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے' آپ جیسے لوگ زمین پہ بوجھ ہیں جو ہم جیسے نئے لکھنے والوں کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں اور انہیں مناسب کوریج نہیں دیتے کیونکہ آپ خودستائشی کے مارے ہوئے ہیں۔

بس اتنی ہی بات ہو سکی پھر ہم بھی خاموش ہو گئے۔ عروبہ تو پہلے ہی چپ تھیں ہاں پھر دوسرے تیسرے روز فون کر کے اس نے کہا بھیا PHRD والی رپورٹ بہت عمدہ تھی۔ یہ پروگرام بہت ہی مثبت اور انقلابی ہے خوش قسمت ہیں وہ جو اس میں حصہ لیتے ہیں۔

☆ عبدالغفار پندرانی کا شہدادکوٹ سندھ سے فون آیا۔ کہنے لگے۔ بھیا آپ تو بابا سندھی لہجے میں بولتے ہیں۔ عبدالغفار نے پھول کی اس ساری ٹیم کو سلام کہا جو سندھ آئی تھی۔ پھر بولے بھیا PHRD میں ہماری باری جلدی لے آیئے۔ اور سندھ کے سارے ساتھیوں کو اکٹھے بلایئے گا۔ ہم نے خوش دلی سے ان کی بات مان لی۔ اللہ نے چاہا تو جنوری 2001ء میں پھول ہیومن ریسورس ڈویلپمنٹ کے ماہانہ پروگرام میں سندھ کے تمام ممبر ساتھی مہمان ہوں گے۔ انہیں دعوت نامے ڈاکٹر اکرام صاحب بھجوادیں گے۔

☆ گلاب دیوی ہسپتال سے شموس الہدیٰ نے کہا چیخ بہت ہی اچھی تھی۔ استغفراللہ۔ ہمارے منہ سے بے اختیار نکلا بھلا چیخ بھی کبھی اچھی ہوتی ہے۔ شموس نے گھبرا کر کہا میں چیخ کہانی کا ذکر رہی تھی۔ پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ اب ہم نے اطمینان کا سانس لیا اور کہا چندا زندگی اسی کا نام ہے۔ شموس نے کہا بھیا پھول کی طرف سے کوٹلی میں نئے آنے والے کشمیری مہاجرین کیلئے جو امداد اور تحفے بھجوائے اسے وہ پڑھ کر بے اختیار دل سے دعا نکلی۔ خوشی بھی ہوئی۔ اللہ جی اس کو قبول کریں اور آپ کو اور ہم سب کو ہر طرح کی آزمائش سے بچائے رکھیں۔

☆ آمنہ احتجاب نے کہا زعفران کے کھیت دیکھے۔ حیران ہی رہ گئی۔ رسالہ اتنا Compre hensive تھا کہ شاید اس سے زیادہ نرم انداز میں اس موضوع کو کور کرنا ممکن نہ تھا۔ ٹائٹل بہت اداس اور تاریک تھا۔ چیخ پڑھ کر واقعی چیخنے کو جی چاہا۔ الفاظ اور مورال تو تھا ہی کہانی بہت عمدہ تھی سب جیتیں تھیں اداریے کا آخری جملہ تو کبھی بھول نہیں پاؤں گی۔

☆ چنیوٹ سے محمد اسد علی قاضی نے کہا بھیا بڑے دنوں بعد اس امید کے ساتھ پھول لیا کہ وعدہ ختم ہو گئی ہو گی۔ کب ختم ہوئی مبارک ہو۔ اسد نے پوچھا عمر حیات محل کے بارے میں کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ ہم نے کہا ضرور لکھئے آپ کے ہاں کے سرپرائز وزٹ کی رپورٹ بھی ابھی due ہے۔ پھر ہم نے مدثر بھائی اور عارفہ قاضی دونوں کیلئے سلام کہا۔ اسد کی چھوٹی بہن پھول کی پرانی قاری ہیں۔ ان کیلئے پیار دیا۔

☆ باغبانپورہ لاہور سے سمیرا (نہم) کو شمارہ بے حد اچھا تھا۔ مجھے ایک پرابلم ہو گئی ہے کہ دو سروں پہ یقین نہیں آتا اس مسئلے کے حل کیلئے ہم نے پھول کے کری ایٹو ڈیپارٹمنٹ کی انچارج نوشین سے کہا وہ ان کے مسئلے کا حل بتائیں۔ تھوڑی دیر بعد سمیرا نے بتایا کہ مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ نوشین نے اچھا حل بتایا ہے۔ ہم نے سمیرا کو بتایا کہ پھول کے اس نئے شعبے میں ہم نے سوچنے سمجھنے اچھے اچھے مشورے دینے اور نئی باتیں بتانے والے ساتھی شامل کرنے والے ہیں۔ آپ میں سے جو جو ساتھی اپنے آپ کو اس شعبے کیلئے موزوں پاتے ہیں وہ فوراً سے خط لکھ کر اپنے بارے میں بتائیں تاکہ ان کا انتخاب کیا جا سکے۔

☆ اسلام آباد سے نسیم خالد نے بتایا کہ پھول بڑا مقبول بہت مزے کا لگتا ہے۔ انہوں نے دعا دی کہ پھول افق تک کامیابیوں کو چھوئے

☆ پھول کے کیا کہنے
چمن کے خوشبو گہنے
ہر ماہ سج دھج کے آئے
معلومات کا خزانہ بڑھائے

یہ پیغام سیالکوٹ کی عروج خاور نے دیا

☆ ریواز گارڈن سے منال شعال اور مریم نے پوچھا انعامی فون کیلئے کیا شرائط ہیں۔ اب ہم کیا بتاتے کہ سمجھداری اور اچھی گفتگو ہی بنیادی ضرورت ہے۔

☆ کوٹ لکھپت سے حافظ نورین (دہم) نے کہا بھیا آپ ہمیں بہت اچھے لگتے ہیں' ہم نے شرما کر پوچھا اور...... بولیں لطیفے بھی...... ہم نے گھبرا کر جھرجھری لی۔ اتنی دیر میں عاصم سبحانی ششم نے ریسور سنبھال لیا اور ہم بال بال بچ گئے۔

☆ احمد پور سیال سے عبید الرحمن نے بتایا کہ ویسے تو وہ دکاندار ہیں مگر پھول بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ بتانے لگے کہ آپ سے بات کرنے کا بہت شوق تھا۔ آپ کی کہانیاں ساری پڑھی ہیں اب کتابیں پڑھنا چاہتا ہوں کیا کروں۔ ہم نے کہا کہ ادارہ مطبوعات طلبہ 1۔ اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور کو خط لکھ کر منگوا لیں۔ مزید تین کتابوں کیلئے مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور کو خط لکھ ڈالیں۔ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

☆ بہاولنگر سے محمد انیس (نہم) نے بتایا کہ ان کے فون نیا نیا لگا ہے اس لئے فوراً فون کر کے اپنے دل کی خوشی کا سامان کیا ہے۔

☆ جوہر ٹاؤن لاہور سے صہیب انور (ہفتم) نے پوچھا yes its me ختم تو نہیں کر دیا۔ ہم نے بتایا نہیں انشاءاللہ جاری رہے گا۔ صہیب کو اس شمارے میں کہانیوں کا انتخاب اور موضوعات بے حد پسند آئے۔

☆ ماریہ مجید سے ویسے تو دفتر میں ملاقات ہو جاتی ہے۔ مگر شمارہ پڑھ کر اتنی خوش ہوئیں کہ جھٹ سے فون کیا۔ کہنے لگیں کشمیر کے حوالے سے خود میں بھی کبھی کنفیوز ہو جاتی تھی کہ مسئلہ ان کا ہے ہمیں کیا پڑی ہے۔ مگر اداریہ پڑھ کر صورتحال اس قدر واضح ہوتی ہے کہ بتا نہیں سکتی۔ ماریہ کا کہنا تھا کہ پورا شمارہ محبت سے بھرا ہوا ہے وہ محبت جو جسم کو اپنے حصوں سے ہوتی ہے۔ ان کے درد سے ہوتی ہے۔

☆......اچھرہ سے کومل نثار دہم نے کہا وش کرتا ہے۔ ہم نے کہا شوق سے کیجئے۔ کومل نے اس شمارے میں اپنی پسند کی ترتیب یوں بتائی اول

روف خالد دوم اداریہ سوم کرنیں۔ ان کی دوست زنیرہ کی بھی یہی رائے رہی۔

☆......بلال ٹاؤن سے عباد اللہ کو کرنیں اداریہ اور ٹیلی فونک کالم مزے کے لگے۔

☆......ٹنڈو غلام علی (سندھ) سے عدیلہ جبیں (ہشتم) نے کہا کشمیر پہ خاص نمبر تو پھول کے ماتھے پہ جھومر کی طرح ہے۔ انہیں کہانیاں اور کالم بہت پسند آئے۔ نتاشا اور صائمہ ان کی دوست ہیں۔ دعا کا کہہ رہی تھیں کہ اللہ کرے ہماری دوستی ہمیشہ قائم رہے ہم نے کہا نسخہ ہے اگر استعمال کریں تو دوستی ہمیشہ قائم رہے گی۔ دوستوں سے توقع کم رکھیں اور ان کا دل زیادہ رکھیں۔ دوسرے شک اور گلے شکوے سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔ ان کی بہن شائلہ جبیں بھی پھول کی قاری ہیں میڈیکل کالج میں

☆......نوشین اشفاق (بی اے) نیلم بلاک کو یہ شمارہ پڑھ کر بے حد دکھ ہوا۔ بتا رہی تھیں کہ پھول جب سے پڑھ رہی ہوں جب 6th کلاس میں ہوا کرتی تھیں۔ چھوٹی بہن سحر مہر اور زینب کا بھی نام لکھوایا۔

☆گوجرانوالہ سے انعام الرحمان خوش تھے کہ ان کا انعام نکلا...... شام کے بھٹیاں کے محمد عمر بھٹی کو یہ شمارہ بے حد اچھا لگا۔ محمد صدیق ہشتم شاہ کے بھٹیاں کو بھی یہ شمارہ پسند آیا۔ ہاں فہرست میں ٹارگٹ تھی اندر نہیں تھی...... ہم نے بتایا کہ ٹارگٹ صحیح نہیں لگا۔ اس لئے Miss ہوگئی۔ کشمیر نمبر کی مبارک دے رہے تھے۔

☆......شبیر احمد آصف نے گڑھ فتح شاہ سے بتایا کہ کشمیر نمبر پڑھ کر جذباتی ہوگیا۔ کچھ عرصہ قبل ان کے کزن ابو عبدالرحمان اور دوست محمد علی احمد زاہد مقبوضہ کشمیر جا کر جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ اللہ ان کی قربانی قبول فرمائے اور کشمیر کو آزادی کی دولت سے ہمکنار کرے۔ مبارکباد دے رہے تھے کہ پھول مہاجرین اور مجاہدین کی مدد کر کے حدیث شریف پہ عمل کر رہا ہے کہ جس نے مجاہد کو ساماں دیا گویا اس نے خود جہاد کیا۔

☆......لاہور سے طاہرہ حفیظ (دہم) نے پہلی بار فون کیا۔ خوش تھیں آمنہ سے بات ہوئی۔ انہیں جج بے حد پسند آئی اپنی بھابی کا شکریہ کہہ رہی تھیں جن کی وجہ سے پھول سے تعارف ہوا۔

☆......علامہ اقبال ٹاؤن سے سدرہ زریں (نہم) نے کہا کہ کشمیر نمبر نے بہت حوصلہ بڑھایا ہے۔ جب کشمیریوں کو پتا چلے گا کہ ہم ان سے اتنی محبت کرتے ہیں تو وہ کس قدر خوش ہوں گے۔

☆......حفصہ ظہیر (ہشتم) نے علامہ اقبال ٹاؤن سے بتایا کہ صرف تین دن میں شمارہ پڑھ ڈالا۔ اول جج دوم شان شہید کی اور سوم موت کی گھاٹی......

☆......ساہیوال سے سحر خورشید (سال اول) نے بتایا کہ سات سال سے پڑھ رہی ہیں۔ ایک بار انعام بھی نکل چکا ہے۔ ہم نے پوچھا یہ ساہیوال والے لاہور آ کر کیوں بھول جاتے ہیں انہیں یہ بات سمجھ نہیں آئی۔ (ویسے عبدالجبار صبا اور عزیزی کو سمجھ آگئی ہوگی)

☆......مظفر گڑھ سے محمد وسیم (ہشتم) کو انگار وادی ڈرامے کی یاد تازہ ہو گئی۔ اپنے دوست اسد ریاض کے جذبات بھی بتا رہے تھے۔ کہہ رہے تھے رسالہ بہت ٹھیک جا رہا ہے...... کہاں...... یہ ہم نہیں پوچھ سکے۔ آخر مروت بھی کوئی شے ہے۔

☆......مانگا منڈی سے ساجدہ طفیل میمونہ فردوس سے بات ہوئی۔ انہیں خاص نمبر بہت اچھا لگا زاہدہ حفیظ نے پہلی بار پھول پڑھا وہ بھی خوش تھیں...... موت کی گھاٹی انہیں زیادہ اچھی لگی پھر آواز آئی میں طاہرہ کی بھابی بول رہی ہوں۔ آپ میری نند سے بات کر رہے تھے۔

☆......چناب بلاک سے مدیحہ کو کشمیر کے بارے میں شمارہ بے حد بھایا۔ اداریے کو زبردست کہہ رہی تھیں۔ کرنیں بھی پسند کر بیٹھیں۔ پوچھ رہی تھیں کہانی کتنے صفحے کی لکھنی چاہئے۔ ہم نے کہا نہ چھپوانی ہو تو چاہے جتنی مرضی لمبی چوڑی کر لیں۔ پھر ہم چھاپنے کیلئے منتخب کرتے ہیں۔ وہ پانچ سے چھ صفحات کی ہوتی ہیں۔ اس سے لمبی ہضم ہی نہیں ہوتی۔ اب دیکھ لیں اتنی دور دور سے رپورٹیں بھی آتی ہیں۔ کئی بار کہا ہے بابا دو اور تین صفحے سے زیادہ لمبی مت لکھا کریں...... جتنی لمبی ہوگی اتنا ہم زیادہ ڈرتے ہیں اور اس کو کم چھوتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی چھپ جاتی ہیں بڑی رہ جاتی ہیں۔

کہانی نہ چھپوانی ہو تو چھ کی بجائے جتنے مرضی صفحے کی لکھ بھیجیں۔

☆......جویریہ خان شادی کے بعد گھر واپس آئیں تو فون کر کے اطلاع دی۔ ہم نے خیر خیریت دریافت کی۔ ان کے ایک مونچھوں والے آرٹیکل کا تذکرہ ہوا۔ ایک بہت پیاری لکھاری صحافی کا ذکر ہوا۔ جو ایک آدھ ماہ میں انشاءاللہ نیا کالم شروع کرنے والی ہیں۔ بھی ایک روز ہم پر ناراض تھیں کہ کالم میں میرا کیسا نارمل سا ذکر کیا۔ ہم نے کہا بابا خود آ کر جگہ سنبھالو ہم ذکر نہیں کریں گے قوم خود کرے گی۔

☆......فاروق آباد سے ندیم اور شہزاد نے سالگرہ کی مبارکباد دی کشمیر نمبر کی مبارکباد دی اچھے فیچرز کی مبارک دی۔ ہم نے اکٹھی خیر مبارک کہہ کر حساب برابر کر دیا۔ پوچھ رہے تھے اگر کسی کو انعام کی اطلاع بذریعہ خط نہ ملے تو ہم نے کہا کہ اول تو سب کو اطلاع ہم ضرور کرتے ہیں اگر کسی کو نہ ملے تو بھی دس تاریخ کو دس بجے ضرور آجایا کرے۔ انعام مل جائے گا۔ یہ تو مستقل انعامی لنگر کا دن ہے۔ اللہ جی نے اتنی برکت دی ہوئی ہے۔

☆......بہاولنگر سے سمیرا نے فون کیا۔ مشورہ دے رہی تھیں کہ کہانیاں زیادہ دیا کریں۔ ہم نے قبول کر لیا سالنامہ دیکھ کر امید ہے تسلی ہو جائے گی۔

سمیرا کو یہ شعر پسند ہے۔

بات ساری تعلق والی جذبوں کی سچائی تک ہے
میل دلوں تک آجائے تو گھر ویرانے ہو جاتے ہیں

☆......کوٹ عبدالمالک سے شہلا نے کہا بھیا ہم چھ بہنیں ہیں۔ اللہ کرے آپ مکمل صحت مند رہیں ہم بھی آپ کے کسی کام آسکیں تو ہمیں مت بھولئے...... ہم نے اللہ جی کا شکر ادا کیا اور شہلا کا شکریہ شہلا کا خیال تھا کہ یہ رسالہ زبردست ہے۔

☆......لودھراں سے محمد ارشد نجم نے بتایا کہ وہ اڈا سوئی والا میں رہتے ہیں اور اس ماہ ان کا خصوصی انعام نکلا ہے وہ کیا کریں۔ ہم نے کہا کرنا کیا ہے۔ محلے میں مٹھائی تقسیم کریں اچھی نسل کا ایک ٹوکرا ہماری طرف ارسال کریں اس پر مزید پریشان ہوئے کہ چھ سال میں دوسرا انعام نکلا ہے۔ بہت خوش ہوں...... حد سے زیادہ...... ہم نے برادرانہ مشورہ دیا کہ پھر آپ انعام سے دست برداری کا اعلان ہی کر دیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ انعام ملنے پر یہ حد سے زیادہ خوشی کوئی اور رنگ نہ چڑھا دے......

محمد ارشد کو تھوڑی تسلی ہوئی تو ہم نے بتایا کہ حضرت ہم تو اس ماہ سے سائنس مقابلہ بھی شروع کروا رہے ہیں۔ ہر ماہ دو سو روپے کی کتابوں کے پانچ انعام ہوں گے۔ اور سال بعد سب سے بہترین سوال پہ 1000 روپے کی کتابیں اور سائنس میوزیم کی فری ممبر شپ پورے خاندان کیلئے یہ سن کر وہ تو حیران ہی رہ گئے۔

ہم تب سے پریشان بیٹھے ہیں کہ اعلان تو کر دیا...... اب نئے شکوے شکایتوں کا سامنا بھی ہو گا...... انعام ملنے پر کم ہی کسی کا خط آتا ہے کہ مل گیا شکریہ ہاں ذرا دیر سویر ہو جائے تو ہمارا تو وہ حشر کر دیتے ہیں کہ کانوں سے دھواں نکلنے لگتا ہے۔ مجال ہے ذرا لحاظ کر جائیں اور سوچ لیں کہ بھجوا دیا ہوگا۔ جہاں ہر ماہ پندرہ بیس انعام بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک بھجواتے ہیں وہاں ایک آپ کا جان بوجھ کر کیوں روکا ہو گا۔

سید غضنفر علی کوئز انچارج ہیں۔ کالم سے خوش ہوتے ہیں اور خوب دل لگا کر کرتے ہیں۔ لیکن دل میں کوئی نظم ہی لئے بیٹھے ہوں کہ بھیا کو بھی چین نہیں آتا۔ ذرا سانس نہیں لینے دیتے۔ ایک سلسلہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرے کا بوجھ لاد دیتے ہیں۔ لیکن کیا کریں دل تو اس یقین سے بھرا ہے کہ پھول ٹیم کا ہر ساتھی ہر رکن کام کو کام سمجھ کر نہیں محبت جان کر امانت جان کر کرتا ہے۔ اسی لئے تو اتنی خیر پڑتی ہے۔ اتنی برکت ہوتی ہے کہ دور و نزدیک اس کا ذائقہ اور مٹھاس پہچانی جاتی ہے۔

صفحہ بتایئے انعام پایئے

بچوں اور بڑوں کیلئے دلچسپ کتب چھاپنے والا ادارہ
البدر پبلی کیشنز
23- راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور

تعاون
مکتبہ تعمیر انسانیت
عزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

ترتیب: عثمان خادم ام کلثوم

پیارے دوستو!

بھئی ہر دفعہ اتنی تعداد میں انٹری وصول ہوتی ہے کہ سنبھالنا مشکل ہو جاتی ہیں۔ آپ تمام ساتھی بہت ذہین ہیں اور بہت جلدی الفاظ ڈھونڈ لیتے ہیں۔ ویسے خود ڈھونڈتے ہیں یا کسی سے مدد لیتے ہیں۔ یقیناً آپ اپنا نام تلاش کریں گے۔ دوستوں کو دکھایئے اور پیار پایئے۔

محمد فیاض دانش (تلہ گنگ) بدر جاوید (ڈیرہ غازی خان) مصباح (فورٹ عباس) رخسانہ شبیر (ڈی جی خان) صفیہ صدیق (خانیوال) بلال سعید (ملتان) ثوبیہ سمیرا بخاری (جہانیاں منڈی) شاہین کوثر (چھانگا مانگا) مسرت نذیر (نارووال) مہوش (فورٹ عباس) ذیشان سلیم (فیصل آباد) سدرہ ثمرین، وقاص شبیر (لاہور) سعید احمد ساجد (قصور) محمد عبداللہ، فہد رضا گل (لاہور) حافظ ذکیہ نورین (گوجرانوالہ) صائمہ کنیز حرا مختار (لاہور) محمد جنید عمر، محمد عثمان اصغر (ملتان) ثاقب محمود اعوان (اٹک) نصر اللہ (خوشاب) سعدیہ اقبال (رحیم یار خان) محمد عمر نثار (ملتان) غلام مرتضیٰ احسن (حافظ آباد) محمد کامران دانش (دریا خان) گل محمد دانش (دریا خان) عظمیٰ اقبال، محمد فضل الرحمن (سرگودھا) ولید بن نوید (فیصل آباد) زنیرہ کفیل (خانیوال) بتول خالد (ملتان) نسیم یوسف، مہوش یوسف، تنزیلہ یوسف (لاہور) کنول ناز (سیالکوٹ) عثمان غنی (بھائی پھیرو) سید رمضان علی (چشتیاں) فوزیہ شریف (گوجرانوالہ) آصفہ یامین (ملتان) صبحہ مشعل (خانیوال) عفیفہ طیب (چوکی) نصیر احمد ساجد (منڈی روڈالہ روڈ) محمد زبیر تبسم (اوکاڑہ) اقصیٰ فیض (چاول پور) گلشن صدیق (آزاد کشمیر) محمد نوید اختر (بھلوال) اقصیٰ امجد (لاہور) ملک ذیشان الٰہی (میاں چنوں) ارم فاطمہ (لاہور) علی احسن ڈار (نارنگ منڈی) خالد اقبال (چونیاں) سید سبط حسن جگنو (جہلم) سمیرا جاوید باجوہ (فیصل آباد) سرمد احمد (بھکر) محمد جنید بھٹہ (مظفر گڑھ) شیخ محمد اخلاق (کوٹ ادو) شعیب اصغر (قصور) محمد امین راجہ (آزاد کشمیر) عابدہ رحمٰن (کراچی) محمد عمر شفیق (لاہور) محمد کاشان (فورٹ عباس) رقیہ حسن (گوجرہ) شعیب احمد بٹ (نارنگ منڈی) محمد عاصم انصاری (رحیم یار خان) شبیر احمد ملک (ترنڈہ محمد پناہ) ازکی علی (بہاولنگر) مدثر رضا (پھالیہ) عزیز الرحمن قاری (شیخوپورہ) تسکین کھوکھر (سرگودھا) ہما جبیں ہاشمی محمد عبید الرحمن چغتائی (جھنگ) عائشہ شفیق الرحمن (لاہور) شیخ محمد ناصر انجم (واصو آستانہ) سدرہ حنیف شاہ (واصو آستانہ) عبدالوحید (بھلوال) ملک نزاکت عباس (خانیوال) محمد بلال حسن (بہاولنگر) ملک محمد فرحان شہزاد، بشریٰ شبیر (خانیوال) امہ حبیبہ (دہلی گیٹ) عبداللطیف ظفر (منچن آباد) ذیشان اختر (منچن آباد) قمر زمان وٹو، رانا جواد نوی، خالد محمود، سید الطاف حسین ٹیپو، حافظ خالد محمود اعوان حافظ وقار احمد غوری، شوکت مرتضیٰ عباسی (منچن آباد، بہاولنگر) ملک محمد شہزاد احمد، محمد اشرف وٹو، حفیظ الرحمن احسن، محمد عبداللہ بھٹی، عبدالرزاق جاتی (منچن آباد) فہد رضا گل (لاہور) رفیع اللہ (ترنڈہ محمد پناہ) عتیق الرحمن فاروقی (رحیم یار خان) محمد گلفام رمضان، عبدالشکور، محمد رمضان سیال، محمد دانش شیر (ترنڈہ محمد پناہ) نازیہ حنیف (جڑانوالہ) محمد طارق اقبال (سرگودھا) محمد افضل بٹ (وار برٹن) محمد صدیق (شاکے بھٹیاں) حبیب احسن مجددی (نارووال) میمونہ فردوس (لاہور) سدرہ علی (بہاولنگر) محمد فرخ جاوید (بہاولنگر) حنا سید (سندھ) نوید اقبال ملانہ (ملتان) محمد فاروق (ملتان) فہد بلال بلوچ (ملتان) عذرا کنول (آزاد کشمیر) سلیمان مجید (حاصل پور) عاصمہ اسحاق (آزاد کشمیر) نگہت سلطانہ (راولپنڈی) مہوش عابد (جڑانوالہ) محمد بلال (راولپنڈی کینٹ) شاہ زمان وٹو (منچن آباد)، محمد شہزاد جمیل، فرزانہ خلیل، محمد صدیق، وقاص باقر نقوی (حیدرآباد) محمد اقبال (جہانیاں منڈی) سعدیہ ملک (بہاولپور) مریم عبدالعلیم (جڑانوالہ) شبیر احمد شہزاد (ترنڈہ محمد پناہ) شبیر احمد آصف (تاندلیانوالہ) عبداللہ لیاقت سنگھ پورہ لاہور) حافظ صفی اللہ (لاہور) چمن ماہی (لاہور) عثمان گجر (لاہور) کاشف شہزاد (لاہور) رابعہ حبیب (لاہور) زرینہ پیر بخش (ٹوبہ ٹیک سنگھ) طاہر گلزار (لاہور) عبدالرزاق، سمیع اللہ، عبدالرحمن، نفیس بٹ، غلام مصطفیٰ، منور حسین، محمود یوسف، عبدالغفار، پرویز عزیز (نارنگ منڈی) مطیع اللہ صابر (قصور) عدیلہ ریاض (ملتان) سکندر جمیل (مظفر گڑھ) اسماء خورشید (ملتان) عمارہ صدیقہ بھٹہ (منڈی بہاؤالدین، محمد ذیشان شیخ (سیالکوٹ) قمر حکیم الدین (ملتان) حنا کنول (رحیم یار خان) حافظ محمد یاسین رضا، شفقت علی تبسم (بورے والا) برہان الرحمن (لاہور) قمر جاوید (ڈیرہ غازی خان) سمیرا وقار (جہلم) امانت علی گوہر (کراچی) چوہدری یعقوب علی وڑائچ (بورے والا) ممتاز حبیب صابر (مردان) محمد علی صدیقی، محمد فاروق اعظم (جہلم) مقبول ملک (بھکر) وقار عرف وکی (لاہور) احسان محمود ٹیپو (نارووال) بے بی تبسم (میاں چنوں) اعجاز حسین (ملتان) مرزا سعید احمد، عقیل احمد مرزا، ملیحہ راحت مرزا (ربوہ) غفار احمد غازی، غیور احمد غازی، خالدہ پروین، غلام مرتضیٰ، ثنا غزل، عظمیٰ تبسم قاریہ (میاں چنوں) محمد تحسین ضیاء، محمد عظیم سرور، ندیم احمد شہزاد، فرخندہ کوکب (فاروق آباد) سعدیہ بتول (سرگودھا) مہوش محمود، اے کے راشد خان، خادم رسول گوجرانوالہ، بابو مغل، دلدار احمد، عظمیٰ تبسم غازی، غزالہ تبسم غازی، راشدہ اسحاق، شکیلہ مشتاق، راحیل، شمائلہ بوٹا، آسیہ پروین، خدیجہ، نیامت گڈو (میاں چنوں) زرک شعیب (لاہور) طلحہ شعیب (لاہور)

سرپرائز وزٹ

بازغہ قندیل

کہتے ہیں کہ اگر کوئی لفظ آپ کو مشکل میں ڈال دے تو لغت زندہ باد مگر صاحب وہاں کیا کیا جائے جہاں الفاظ ہی نایاب ہو جائیں۔ یہ کیفیت چند دنوں سے مجھ پر بھی طاری ہے کہ ایک خوبصورت ترین ناقابل یقین اور دل نشین دن کی دل نشین پرچھائیں میرے ہر احساس کو گھیرے ہوئے ہے۔اس پر طرہ یہ کہ اسے ضبط تحریر میں بھی لانا ہے۔ جی ہاں یہ قصہ ہے سرپرائز وزٹ بلکہ سرپرائز وزٹ و سرپرائز گفٹ کا۔ خواب و خیال میں نہ تھا کہ 8جون 2000ء میرے لئے کتنا اہم ہو گا کہ اللہ صاحب کے ساتھ ساتھ بھیا بھی مہربان ہو جائیں گےاورزندگی کے چند خوبصورت دنوں میں ایک اور خوبصورت دن کا اضافہ ہو جائے گا۔ مشہور مغربی ناقد ٹی ایس ایلیٹ نے کہا تھا کہ ہم اظہار ذات صحیح طور پر نہیں کر سکتے۔ آج یہ بات صحیح معلوم ہو رہی ہے کہ خوشی کے اظہار کے لئے بہت خوش یا بہت ہی زیادہ خوش کے الفاظ ہی کہے جا سکتے ہیں۔ مگر جذبات و احساسات کا اظہار پھر بھی نہیں ہو گا۔ اگر مجبوری ہے کہ لکھنا تو ہے ہی۔ قریباً ساڑھے بارہ بجے دوپہر میں گول گپوں پر ہاتھ صاف کرنے ہی والی تھی کہ چھوٹا بھائی شیراز چیختا چلاتا ہاتھ میں ایک عدد رقعہ (جو معصومہ نصیر چیمہ نے بھیجا تھا) لے کر یہ کہتا ہوا آیا کہ ایڈیٹر بھیا آ رہے ہیں۔ اس خبر کو سن کر اندازا ہوا کہ واقعی گرمی اتنی زیادہ ہے کہ دماغ پر بھی اثر انداز ہو سکتی ہے۔ مگر خیر امی کے اصرار پر رقعہ پڑھا تو کچھ کچھ یقین آیا۔ جس کے بعد پرسکون فضا 4,2 چیخوں سے اپنا سکون کھو بیٹھی۔ معصومہ نے ایک گھنٹہ بعد بھیا کی شاہی سواری کے آنے کی اطلاع دی تھی۔ اس دوران بلا وجہ گھر کے چکر لگانا' کھانا تیار کرنا' رقعہ کا بار بار پڑھنا اور مزید انفارمیشن کے لئے معصومہ کے گھر فون کرنا شامل تھا۔

تقریباً پونے دو بجے کے قریب وہ لمحہ آ ہی گیا جس کے آنے پر بھی بے یقینی کی کیفیت



تھی۔ بھیا کے ساتھ بلال نصیر چیمہ' معصومہ نصیر چیمہ' حمیرا عزیز چودھری' سمیعہ عارف' عائشہ میر اور عقیلہ اقبال بھی تھیں۔ تھوڑی گپ شپ اور تعارف کے بعد بھیا نے سب کو میری شامت اعمال کی دعوت دیدی یعنی سوالات کی بوچھاڑ جس میں سرخرو ہونے کے بعد بھیا نے مجھے دو عدد بہت خوبصورت کتب ایک خرم مراد کی کتاب چند تصویریں سیرت کے آئینے سے اور ایک اپنی

ابھی تک سب خواب ہی لگتا ہے

گول گپوں پہ ہاتھ صاف کرنے ہی والی تھی جب یہ خبر ملی

یہ ایک گھنٹہ بعد شاہی سواری کے آنے کی اطلاع تھی

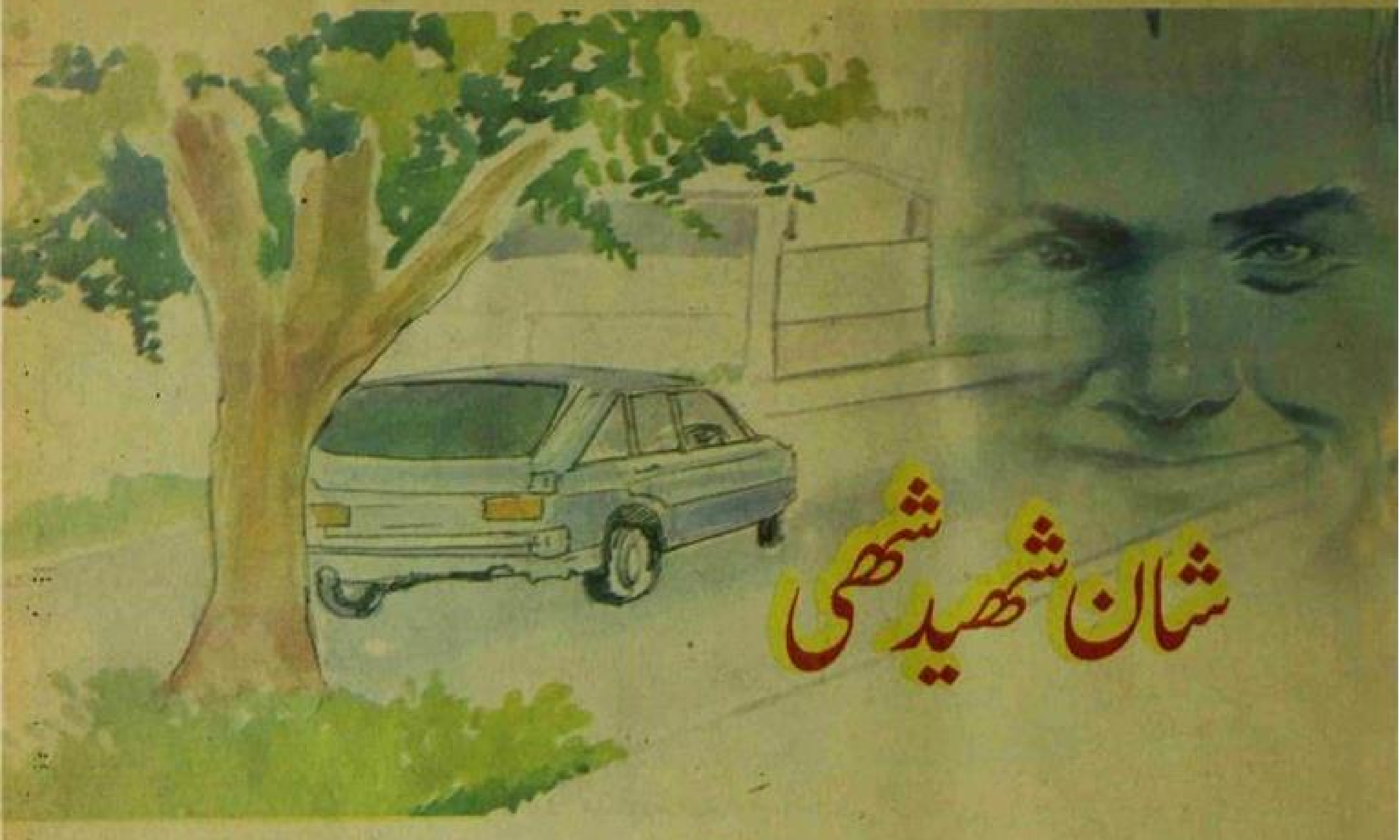
ان کا جواب تھا مجھے مجبور کرو پھر کھانا کھاؤں گا

کتاب ''بہانے باز'' معہ ایک عدد خوبصورت قلم دان کے گفٹ کیں۔ تھوڑی دیر بعد بھیا نے اجازت چاہی مگر انہیں کھانے کی اطلاع دی گئی تو ان کا جواب تھا کہ مجھے مجبور کرو پھر کھانا کھاؤں گا۔ خیر اس پر عمل کیا گیا کیونکہ بہت ہی عجلت میں کیا گیا تیار کھانا اپنے اوپر ظلم ڈھانے والوں کا شدت سے منتظر تھا گر یہ ظلم کافی حد تک ہلکا پھلکا تھا۔ خاص طور پر بھیا کی طرف سے اس سرپرائز وزٹ کی خاص بات یہ تھی کہ ہم نے بھی بھیا کو ایک عدد ''پھول'' گفٹ کیا مگر 1935ء کا کچھ دیر بعد بھیا رخصت ہوئے کیوں کہ انہیں پاک کیڈٹ سکول فیصل آباد کے ایک فنکشن میں جانا تھا۔ بعد میں انکی تقلید کرتے ہوئے سب کا کیاں سمیت میرے اور میرے دونوں بھائیوں شیراز اور جواد کے روانہ ہوئیں۔ پھول کلب کا کوئی فنکشن اٹینڈ کرنے کا بھی یہ پہلا تجربہ تھا جو خوش گوار رہا۔ سوائے سفر کے کیونکہ اسی سفر کے بعد اندازا ہوا کہ انگریزی کے Sufferاور اردو کے سفر میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔ رات ساڑھے نو بجے بھیا کا دوبارہ شکریہ ادا کیا اور گھر کے لئے بادل نخواستہ روانہ ہوئے اور یوں یہ دن بہت جلد اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔

امی کو شکایت تھی کہ میں گفٹ وصول کرتے ہوئے کچھ زیادہ خوش نہیں ہوئی۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا خیال تھوڑا بہت صحیح ہو مگر گفٹ کی خوشی بہت تھی لیکن مجھے یہاں اعتراف کرنا ہے کہ میرے لئے سب سے بڑا گفٹ تو بھیا کا گھر آنا اور ان سے ملنا تھا۔ ویسے آپس کی بات ہے کہ ابھی تک سب خواب ہی لگتا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ اب آخر میں پھول اور بھیا کی تعریف بھی ضروری ہے۔ کیونکہ پھول اچھا ہے تبھی تو دس سال سے پڑھ رہی ہوں اور دوسروں میں خوشیاں بانٹنے والے بھیا کو صرف یہی کہہ سکتی ہوں کہ بھیا بہت شکریہ۔ آج یہ لفظ بڑا چھوٹا سا لگ رہا ہے مگر اسکا متبادل کچھ نہیں۔

پھول ساتھیو! ہو سکتا ہے کہ میری یہ رپورٹ آپ کو زیادہ مزہ نہ دے سکی ہو مگر سوائے ان کے جو اس خوبصورت کیفیت سے گزرے ہوں وہ دن بڑی جلدی اختتام کو پہنچا مگر لگتا ہے کہ فراز نے پھول اور پھول والوں کے لئے ہی کہا ہے

تری قربت کے لمحے پھول جیسے
مگر پھولوں کی عمریں مختصر ہیں



شانِ شہیدی

ڈاکٹر اظہر اے انور

مقامی پولیس سربراہ کا نام بھانڈ چوراسیہ تھا۔ درمیانی عمر کا یہ پھرتیلا اور چوکس پولیس آفیسر شیطان کی طرح عیار اور مکار واقع ہوا تھا۔ شکل سے سادہ لوح نظر آنے والا بھانڈ حقیقت میں کسی درندے کی طرح سفاک اور خون آشام تھا۔ مجاہد اور مسلم دشمنی اس کے سر چڑھ کر بولتی تھی۔ مجاہدین کی تلاش اور سرکوبی میں اسے بعض حیرت انگیز کامیابیاں یکے بعد دیگرے ملتی چلی گئی تھیں اور وہ بہت جلد اپنے بے شمار سینئرز کو پیچھے چھوڑتا ہوا پولیس کمشنر کے اعلیٰ ترین عہدے پر براجمان ہو گیا تھا۔ بھانڈ کو مجاہدین کے خلاف یہ ساری کامیابیاں اپنے انفارمیشن نیٹ ورک کی بدولت ملی تھیں اور یہ نیٹ ورک مقامی مسلم غدار ابن الوقت قسم کے لوگوں سے عبارت تھا۔

بھانڈ ایک ذہین اور تمکین نظر آنے والا شخص تھا۔ مختلف افتادِ طبع ہونے کے سبب اسے لوگوں کی نفسیاتی خامیوں اور انسانی کوتاہیوں پر عبور حاصل تھا۔ وہ پیار سے لے کر دھونس تک اور خوشامد سے لے کر بلیک میلنگ تک کے سارے حربوں سے اپنے شکار کے گرد اس قدر مضبوط اور خوشنما پھندہ بنتا تھا کہ شکار گردن جھکائے اس کی قربان گاہ تک خود ہی پہنچ جاتا تھا۔ بہن بھائیوں اور ماں باپ کی بے حرمتی، اغوا اور انسانیت سوز سلوک بڑے بڑوں کا پتہ پانی کر دیا کرتا تھا۔ مطلوبہ شخص کے بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے بہانے سے انڈیا کے دور دراز شہروں میں بھجواتا اور پھر مطلوبہ شخص سے اپنی مرضی کا کام لینا دوسرا اہم حربہ تھا۔ تیسرا حربہ صنف نازک اور دولت کا لالچ تھا جو نسبتاً کمزوروں کا ایمان ڈگمگا دینے کے لئے اکثر کافی ہوا کرتا۔

بشیر نے بھانڈ کے متعلق چند ہی دنوں میں یہ ڈھیر ساری معلومات حاصل کر کے اپنا ہوم ورک تو مکمل کر لیا لیکن اسے ٹارگٹ تک پہنچنے کے لئے کوئی مناسب رستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ بھانڈ کی سیکورٹی بہت سخت تھی۔ اسے خصوصی حفاظتی گارد ملی ہوئی تھی جو سیسہ پلائی دیوار کی طرح ہر جگہ عقابی نگاہوں سے اس کی حفاظت کیا کرتی۔ بشیر کا محدود وقت تیزی سے برف کی مانند پگھل رہا تھا اور اسے کوئی موزوں راہ سوجھ نہیں رہی تھی۔ بھانڈ کی اپنے گھر آمد و رفت کا اگرچہ کوئی مخصوص وقت نہ تھا لیکن اپنے دفتر وہ صبح ایک معین وقت میں بہرحال روانہ ہوتا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ ہر بار اس کا راستہ مختلف تھا لیکن گھر سے قریبی شاہراہ تک جانے والی ایک چوتھائی کلو میٹر لمبی سڑک ہر صورت میں مشترک رہا کرتی ہے۔ اس سڑک کے دونوں کناروں پر اعلیٰ سرکاری آفیسرز کی رہائش گاہیں تھیں اور ہر رہائش گاہ کے باہر ایک آفیشل گن مین تعینات تھا۔ اس روڈ پہ داخل ہوتے ہی ہر کس و ناکس کی تلاشی علیحدہ لی جاتی۔ اسی ادھیڑ بن میں بشیر سوچوں میں غلطاں تھا کہ ایک شام اسے ایک بے ضرر سی اطلاع ملی کہ بھانڈ کی رابطہ سڑک کے دو گٹر آج شام سے ابل پڑے ہیں۔ اس اطلاع نے ایک لمحے میں بشیر کو سوچ کی ایک واضح راہ سجھا دی۔

اگلی صبح ایک خاکروب کے حلیے میں بشیر بھانڈ کی ایک قریبی گلی سے برآمد ہوا۔ اس کے دونوں نتھنوں میں دو پلاسٹک سپرنگوں کی موجودگی نے ناک کی شکل ہی بدل ڈالی تھی۔ ایک خاص سانچے نے اس کے سامنے کے دو دانتوں کو خاصا لمبا کر کے منہ کھلا رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ چہرے اور جسم پہ کالی کریم ملی ہوئی تھی جس نے اسے ایک مخصوص رنگ کے خاکروب کا روپ دے دیا تھا۔ ایک ہاتھ میں اس کے ایک چھوٹا بانس اور ایک بڑا بانس تھا۔ دوسرے ہاتھ میں ایک بالٹی نما چیز تھی۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اور اپنے پیچھے لمبے بانس کو گھسیٹتا بڑی بے فکری سے بھانڈ والی گلی میں گھسا۔ فوراً ہی دو سپاہیوں نے اسے تلاشی کے لئے روکا لیکن اس کے وجود سے اٹھنے والی انتہائی ناگوار بو نے انہیں برا بھلا کہنے پر مجبور کر دیا۔ وہ ناک پر ہاتھ رکھتے اور گالیاں بکتے ایک قدم پیچھے ہٹے اور اسے دفع دور

کہتے ہوئے تھوکنے لگے۔

یہ بدبو ایک خاص کیمیکل کا کمال تھا اور یہ بشیر کی ہمت تھی کہ وہ اتنی دیر سے اپنے جسم سے اٹھنے والی اس گھناؤنی بدبو کو ایک اعلیٰ مقصد کے لئے برداشت کر رہا تھا۔

خراب گٹر روڈ کے درمیان میں فٹ پاتھ کے ساتھ ہی تھے۔ بشیر نے بڑی مہارت سے ڈھکن اٹھائے اور متعفن پانی میں اتر گیا۔ دو ایک ڈبکیوں نے اسے ڈرینج پائپ میں پھنسے کاٹھ کباڑ کا احساس دلا دیا۔ بھاٹہ کے گزرنے تک بشیر ایک گٹر صاف کر کے دوسرے میں گھس چکا تھا۔ آمنے سامنے کوٹھیوں کے مکین سخت متعفن فضا سے ذرا دور محفوظ گوشوں تک منتقل ہو چکے تھے۔ بشیر پر نظر رکھنا اب ممکن نہ رہا تھا۔ بھاٹہ کی گاڑیوں کا سکواڈ گزرنے لگا تو بشیر کندھوں تک گٹر کے پانی میں تھا۔ اس کا سر اور چھوٹا بانس دونوں گٹر سے جھانک رہے تھے۔ بشیر نے گٹر کا پانی کچھ تو خود باہر پھینکا تھا۔ اور کچھ اوور فلو ہونے سے سڑک کے دوسرے نشیبی حصے تک پہنچ پھیلا ہوا تھا۔ گاڑیوں کو لامحالہ سڑک کے اونچے کنارے اور یوں گٹر کے نزدیک سے ہو کر گزرنا تھا۔ بھاٹہ درمیان والی گاڑی میں اپنے چوکس محافظوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ جیسے ہی مطلوبہ گاڑی گٹر کے قریب سے آہستہ روی سے گزرنے لگی تو ایک پل کے لئے اس کا زاویہ یوں بنا کر پچھلی گاڑی اور گٹر کے درمیان وہ گاڑی حائل ہو گئی۔ عین اس لمحے سڑک کے مخالف فٹ پاتھ کے رخ کو دیکھتے متعفن پانی کی سطح پر تیرتے بشیر کے منہ نے چھوٹے بانس کے ایک سرے میں اس قدر تیزی سے پھونک ماری کہ ایک گول ننھی سی مقناطیسی بال بانس کے کھوکھلے حصے سے نکلتے ہی مطلوبہ گاڑی کے نچلے حصے پر جا کر بغیر کسی آواز کے جم گئی۔

بشیر کے تنے اور مستعد اعصاب نے مقناطیسی بال کا اپنے ہدف پہ پہنچنا واضح طور پر محسوس کر لیا تھا۔ ایک ساعت میں ایسا نشانہ بشیر سا شخص ہی لگا سکتا تھا۔ ذرا سے وقت میں مقناطیسی بال کو اپنے ہدف پر پہنچانے میں بشیر نے رات ہی رات میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ تکنیکی انداز میں پھونک اور نشانہ میں کسی غلط کا احتمال ساری رات کی پریکٹس نے ختم کر دیا تھا۔

اگلے چند منٹوں میں دوسرا گٹر صاف کر کے بشیر باہر نکل آیا۔ اس کے جسم سے نکلنے والی بدبو میں شاید کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔ کھوکھلے بانس گھسیٹتا غلیظ کیچڑ میں لت پت بشیر کو دیکھ کر سپاہیوں نے اسے دور سے ہی دفع ہونے کے سنگین اشارے کرنا شروع کر دیے تھے۔ بشیر تیزی سے چلتا ہوا بانسوں کی منحوس گھسیٹنے کی آواز پیدا کرتا وہاں سے حقیقتاً غائب ہو گیا۔

قریبی گلیوں سے نکلتے اس کے کانوں نے فلک شگاف دھماکہ سن لیا تھا۔ وہ دھماکہ جس نے بشیر کو کئی راتوں کی نیند اور مجاہدین کی کئی قیمتی جانوں اور بے تحاشا نقصان کا ازالہ کر دیا تھا۔ مقناطیسی بال میں چھپے طاقتور ٹائم بم نے بھاٹہ کے جسم کو ردی کاغذ کے بے حقیقت پرزے بنا کر فضا میں اچھال دیا تھا۔

مجاہدین کی ہائی کمان نے بشیر کی دلیری کو دلیری کے طور پر لیا تھا اور مضبوط اعصاب اور جسم کے بشیر نے کامیابی اور کامرانی کی اس انتہا کو چھوکر اپنے جہاد کے سفر کا آغاز وہاں سے کیا تھا جہاں دوسروں کے سفر کا اختتام ہوا کرتا تھا۔

بھاٹہ اور اس کی حفاظتی گارڈ کی موت نے مجاہدین میں جوش اور جذبے کی ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ آئندہ آنے والے کچھ دنوں میں بھاٹہ کے نزدیکی وہ تین پولیس آفیسر بھی مجاہدین نے اڑا دیے جو بھاٹہ کی حکمت عملی اور عمل پذیری کو اچھی طرح جان چکے تھے۔

ان کامیاب فتوحات نے وقتی طور پر ہندو پولیس کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ پولیس کے حوصلے پست ہو چکے تھے اور کسی بھی لمحے مارے جانے کا خوف بھرا لپکا ان کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت لپکتا ہی رہتا تھا۔

مجاہدین کے امیر نے بشیر کو شیر دل ہراول دستے میں شامل کر دیا۔ اس دستے کا کام ہر کارروائی سے پیشتر اس کی کامیاب اور ناکامی کے مکمل امکانات اور ہدف پر پہنچنے کے لئے موزوں اقدامات اور اسباب کا جائزہ لینا ہوتا۔

ایک ایسے ہی مشن کے آغاز پر بشیر اور اس کا ایک ساتھی ریکی کرنے ایک ایسے گاؤں میں پہنچے جہاں سے انہیں نوجوان افرادی قوت ملنے کی امید تھی۔ ابتدائی اطلاعات کے مطابق گاؤں کی فضا متوقع نوجوان پرجوش سپاہیوں کے حوالے سے بہت زرخیز تھی۔ گاؤں خاصا دور افتادہ تھا۔ اونچے نیچے پہاڑی راستوں کا ایک میل بھی عام میدانی راستوں کے دس میلوں جیسا ہوتا ہے۔ آدمی چل چل کے تھک جاتا ہے لیکن فاصلہ کھسکنے کا نام تک نہیں لیتا۔

کئی گھنٹوں کے پرمشقت فاصلے کو پیدل طے کر کے جب وہ مطلوبہ بستی کے نزدیک پہنچے تو خستہ حالی اور بھوک کے مارے ان دونوں کا برا حال تھا۔ ایک پہاڑی کے نشیب میں نیلی آنکھوں والا ایک بوڑھا چند بھیڑ بکریوں کو چرا رہا تھا۔ باریش بزرگ کو اپنا جانتے ہوئے وہ دونوں اس کے پاس جا پہنچے اور چند گھونٹ پانی کے طلبگار ہوئے۔ بزرگ نے اپنی نرم آنکھوں سے ان کا بغور جائزہ لیا اور خوش سے انہیں اپنی چھاگل سے پانی پیش کر دیا۔

جان میں جان آئی تو بزرگ سے سلام دعا بڑھی۔ بشیر کے ساتھی نے جذبات میں آ کر اپنے متعلق ڈھکے چھپے الفاظ میں بتا دیا۔ بشیر نے محسوس کیا کہ بزرگ کے چہرے پر وہ گرمجوشی اور محبت مفقود ہے۔ جس کے وہ دونوں متلاشی تھے۔ انہوں نے رخصت کی اجازت چاہی تو بزرگ نے انہیں کھانے کے لئے چند چھوہارے اور تازہ دودھ پیش کیا۔ چھوہارے کھاتے اور دودھ پیتے ہی بشیر کو شدید نیند کا احساس ہوا۔ گہری نیند کی وادی میں گم ہوتے بشیر کی بند بند آنکھوں نے اپنے ساتھی کو بھی بے ترتیب انداز میں زمین کی زینت بنتے دیکھا مگر اس کا خاموش ذہن اس کی بھی تاویل سے قاصر تھا۔

گہری بے ہوشی سے ہوش میں آنے تک کتنا وقت گزرا۔ بشیر کو کچھ پتہ ہی چل سکا تھا۔ آنکھ کھلنے پر بشیر کو اپنے سر میں شدید درد اور دھمک کا احساس ہوا۔ اسکا جی بے تحاشا متلا رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے پے در پے کئی قے کرنے کے بعد بشیر کو طبیعت ہلکی ہونے اور شدید نقاہت کا ایک ساتھ ہی احساس ہوا۔ وہ وہیں زمین پر ڈھے سا گیا۔ کمرے میں موجود اندھیرا اور اپنے دائیں پاؤں میں موجود بندش کا کڑا ایک ساتھ ہی اس کے ذہن کے سادے پردے پر ابھرے اور پھر کڑی سے کڑی جڑتی چلی گئی۔

بھوک اور نقاہت نے ناتوانی کو جنم دیا تھا اور اس عالم میں اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ کر بشیر بے دھیانی اور دھیان کی کٹھن کشمکش میں سرگرداں تھا کہ چوں کر کے کمرے کا واحد دروازہ کھلا اور تیز روشنی کی شعاعوں نے بشیر کی آنکھوں کو چندھیا دیا۔

بشیر کی آنکھیں کچھ دیکھنے کے قابل ہوئیں تو انہوں نے نیلی آنکھوں اور باریش چہرے والے بزرگ کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔ بزرگ دونوں ہاتھ جوڑے اور دانت پیستے ہوئے چبھتی ہوئی آواز میں بولا۔

”نمستے مہاراج!“

جائز خوشی

احمد (اپنے دادا سے) آج آپ بہت خوش نظر آ رہے ہیں۔ بیٹا جب میں تمہاری عمر کا تھا اس وقت پھول میں کہانی بھیجی تھی۔ شائع تو نہیں ہوئی البتہ اب ”کوشش اچھی تھی“ میں نام آ گیا ہے۔

(زینب شیخ کندیاں ضلع میانوالی)

پھول کلب جنوبی لاہور کی دوبسیں خصوصی مشن پر

والز آئس کریم

مزہ ہی نہیں میزبانی بھی اچھی تھی



رپورٹ: عائشہ نثار......اچھرہ لاہور
اہتمام: شمس فرید چشتی

جنوبی لاہور پھول گرلز اینڈ بوائز کلب کی جانب سے والز فیکٹری کے مطالعاتی دورے کا آغاز 21 اکتوبر کو تقریباً صبح گیارہ بجے ہوا اس پروگرام کے انعقاد کا بنیادی مقصد نئے ممبران کو پھول کی سرگرمیوں میں شامل کرنا تھا۔

تمام ممبران کو پھول آفس اکٹھا ہونے کو کہا گیا جہاں سے ہمارے سفر کا آغاز ہوا اور ''کوسٹروں کے ذریعے لہلہاتے کھیت' چرتی ہوئی بکریاں فصل اکٹھی کرتی خواتین اور اڑتی ہوئی دھول کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ہم لوگ والز فیکٹری جا پہنچے۔ والز کے معنی تو اب تک ہم دیواریں سنتے آئے ہیں لیکن آج ہم والز (آئس کریم فیکٹری) کے وزٹ کو آئے تھے۔ والز فیکٹری میں ہمارے استقبال کے لئے والز ٹیم کے ارکان اور مانگا منڈی پھول کلب کے ممبران موجود تھے۔ جب سب کے ہمراہ ہم لوگ فیکٹری میں داخل ہوئے تو فیکٹری کا بہت خوبصورت منظر دیکھنے کو ملا۔ اتنا سبزہ اور صفائی دیکھ کر پہلے تو یقین نہ آیا کہ یہ پاکستان کی ہی کوئی فیکٹری ہے اس کے بعد ہم سب ممبران کو کانفرنس روم میں لے جایا گیا جہاں ہمارے گائیڈ عمران نقوی صاحب تھے۔ انہوں نے ہمیں والز کے بارے میں بریف کیا انہوں نے بتایا کہ والز کے تقریباً 38 پلانٹ پوری دنیا میں موجود ہیں۔ پاکستان میں یہ فیکٹری فروری 1995ء میں شروع کی گئی اور اس پر تقریباً ایک ارب روپیہ لاگت آئی۔ ملک میں پہلی بار آئس کریم کی موبائل سروس متعارف کروائی گئی۔ دھنیں سناتی سائیکلیں گلی کوچوں میں پھیل گئیں اور والز ہر گھر پہنچ گئی۔ 98ء میں والز کا پہلا لوگو تبدیل کر دیا گیا اب دوسرے والا لوگو چل رہا ہے جو دل کی طرز کا ہے۔ کمپنی کا خیال ہے یوں یہ آئس کریم لوگوں کے دل کے قریب رہے گی۔ (حالانکہ لوگو پہلے والا ہی اچھا تھا) انہوں نے بتایا کہ زیادہ تر آئس کریمز میں 65 فیصد پانی استعمال ہوتا ہے تو ایک صاحب نے بے ساختہ پوچھا پانی ڈالنے کے باوجود یہ آئس کریم اتنی مہنگی کیوں ہے۔

ایک اور اہم بات جو عمران نقوی نے بتائی وہ یہ تھی کہ آئس کریم کی بھی Expiry Date ہوتی ہے اور ہر آئس کریم کی مختلف ایکسپائری ڈیٹ ہوتی ہے مثلاً کارنیٹو چھ ماہ تک صحیح رہ سکتی ہے جبکہ واٹر والی آئس کریم دو سال بعد ایکسپائر ہو









والز والوں نے چیلنج دیا ہے کوئی جو 21 کپ کھا کر ہمارا ریکارڈ توڑے

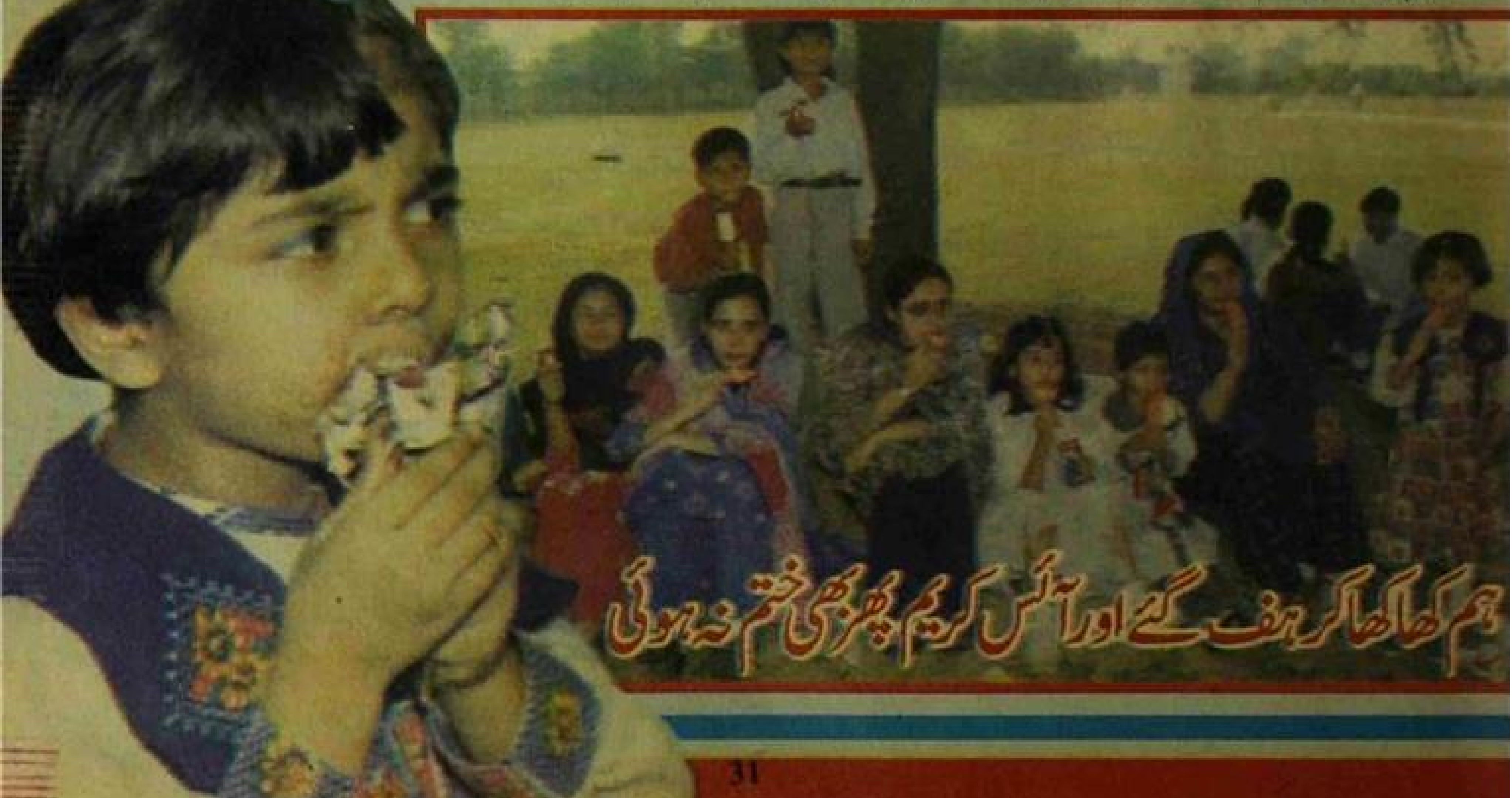
جاتی ہے۔ انہوں نے ہمیں اور بھی بہت سی معلومات فراہم کیں۔

اس کے بعد ہم لوگ عمران نقوی کی قیادت میں آئس کریم بننے کے پروسیجر کو دیکھنے کے لئے چلے۔ ٹیم چونکہ بڑی تھی اس لئے اسے تین گروپس میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ فیکٹری اس قدر صاف تھی کہ یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ عمران نقوی کے ہمراہ ہم لوگ پوری فیکٹری گھومے اور انہوں نے ہماری جانب سے پوچھے گئے ہر سوال کا بڑی خوش دلی سے جواب دیا۔

جب ہم فیکٹری کا وزٹ کر چکے تو دوبارہ باہر آ گئے جہاں آئس کریم ہمارا انتظار کر رہی تھی۔

آئس کریم دیکھ کر بچوں کی تو کیا بعض بڑوں کی بھی باچھیں کھل اٹھیں۔ ایک صاحب نے تو اتنی بے صبری کا مظاہرہ کیا کہ پہلی بار ہی تین آئس کریم ہاتھ میں اٹھا لیں۔ خیر سب نے آئس کریم سے پورا پورا انصاف کیا اور خوب جی بھر کر بلکہ پیٹ بھر کر آئس کریم کھالی۔ ہم سب آئیس کریم کھا کھا کر ہف گئے مگر وہ ختم ہونے میں نہ آئی۔ سب نے 6`6 سات سات کپ کھائے۔ پھول ٹیم نے والز انتظامیہ کا بہت شکریہ ادا کیا کیونکہ والز آئس کریم ہی نہیں ان کی میزبانی بھی اچھی تھی۔ والز والوں نے چیلنج کیا کہ ان کے ہاں 21 کپ کھانے کا ریکارڈ ہے۔ ہے کوئی جو اس ریکارڈ کو توڑے۔ سبھی نے کانوں کو ہاتھ لگائے پھول والے ریکارڈ بناتے ہیں دوسروں کے ریکارڈز کی توڑ پھوڑ تھوڑی کرتے ہیں۔

ایک صاحب نے بے ساختہ پوچھا تو 65 فیصد پانی ڈالنے کے باوجود آئس کریم اتنی مہنگی کیوں ہے



ہم کھا کھا کر ہف گئے اور آئس کریم پھر بھی ختم نہ ہوئی



ٹارگٹ

محمد عادل منہاج

قسط نمبر3

قدموں کی چاپ سنتے ہی دونوں چونکے ایک لمبا تڑنگا آدمی اندر داخل ہو رہا تھا۔ جس کے چہرے پر بڑی بڑی مونچھیں تھیں اس کے پیچھے ایک غنڈہ صورت آدمی کلاشنکوف اٹھائے ہوئے تھا۔ شاہد اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ عمران نے بھی اس کی تقلید کی۔

سیٹھ صاحب یہ ہے میرا دوست عمران آج کل نوکری کی وجہ سے بہت پریشان ہے' صوفے پر بیٹھتے ہی شاہد بولا ہوں...... لڑکا بھروسے کا ہے......؟' سیٹھ عمران کو گھورتے ہوئے بولا میں اس کی ہر طرح کی ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہوں' شاہد نے کہا ٹھیک ہے۔ سنو لڑکے۔ یہاں آنے کے تو بہت سے راستے ہیں مگر واپس جانے کا بس ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے موت...... جب تک ہمارے وفادار رہو گے عیش کرو گے۔ تمہیں کسی قسم کا کوئی ڈر خوف نہیں ہو گا لیکن اگر ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی تو اس کا انجام بہت برا ہو گا۔

سر میں جب ایک بار کوئی فیصلہ کر لیتا ہوں تو پھر دنیا کی کوئی طاقت مجھے نہیں جھکا سکتی یہ میری عادت ہے۔ میری ضد ہے' عمران سپاٹ لہجے میں بولا ہوں...... لگتا ہے ترقی کرو گے...... سنو شاہد میں تمہیں ایک نیا کام سونپنے کا سوچ ہی رہا تھا اب عمران بھی اس کام میں تمہارا ساتھ دے گا محنت کم اور معاوضہ بہت ہو گا مگر یہ کام بہت ہوشیاری سے کرنا ہو گا' سیٹھ مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا بولا۔ آپ حکم کریں سیٹھ صاحب' شاہد نے کہا سکندر کو بلاؤ' سیٹھ نے حکم دیا تو اس کے پیچھے کھڑا کلاشنکوف بردار وہاں سے ہٹ گیا جلد ہی وہ ایک سوٹڈ بوٹڈ شخص کو لئے اندر آیا اس کی عمر کوئی تیس کے قریب ہو گی۔ شکل سے بلاکا ذہین لگتا تھا۔ سکندر حاضر ہے......' وہ صوفے پر بیٹھتا ہوا مسکرا کر بولا۔ سکندر۔ شاہد کو تو تم جانتے ہی ہو۔ یہ عمران ہے تمہارا نیا ساتھی ان دونوں کو ہانگ کانگ روانہ کرنا ہے۔ ساری تفصیلات تم انہیں سمجھا دو' سیٹھ نے کہا آپ فکر نہ کریں سر سکندر سب سنبھال لے گا......انہیں میرے کمرے میں لے جاؤ' سکندر کا بعد والا جملہ سن کر کلاشنکوف بردار نے ان دونوں کی طرف شارہ کیا اور انہیں لے کر کمرے سے نکل گیا۔ یہ لڑکا تو بالکل نیا ہے سیٹھ صاحب۔ فوری طور پر اس پر اتنا اعتبار کرنا درست نہ ہو گا' سکندر بولا میں لوگوں کے چہرے پڑھ سکتا ہوں سکندر تم دیکھنا یہ ہمارا بہت وفادار کارکن ثابت ہو گا۔ یہ ان لوگوں میں سے ہے جو اگر نیک ہوں تو بہت نیک اور برے ہوں تو بہت برے اور اس نے ہمارے راستے کو چن لیا ہے اس کے لہجے میں عزم ہے بس اسے اپنے سانچے میں ڈھالنا ہو گا۔

آپ نے درست فرمایا پھر سکندر کو اجازت دیں' سیٹھ نے سر ہلایا اور سکندر اٹھ کھڑا ہوا بنگلے کا مین گیٹ کھلا شاہد اور عمران باہر نکلتے نظر آئے۔ شاہد اپنے موٹر سائیکل کی طرف بڑھا عمران اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ جونہی موٹر سائیکل روانہ ہوئی بنگلے سے کافی دور درختوں کے ایک جھنڈ سے ایک اور موٹر سائیکل سوار نکلا اور ان کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ شاہد اور عمران اس سے قطعی بے خبر تھے اور باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ جلد ہی موٹر سائیکل عمران کے گھر کے سامنے رکا۔ او کے عمران کل صبح میں تمہیں پک کر لوں گا بس اب تم بالکل بے فکر ہو جاؤ۔ تمہارے سارے مسئلے حل ہو گئے ہیں' شاہد بولا ہاں تم ٹھیک کہتے ہو...... سارے مسئلے حل ہو گئے ہیں......' وہ پھیکی ہنسی ہنسا شاہد ہاتھ ہلاتا ہوا رخصت ہوا تعاقب کرنے والے نے عمران کے گھر کا پتہ نوٹ بک میں لکھا اور پھر شاہد کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ اس بار یہ تعاقب شاہد کے گھر تک جاری رہا۔ جب شاہد اپنے گھر میں داخل ہو گیا تو تعاقب کرنے والے نے

جیب سے وائرلیس نکال کر کسی سے بات کی اسے پندرہ منٹ انتظار کرنا پڑا پھر ایک اور موٹر سائیکل سوار وہاں آ پہنچا آنے والے نے اس سے کچھ بات کی پھر پہلا تعاقب کرنے والا وہاں سے روانہ ہو گیا اس کا سفر بیس منٹ جاری رہا اور پھر وہ ایک عمارت میں داخل ہو گیا۔ میز کے دوسری طرف بیٹھا شخص چند کاغذات دیکھنے میں مصروف تھا۔ اسے اندر داخل ہوتا دیکھ کر وہ چونکا اور بولا آؤ جلال خان۔ بیٹھو...... کیا رپورٹ ہے۔ سر وہ آج ایک اور لڑکے کے ساتھ سیٹھ جمال کی کوٹھی گیا تھا اس لڑکے سے وہ پہلے بھی ایک دوبار ملتے دیکھا گیا ہے۔ مگر سیٹھ جمال کے ہاں وہ اسے پہلی بار لے کر گیا ہے۔ دونوں تقریباً ایک گھنٹہ اندر رہے پھر شاہد نے اس لڑکے کو اس کے گھر اتارا اور خود اپنے گھر چلا گیا۔ اب فدا خان اس کی نگرانی کر رہا ہے' تعاقب کرنے والے جلال خان نے تفصیل سنائی۔

ہوں۔ یہ نیا لڑکا کون ہے؟ اس کے آفیسر نے پوچھا ابھی اس کا نام نہیں معلوم میں نے اس کے گھر کا پتہ نوٹ کر لیا ہے۔ جلد ہی اس کے بارے میں بھی معلومات حاصل کر لوں گا' جلال خان بولا ٹھیک ہے نگرانی جاری رکھو مجھے پورا یقین ہے کہ سیٹھ جمال سمگلنگ میں ملوث ہے۔ اگر ہمیں شاہد پر شک نہ ہوتا تو سیٹھ جمال کی اصلیت کبھی پتہ نہ چلتی بہرحال اصل ٹارگٹ تو سیٹھ جمال ہے ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اس کے خلاف کوئی ایسا ثبوت حاصل کر لیں کہ وہ اپنے اثرورسوخ کے باوجود نہ بچ سکے' انشاءاللہ ایسے ہی ہو گا...... شاہد کے ذریعے ہمیں ضرور کوئی کلیو ملے گا۔ اوکے...... گڈلک......

بلکے سے ایک دھماکے کی آواز آئی یہ...... یہ کیا ہوا' ایک خاتون بوکھلائی ہوئی اپنے کمرے سے نکلیں ضرور شیرازی کی حرکت ہو گی۔ وہی ہر وقت اوٹ پٹانگ کام کرتا رہتا ہے' ایک موٹی سی لڑکی منہ بنا کر بولی میں تو تنگ آ گئی ہوں اس سے شیرازی شیرازی' خاتون آوازیں دیتی ہوئی ایک کمرے میں داخل ہوئیں تو دیکھا کہ ایک لڑکا کمرے کے بیچوں بیچ کھڑا ہے۔ اس کے سامنے میز پر کچھ ٹیوبوں اور گلاسوں میں عجیب وغریب محلول سے پڑے تھے میز پر برنر جل رہا تھا اور اس پر رکھے بیکر سے دھواں نکل رہا تھا۔ یہ۔۔ یہ کیا کر رہے ہو؟ خاتون چلا کر بولیں۔ وہ...... امی میں ایک تجربہ کر رہا تھا' شیرازی ڈر کر بولا لعنت ہو تمہارے ان تجربوں پر...... کسی دن پورے گھر میں آگ لگاؤ گے...... میں کہتی ہوں سمیٹو یہ سارا سامان...... اس کی امی غصے سے بولیں۔ جی اچھا...... شیرازی منہ بنا کر بولا دروازے میں کھڑی موٹی لڑکی مسکرا رہی تھی شیرازی نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور اپنی چیزیں سمیٹنے لگا۔ بھائیو...... مجھے نہ کرسی کی ہوس ہے نہ اقتدار کی خدا گواہ ہے کہ میرا دور دور تک بھی الیکشن میں حصہ لینے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ میں ان جھمیلوں میں نہیں پڑنا چاہتا۔ میں تو بس لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ مگر آپ سب لوگوں نے اور میرے دوستوں نے بار بار مجبور کیا تو میں بھی الیکشن میں کھڑا ہو گیا۔ صرف یہ سوچ کر کہ اس طرح مجھے آپ لوگوں کے مسائل حل کرنے کا بہتر موقع ملے گا اور میں آپ کی آواز اوپر تک پہنچا سکوں گا...... سیٹھ جمال...... زندہ باد...... سیٹھ جمال کے الفاظ پورے ہوتے ہی جلسے میں موجود لوگوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ ابھی نعروں کی گونج جاری تھی کہ قریب کی سڑک سے گزرتی ایک جیپ سے تڑا تڑ فائرنگ ہونا شروع ہو گئی۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ سیٹھ جمال کے باڈی گارڈوں نے بھی جوابی فائرنگ کی۔ سکندر فوراً سیٹھ جمال کی طرف بڑھا اور اسے لے کر اسٹیج سے اتر گیا۔ کس کی حرکت تھی یہ...... کس میں اتنی جرات ہے کہ سیٹھ جمال کے جلسے پر فائرنگ کرے' سیٹھ جمال غصے میں پھنکارتا ہوا اپنے ڈرائنگ روم میں ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا سکندر ساری معلومات حاصل کر چکا ہے سیٹھ صاحب اس نے پتہ چلا لیا ہے کہ وہ کون ہے' سکندر اطمینان سے بولا کون...... ہے......؟ میں پوچھتا ہوں کون ہے وہ......؟ سیٹھ جمال گرجا پیر بخش...... سکندر نے جواب دیا۔

(باقی آئندہ)

دادی کہانی

قرۃ العین شاہد

سخت سردی پڑ رہی تھی۔ ہم سب کو سردیوں کی چھٹیاں ہو چکی تھیں ہمارے بڑے تایا جان کو ہم بابا کہتے ہیں اور چھوٹے تایا جان کو ہم ابو کہتے ہیں ہمارے گھر بمعہ اہل و عیال آئے ہوئے تھے۔ خوب ہنگامہ رہتا تھا۔ دن بھر کھیل کود اور شرارتیں جس میں ہمارے دادا اور دادی بھی اکثر شامل ہو جاتے اور ہم لوگ خوب انجوائے کرتے پھر تو امی اور ابو بھی ہماری شرارتوں پر ہمیں کچھ نہیں کہہ سکتے تھے دادا اور دادی کی پناہ گاہ بھی ہی بہت محفوظ۔ ہم سب بچے اپنی دادی اماں سے اکثر کہانی بھی سنتے تھے جو وہ اپنے وعدے کے مطابق عشاء کی نماز کے بعد سناتی تھیں بس پھر تو کیا ہی کہنے۔ ہم سب بچے نماز سے فارغ ہو کر دادی اماں کے کمرے میں اکٹھے ہونا شروع ہو جاتے۔

تو جناب یہ کہانی جو دادی اماں نے سنائی اور ان کی آپ بیتی ہے یعنی ان کا بچپن کا واقعہ ہے۔ دادی اماں جیسے ہی فارغ ہو کر اپنا پان دان کھول کر بیٹھیں تو سب ان کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ دادی اماں مخاطب ہوئیں "ہاں تو بچو! یہ جو تمہارا رسالہ ہے نا پھول یہ مجھے بھی بہت پسند ہے اور اس کو پڑھ کر مجھے اپنا بچپن یاد آ جاتا ہے۔ جب میں بھی بچوں کے رسالوں میں کہانیاں' مضامین اور لطیفے بھجوایا کرتی تھی۔ جو آخر چھپ بھی جاتے تھے کیونکہ اس وقت اتنے زیادہ لکھنے والے نہیں ہوتے تھے اب تو ماشاءاللہ ہر کوئی لکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تعلیم نے اتنا با شعور بنا دیا ہے سب کو۔ آج جو واقعہ میں تم لوگوں کو سنا رہی ہوں اس وقت میں آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھی۔ اس زمانے میں ہمارے گھر میں بچوں کی دنیا' نونہال' تعلیم و تربیت اور کھلونا رسالے آتے تھے میں اور میرے دونوں چھوٹے بھائی بڑے شوق سے ان رسالوں کو پڑھا کرتے تھے اور ان میں کچھ نہ کچھ لکھ کر بھی بھیجا کرتے تھے اور جس کی بھی کوئی کہانی لطیفہ یا کچھ اور شائع ہو جاتا وہ بڑا خوش ہوتا۔ انہی دنوں میری ایک کہانی 'نونہال' میں شائع ہوئی اس کا عنوان تھا "قائداعظم آج سے ساٹھ سال بعد" اس میں یہ لکھا گیا تھا کہ آج سے ساٹھ سال بعد لوگ قائداعظم کو کس طرح یاد کریں گے۔ کہانی شائع ہونے کے بعد ایڈیٹر نے رسالے میں ایک نوٹ لکھا کہ جن بچوں کی کہانیاں شائع ہو گئیں ہیں وہ اپنی تصویریں بھجوا دیں تاکہ اگلے شمارے میں شائع کی جا سکیں۔ میں نے اپنی امی سے پوچھا کہ میں اپنی ایک تصویر بھجوانا چاہتی ہوں تو امی بڑے سخت ناراض ہوئیں کہ لڑکیاں اپنی تصویریں نہیں بھجواتیں' اس وقت یہ بڑی معیوب بات سمجھی جاتی تھی۔ میں بہت دیر سوچتی رہی کہ کیا کروں تصویروں کا ڈبہ نکال کر بیٹھ گئی۔ بہت سی تصویریں تھیں مگر اجازت...... ہرگز نہیں۔ اچانک میری ایک کزن کی بچپن کی تصویر ملی عمر کوئی سات آٹھ برس کی ہو گی۔ بہت پیاری تصویر تھی۔ میں نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ یہی تصویر بھیج دوں گی اور ایڈیٹر بھیا کو لکھ دوں گی کہ یہ میرے بچپن کی تصویر ہے۔ کہیں پھر کیا تھا تصویر چھپوانے کے شوق میں اس پر ہم نے اپنا نام لکھا اور چپکے سے رسالے کو بھیج دی۔ اگلے شمارے میں وہ شائع بھی ہو گئی۔ اور مزے کی بات یہ کہ اس کے نیچے ایڈیٹر کا ایک نوٹ بھی تھا کہ جو بچیاں اپنی تصویریں شائع نہیں کروانا چاہتی وہ اپنے بچپن کی تصاویر بھی بھجوا سکتی ہیں۔ یہ پڑھ کر تو ہم خوب ہی ہنسے اور ساتھ میں خوش بھی کہ اب تو ہم اپنے بچپن کی تصویر ضرور بھجوائیں گے۔ سارا کمرہ ہمارے قہقہوں سے گونج اٹھا۔ دادی اماں پلیز" بچو اب ہی بچے اپنے اپنے بچپن میں اس قسم کی شرارتیں کرتے ہیں اور ان میں کوئی حرج بھی نہیں' جس سے کسی کو کوئی آزار یا تکلیف نہ پہنچے۔ بعد میں جب بڑے ہو جاتے تو پھر یاد کر کے خوب ہنستے ہیں۔

ٹھہرئیے! اس طرح بات نہیں بنے گی

آئیے کمپیوٹر کو ذرا ڈھنگ سے جاننے کی کوشش کرتے ہیں

نعیم احسن ۔۔ پہلی قسط

پہلی بات:

ونڈوز ایک آپریٹنگ سسٹم ہے لیکن ٹھہریئے! اس طرح بات نہیں بنے گی۔ پہلے ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ آپریٹنگ سسٹم کیا ہوتا ہے؟ اور کمپیوٹر کے استعمال میں اس کی ضرورت اور اہمیت کیا ہے۔ کمپیوٹر مختلف قسم کے برقی آلات کا مجموعہ ہے۔ اس کا ہر حصہ الگ الگ مقاصد کے لئے استعمال ہوتا ہے مثلاً اس کا پروسیسر ان تمام کاموں کو پروسس کرتا ہے جو اسے کرنے کے لئے دیئے جاتے ہیں' اس کا ڈسپلے کارڈ سکرین پر نتائج ظاہر کرتا ہے۔ اس کی ہارڈ ڈسک ڈیٹا کو مستقل طور پر سٹور کرنے کے کام آتی ہے۔ ریم ایک عارضی یادداشت کا آلہ ہے جو کمپیوٹر استعمال کرنے کے دوران تمام کاموں کو سنبھالتا ہے اور احکامات دینے پر یہی ہارڈ ڈسک یا کسی اور سٹوریج ڈیوائس پر محفوظ ہو جاتا ہے۔

کمپیوٹر کے تمام اجزا مل کر ہی ایک ایسی مشین تشکیل دیتے ہیں جو حیرت انگیز کام کرنے کی اہل بن جاتی ہے۔ ان اندرونی اجزا کے علاوہ باہر سے بھی کچھ چیزیں کمپیوٹر کے ساتھ منسلک کی جاتی ہیں جیسے کی بورڈ' ماؤس' مانیٹر اور پرنٹر وغیرہ۔ یہ تمام کی تمام چیزیں ہارڈ ویئر کہلاتی ہیں۔ صرف ہارڈ ویئر سے ہی ایک کمپیوٹر مکمل نہیں ہوتا بلکہ اس مشین سے کام لینے کے لئے پروگراموں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر خط لکھنے' کتاب ٹائپ کرنے' ڈیزائن بنانے' موسیقی سننے اور انٹرنیٹ استعمال کرنے کے لئے الگ الگ پروگراموں کی ضرورت ہوگی۔ یہ پروگرام دراصل ہدایات پر مشتمل ہوتے ہیں جو کمپیوٹر کی کسی مخصوص زبان میں دی جاتی ہیں۔ کمپیوٹر پر جو گیمز کھیلی جاتی ہیں وہ بھی پروگرام ہی ہوتے ہیں۔ ان پروگراموں کو ایپلیکیشنز بھی کہتے ہیں۔ مجموعی طور پر ان سب کو سوفٹ ویئر کہا جاتا ہے اس طرح ہارڈ ویئر اور سوفٹ ویئر کے ملاپ سے ایک کمپیوٹر مکمل ہوتا ہے۔

آپریٹنگ سسٹم کا شمار بھی سوفٹ ویئر میں ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کا پروگرام یا ایپلیکیشن ہے لیکن کسی بھی دوسرے پروگرام کی نسبت اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ جس طرح اس کا نام بڑا ہے اسی طرح اس کے کام بھی بڑے ہیں۔ اسے کمپیوٹر کا روح رواں بھی کہہ سکتے ہیں اور اس کی ذہانت بھی کہہ سکتے ہیں' یہ نہ ہو تو کمپیوٹر' جو مختلف برقی آلات کا مجموعہ ہے' بالکل بدھو بن جاتا ہے۔ آپریٹنگ سسٹم نہ ہو تو آپ کمپیوٹر سے کوئی کام نہیں لے سکتے۔ اس بات سے آپریٹنگ سسٹم کی اہمیت آپ پر واضح ہوگئی ہوگی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ایک آپریٹنگ سسٹم جسے اختصار کے ساتھ OS بھی کہا جاتا ہے' کیا کیا امور سرانجام دیتا ہے۔

1۔ کمپیوٹر استعمال کرنے والے کو ایک انٹرفیس فراہم کرتا ہے۔ انٹرفیس سے مراد سکرین پر ظاہر ہونے والے عناصر ہیں۔ انٹرفیس کی بدولت ہی ایک یوزر یہ جان سکتا ہے کہ کمپیوٹر کے اندر کیا کچھ ہو رہا ہے۔

2۔ یوزر یا کمپیوٹر استعمال کرنے والا اس کے ذریعے ہدایات اور احکامات دیتا ہے اس طرح آپریٹنگ سسٹم ایک کمپیوٹر اور یوزر کے مابین رابطہ کا کام کرتا ہے۔

3۔ سوفٹ ویئر یعنی پروگراموں اور ہارڈ ویئر یعنی کمپیوٹر کے مختلف برقی آلات کے مابین تال میل پیدا کرتا ہے۔

4۔ یوزر یعنی استعمال کنندہ کو کمپیوٹر کے مختلف آلات استعمال کرنے کے قابل بناتا ہے۔

ایک آپریٹنگ سسٹم کے بغیر جب کسی کمپیوٹر کو سٹارٹ کیا جائے تو وہ کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہوگا۔ یہ آن تو ہو جائے گا لیکن اس کی حیثیت ایک ایسے ملازم کی سی ہوگی جو ہاتھ' پاؤں' زبان' آنکھوں' کانوں سے معذور اور سوچ سے عاری ہو۔ اب اگر ہم یہ کہیں کہ ونڈوز ایک آپریٹنگ سسٹم ہے تو آپ یقیناً اس کی افادیت' اہمیت اور کام کی نوعیت کو سمجھ جائیں گے۔

شروع شروع میں جو آپریٹنگ سسٹم آئے ان کو استعمال کرنا مشکل تھا۔ ان میں سکرین پر صرف ایک پرومپٹ ظاہر ہوتا تھا جسے کوئی انڈر سکور (-) یا کوئی اور حرف وغیرہ۔ اس پرومپٹ کے آگے درست ترتیب اور تفصیل کے ساتھ کمانڈ ٹائپ کرنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ ایسے آپریٹنگ سسٹم صرف وہی لوگ استعمال کر سکتے تھے جنہیں اس کی ساری کمانڈیں یاد ہوتی تھیں۔ اس کی مثال DOS اور UNIX ہیں۔

آپریٹنگ سسٹم میں پوائنٹنگ ڈیوائس کا استعمال سب سے پہلے میکنٹوش کے ایپل کمپیوٹروں میں کیا گیا۔ پوائنٹنگ ڈیوائس سے مراد ایک ایسا آلہ ہے جس کے ذریعے سکرین پر کسی آبجیکٹ کو پوائنٹ کر کے مطلوبہ کام لئے جا سکتے ہوں۔ اس قسم کے آلات میں سب سے زیادہ مقبولیت ماؤس کو حاصل ہوئی۔ شروع شروع میں آئی بی ایم اور اس سے مطابقت رکھنے والے کمپیوٹروں میں اس ڈیوائس کو کوئی اہمیت نہ دی گئی لیکن جلد ہی اس کی افادیت کو تسلیم کر لیا گیا کیونکہ اس کی مدد سے کمپیوٹر کو آپریٹ کرنے کا کام بالکل آسان ہو گیا تھا۔

ونڈوز کا پہلا ورژن 1985ء میں ونڈوز 1.0 کے نام سے ریلیز کیا گیا یہ کافی حد تک اپنے حریف کمپیوٹروں یعنی ایپل سے مماثلت رکھتا تھا لیکن ایپل کے مقابلے میں یہ کافی کمزور واقع ہوا۔

1987ء میں ونڈوز 2.0 ریلیز ہوا۔ یہ اپنے پہلے ورژن سے تو بہتر تھا لیکن میک کے آپریٹنگ سسٹم اور مائیکروسوفٹ اور آئی بی ایم کے مشترکہ منصوبہ OS/2 کے مقابلے میں زیادہ فعال ثابت نہ ہوا۔

1990ء میں اس کا ورژن 3.0 اور 1992ء میں 3.1 ورژن سامنے آیا یہ اپنے وقت کے مقبول ونڈوز ورژن رہے ہیں ان کے ساتھ ساتھ لوگ ڈوس کو بھی استعمال کرتے رہے۔

ونڈوز کو اصل مقبولیت ونڈوز 95 کی ریلیز سے ملی۔ اس کو مکمل طور پر تبدیل کر کے پیش کیا گیا۔ یہ پہلا باقاعدہ آپریٹنگ سسٹم تھا جس کی وجہ سے "ونڈوز بیسڈ" مشینیں تیار ہونے لگیں۔ ونڈوز 98 میں ان تمام کمزوریوں پر قابو پا لیا گیا جو ونڈوز 95 میں رہ گئی تھیں۔

2000ء میں مائیکروسوفٹ نے اپنی نوعیت کا سب سے بڑا سوفٹ ویئر پروجیکٹ ونڈوز 2000 کے نام سے مارکیٹ کیا۔ اس کا پروفیشنل ورژن عام استعمال کنندگان کے لئے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مائیکروسوفٹ نے ونڈوز کے ملینیم ایڈیشن کو بھی حتمی شکل دے دی ہے۔ آگے جو اسباق دیئے جا رہے ہیں انہیں اس انداز سے ترتیب دیا گیا ہے کہ پڑھنے والا ابتدائی طور پر ونڈوز 95' 98' 2000 پروفیشنل اور ME یعنی ملینیم ایڈیشن کو استعمال کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔

ونڈوز کا آغاز

ونڈوز کی بنیاد پر چلنے والے کمپیوٹرز' جنہیں ونڈوز بیسڈ مشین کہا جا سکتا ہے' میں ونڈوز کا آغاز کرنے کے لئے استعمال کنندہ کو کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بس کمپیوٹر کا سوئچ آن کرنا ہے اس کے بعد کمپیوٹر از خود دو کام سرانجام دیتا ہے۔

1۔ پاور آن سیلف ٹیسٹ: یہ پہلا کام ہے جو کمپیوٹر آن ہونے پر کرتا ہے۔ اس کو مختصر طور پر پوسٹ (POST) بھی کہتے ہیں۔ اس میں کمپیوٹر اپنے مختلف اجزا کو خود ہی چیک کرتا ہے اور اگر اسے کہیں پر خرابی نظر آتی ہے تو اس کے لئے سگنل یا سکرین پر میسج دیتا ہے۔ اگر یہ کام بخوبی طے پا جائے تو اگلے مرحلے میں چلا جاتا ہے۔

2۔ آپریٹنگ سسٹم کی لوڈنگ: اگلے مرحلے پر کمپیوٹر ایک آپریٹنگ سسٹم لوڈ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ونڈوز بیسڈ مشینوں میں اس وقت ونڈوز کا لوگو (LOGO) سکرین پر نمودار ہوتا ہے اور سکرین پر نچلے حصے میں ایک باریک افقی پٹی میں عام طور پر نیلا رنگ متحرک نظر آتا ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ ونڈوز لوڈ ہو رہا ہے۔ جب ونڈوز کامیابی سے لوڈ ہو جاتا ہے تو یہ ابتدائی لوگو غائب ہو جاتا ہے اور اس کی بجائے ونڈوز کا ڈیسک ٹاپ ظاہر ہوتا ہے۔ ونڈوز کے ڈیسک ٹاپ کے بارے کچھ بتانے سے پہلے ہم یہ وضاحت کر دیں کہ ونڈوز کو "ونڈوز" انگریزی میں "کھڑکی" کو کہتے ہیں۔ ونڈوز کا نام اسی وجہ سے ونڈوز رکھا گیا ہے کہ اس میں ہر کام کے لئے ایک "ونڈوز" کھل جاتی ہے۔ اس طرح کمپیوٹر پر جتنے کام بھی کئے جا رہے ہوتے ہیں ان کے لئے الگ الگ اور انفرادی ونڈو

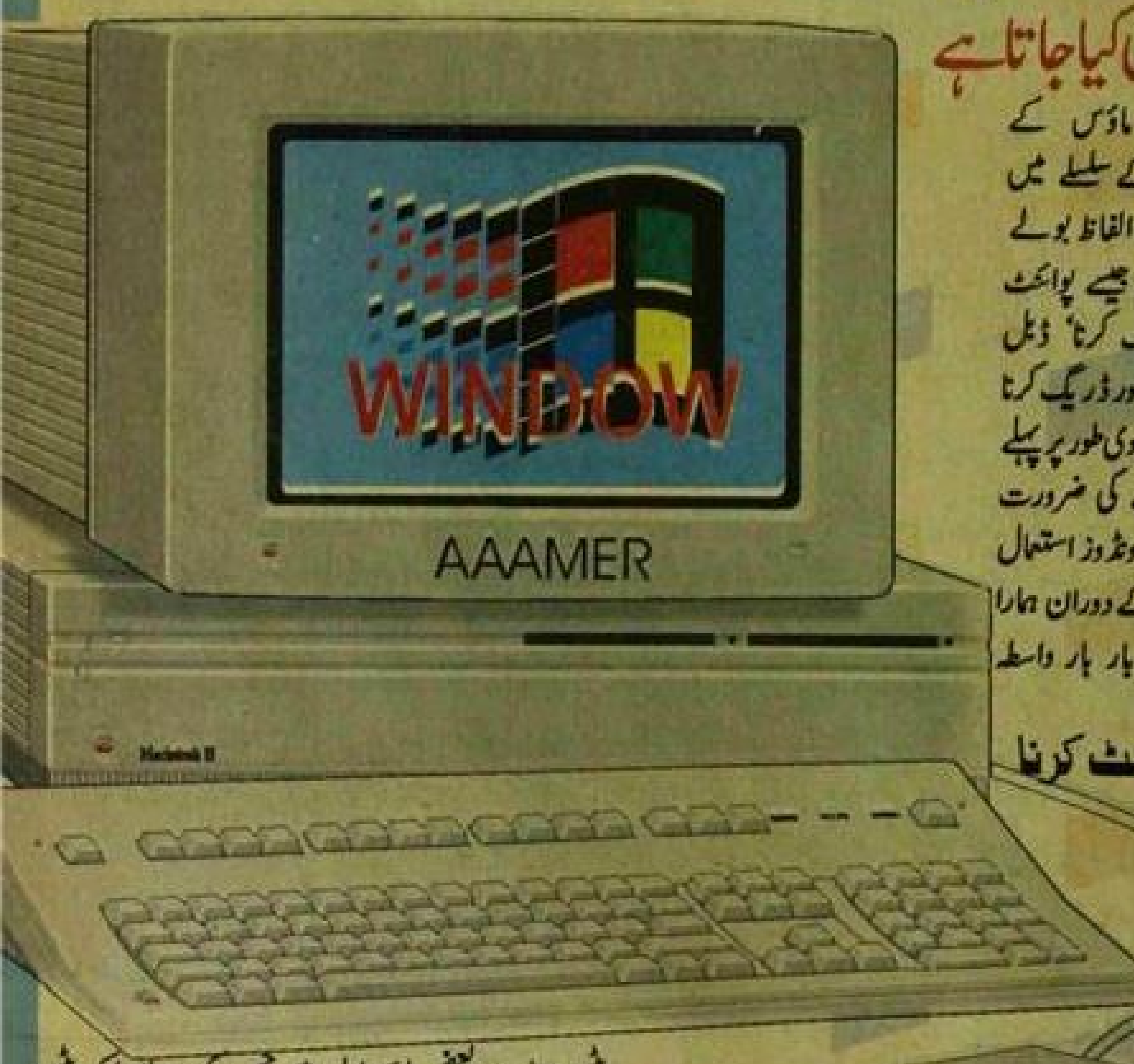
کھلتی چلی جاتی ہے۔ ونڈوز ہی کی بدولت بہت سے کاموں کو بیک وقت کرنا ممکن ہوا ورنہ ڈوس کی طرح آپریٹنگ سسٹم میں ایک وقت میں صرف ایک ہی کام کیا جاسکتا تھا۔ ایسے آپریٹنگ سسٹم جن میں بیک وقت کئی کام کیے جاسکیں انہیں ملٹی ٹاسکنگ آپریٹنگ سسٹم کہتے ہیں۔ ونڈوز بھی ایک ملٹی ٹاسکنگ آپریٹنگ سسٹم ہے۔

ونڈوز کا ڈیسک ٹاپ ہی وہ مقام ہے جہاں سے تمام کام شروع کیے جاسکتے ہیں۔ کوئی پروگرام چلانا ہو فائلیں کاپی کرنا ہوں' فولڈر بنانا ہو یا انٹرنیٹ استعمال کرنا ہو غرض ہر کام کا آغاز ونڈوز کے ڈیسک ٹاپ ہی سے کیا جاتا ہے۔ ونڈوز کے ڈیسک ٹاپ کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کہ جس طرح ایک حقیقی ڈیسک پر عام استعمال میں آنے والی چیزیں سلیقے سے رکھی جاتی ہیں اسی طرح ونڈوز کے ڈیسک ٹاپ پر بھی ہر چیز ایک ترتیب اور سلیقے سے رکھی جاسکتی ہیں۔

ونڈوز میں ماؤس کا استعمال

تبھی آپ ونڈوز 95، 98، 2000 اور میلینیم ایڈیشن کو استعمال کرنے کے قابل ہوں گے

ہر کام کا آغاز ونڈوز کے ڈیسک ٹاپ سے ہی کیا جاتا ہے



ونڈوز کا بنیادی تصور ماؤس کے ساتھ وابستہ ہے۔ ماؤس ایک پوائنٹنگ ڈیوائس ہے۔ اس کی مدد سے تقریباً تمام کام کیے جاسکتے ہیں۔ ونڈوز ایک گرافیکل انٹرفیس کا حامل آپریٹنگ سسٹم ہے۔ کمپیوٹر اور یوزر کے درمیان رابطہ ایک مانیٹر کی سکرین ہوتی ہے۔ مانیٹر کی سکرین پر جو کچھ ظاہر ہوتا ہے اسے انٹرفیس کہتے ہیں اور ایک گرافیکل انٹرفیس سے مراد ایک ایسی سکرین ہے جس پر ہر چیز کے لئے گرافکس دیئے گئے ہوتے ہیں۔ ان کو آبجیکٹس بھی کہتے ہیں۔ یہ آبجیکٹ مختلف حروف سے لکھی ہوئی عبارت بھی ہو سکتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی تصویروں کی صورت میں بھی ہو سکتے ہیں۔ ان تصویروں آبجیکٹس کی وجہ سے ہی ونڈوز ایک حقیقی گرافیکل انٹرفیس کہلاتا ہے۔ ان چھوٹی چھوٹی تصویروں کو' جو کسی نہ کسی پروگرام' فائل یا کسی دوسری چیز کی نمائندگی کر رہی ہوتی ہیں' آئیکون کہا جاتا ہے۔ ونڈوز کا گرافیکل یوزر انٹرفیس ایک ماؤس کی مدد سے کمپیوٹر کا استعمال آسان تر بناتا ہے۔ ونڈوز میں ماؤس نہ استعمال کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سیڑھیوں کو چھوڑ کر ایک سیدھی ایستادہ دیوار کے ذریعے چھت پر جانے کی کوشش کرتا ہے اگرچہ اس کو کی بورڈ کے ذریعے بھی آپریٹ کیا جاسکتا ہے لیکن بات وہی بھی آ جائے گی کہ اس کے لئے شارٹ کٹ یاد کرنا پڑیں گے اگر یہی کچھ کرنا ہے تو ونڈوز کا کیا فائدہ؟

ونڈوز میں ماؤس کے استعمال کے لئے چند خاص اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔ یہاں ان اصطلاحات کے ناموں کے ساتھ ان کو کرنے کی تفصیل دی جارہی ہے کیونکہ جب تک آپ ماؤس کے استعمال سے واقف نہیں ہوں گے اس وقت تک ونڈوز کی فراہم کردہ سہولتوں سے لطف اندوز نہیں ہو سکیں گے۔

ماؤس کو استعمال کرنے کے لئے ایک ہموار جگہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام طور پر اسے ایک خاص پیڈ پر رکھ کر استعمال کیا جاتا ہے جو ماؤس کے ساتھ ہی آتا ہے۔ اگر یہ پیڈ دستیاب نہ ہو تو اسے صرف میز پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جب ماؤس کو کمپیوٹر کے ساتھ لگایا جاتا ہے تو ایرو (تیر) کی شکل کا ایک نشان سکرین پر نظر آنے لگتا ہے۔ اسے ماؤس پوائنٹر کہتے ہیں اور بعض اوقات ماؤس کرسر بھی کہا جاتا ہے۔

میز پر یا پیڈ پر جس سمت میں بھی ماؤس کو حرکت دی جاتی ہے اسی سمت میں سکرین پر اس کا پوائنٹر حرکت کرتا ہے۔ حرکت کی یہی مطابقت ہی ماؤس کے استعمال کی جان ہے۔ اسی کے باعث سکرین پر کسی بھی جگہ سے آئیکون' لسٹ آئٹم یا مینو آپشن کا انتخاب کیا جاسکتا ہے اس کے علاوہ یہی موومنٹ یا حرکت ہی سکرین پر ڈرائنگ کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ ماؤس کے استعمال کے سلسلے میں چند مخصوص الفاظ بولے جاتے ہیں جیسے پوائنٹ کرنا' کلک کرنا' ڈبل کلک کرنا اور ڈریگ کرنا وغیرہ۔ بنیادی طور پر پہلے انہیں سمجھنے کی ضرورت ہے کیونکہ ونڈوز استعمال کرنے کے دوران ہمارا ان سے بار بار واسطہ پڑے گا۔

پوائنٹ کرنا

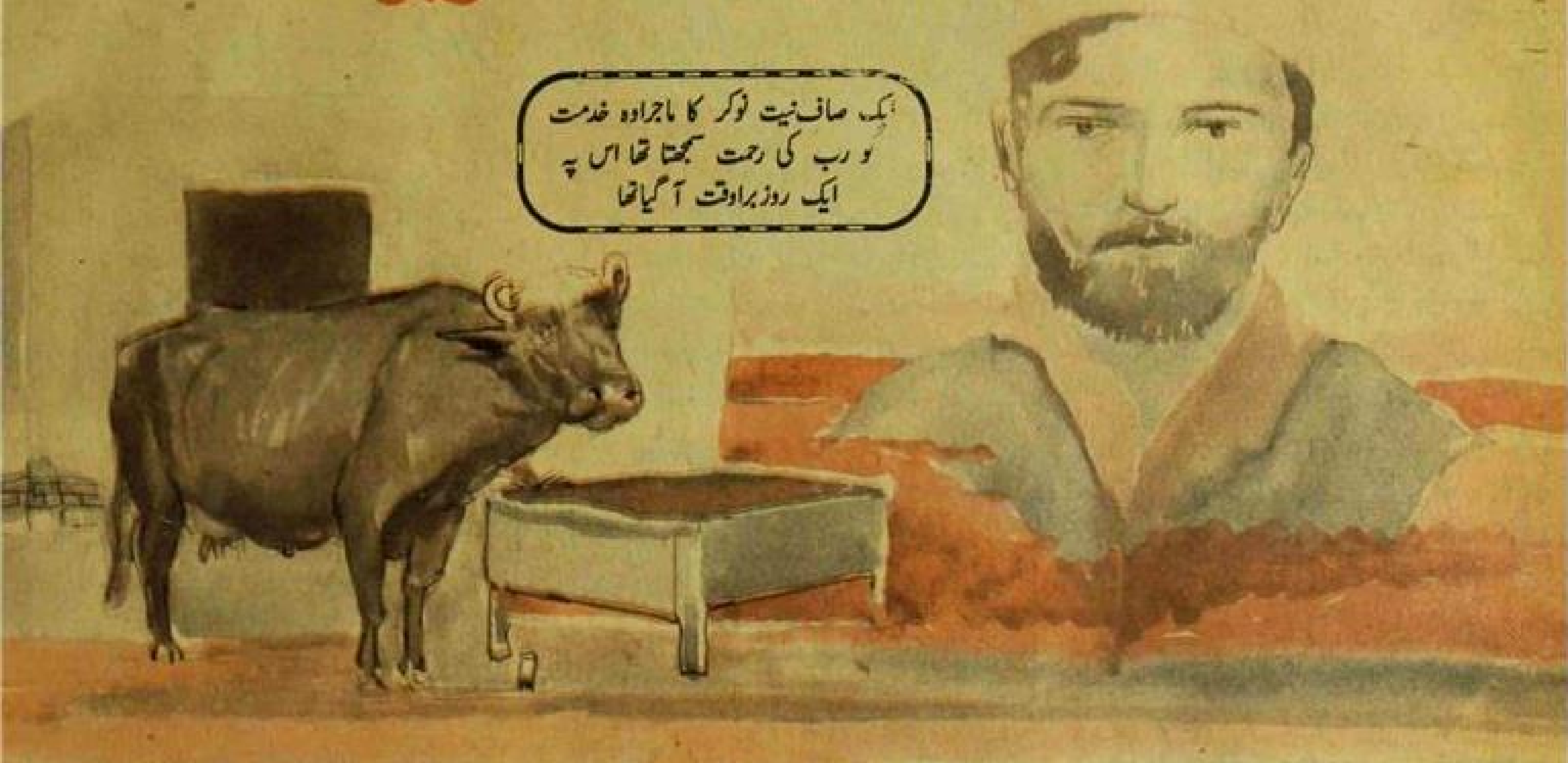
سکرین پر کسی چیز کو ماؤس کے ذریعے پوائنٹ کرنا ایک بنیادی نوعیت کا کام ہے۔ سکرین پر ماؤس پوائنٹر کو حرکت دے کر جب کسی مخصوص جگہ یا چیز پر لایا جاتا ہے تو اصل میں اس چیز کو پوائنٹ کیا جارہا ہوتا ہے اور جس چیز کو پوائنٹ کیا جارہا ہوتا ہے وہ کوئی مینو آبجیکٹ بھی ہو سکتا ہے' کوئی بٹن بھی ہو سکتا ہے اور کسی ڈرائنگ پروگرام کی لائن وغیرہ بھی ہو سکتی ہے۔

کلک کرنا

ماؤس کلک ہی ماؤس کا سب سے اہم کام ہے جس کی مدد سے سکرین پر کسی آبجیکٹ کو سلیکٹ کیا جاسکتا ہے۔ کلک کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلے ماؤس پوائنٹر کو سکرین پر مطلوبہ جگہ کے اوپر لاکر اسے پوائنٹ کیا جائے اور پھر ماؤس بٹن کو اس طرح تیزی سے دبا کر چھوڑ دیا جائے جیسے کسی چیز کو ٹھوکر لگائی جاتی ہے یا جیسے چٹکی بجائی جاتی ہے۔

ماؤس میں اوپر کی جانب دائیں اور بائیں طرف ایک ایک بٹن ہوتا ہے۔ بعض ماؤس ایسے ہیں جن کے درمیان ایک بٹن ہوتا ہے اب نئے ماؤس آئے ہیں جن کے دونوں بٹنوں کے درمیان ہی اسی طرح کا گھومنے والا بٹن ہوتا ہے جس طرح ویڈیو کا والیم بٹن یا ٹیوننگ بٹن ہوتا ہے۔ ایسے ماؤس کو انٹیلی ماؤس کا نام دیا گیا ہے۔ ابھی اس چکر میں پڑے بغیر ہم صرف دائیں اور بائیں ماؤس بٹن کا ذکر کریں گے۔ ان دونوں بٹنوں میں سے کسی ایک کو (ضرورت کے مطابق) چٹکی بجانے کے انداز میں یا کسی چیز کو ٹھوکر لگانے کے انداز میں پریس کر کے فوراً چھوڑ دیا جائے تو اسے کلک کرنا کہتے ہیں۔

باعث تحریر آنکھ



بابر حیات

اسے زندگی میں بس ایک بار محبت ہوئی اور وہی اسے مار گئی۔ پنچائت ہال کے درمیان آگ کا الاؤ جل رہا تھا...... اردگرد گاؤں کے نوجوان بیٹھے تھے اور دادا جی ایک نئی کہانی سنانے جا رہے تھے۔ اب اسے میں کہانی کہوں یا نہ کہوں' فیصلہ مشکل ہے۔ اور پھر اگر مجھے بھول جانے کی عادت ہوتی تو شاید میں اسے کہانی کہہ دیتا۔ مگر یہ سب تو میری آنکھوں کے سامنے ہوا یہ کہانی تو میرے سامنے پلی بڑھی یا یہ کہہ لو کہ میرے ہاتھوں میں پلی بڑھی۔ چودھری رحمت علی کا ملازم تھا وہ نام تھا اس کا دارو...... یہی کوئی 20-25 کے لگ بھگ ہو گا۔ بڑا جی دار جوان تھا...... کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے صاف نیت والا پیدا کیا ہوتا ہے چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ نیت میں بال برابر فرق نہیں آتا جو کام کرتے ہیں من لگا کے کرتے ہیں۔ کام چاہے اپنا ہو یا کسی اور کا۔ اپنا سمجھ کے کرتے ہیں دارو انہی لوگوں میں سے ایک تھا۔ رحمت علی کے ملازم اور بھی تھے جب بھی مجھ سے ملتا ایک شکوہ ساتھ لئے ہوئے ''چودھری کام جانوروں جیسا لیتا ہے اور اجر انسانوں والا بھی نہیں دیتا۔ چوہدرانی تو اس سے بھی آگے ہے روٹیاں بھی گن کے بھیجتی ہے اس کے پسوؤں (جانوروں) کی خدمت کرتے ہیں کمال ہے کبھی دودھ کا گلاس بھی دے دیں۔ خود گوشت سے کم کھاتے ہی نہیں اور ہمیں سکی روٹی' بندہ کبھی مکھن سے چوپڑ بھی دے۔ بس اچار تو جیسے ہمارے لئے ہی ڈالتے ہیں اور فیر چھٹی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہم کو خوشی غمی میں شریک بھی ہونا ہوتا ہے۔ اگر اس کے بس میں ہو تو ہمیں باندھ کے رکھے مال ڈنگر کے ساتھ۔ میں ان کے شکوؤں کو سنتا تھا۔ اور اللہ سائیں سے کہتا تھا کہ مولا ان لوگوں کو تو نے کتنا پیارا بنایا ہے بس تھوڑی سے شکرگزاری بھی دے دے...... دارو ان سب سے الگ تھا۔ ان سب سے جدا تھا...... اس سے جب بھی پوچھتا ''بتا دارو تیرا چودھری کیسا ہے'' کہتا بس خان جی کیا بتاؤں ہمارا چودھری بڑا بیبا بندہ ہے' کبھی فِٹے منہ تک نہیں کہتا اور پھر چوہدرانی بھی بڑی چنگی ہے چودھری کا گھر بنانے والی ہی وہی ہے کھانا اتنا رَج سے کھلاتی ہے کہ جیسے اپنے جنے ہوؤں کو کھلائے۔ بس جی اپنے تو بھاگ جاگ پڑے جو اس گھر میں آئے۔ مولا خوش رکھے ان کو بھاگ لگے رہیں۔ نہ جانے کون سی نیکی کام آ گئی خان جی' وہ سر سے پاؤں تک شکر گزاری میں ڈوبا ہوتا......

اسے دیکھ کر یہ یقین کرنے کو دل کرتا کہ شکوؤں کے لئے تو بہت سی وجوہات ڈھونڈنی پڑتی ہیں شکرگزاری تو کوئی وجہ نہیں مانگتی مال ڈنگر کا وہ اتنا خیال رکھتا تھا کہ کیا کہتا شاید ماں اپنے بچوں کا بھی اتنا خیال نہیں رکھتی جتنا وہ رکھتا تھا۔ ہمیشہ کہتا تھا ''اللہ جس سے خوش ہوتا ہے اس کو اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ یہ مال ڈنگر تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں اب خوش قسمت تو ہم بھی ہوئے نہ کہ اس رحمت کا خیال رکھتے ہیں۔ شاید اسی رحمت کے صلے میں مجھے میرا رب میرے من کا سکون دے دے اب اس کے مہربان ہوتے دیر تھوڑی لگتی ہے'' ایک دن وہ میرے پاس بڑا خوش آیا تھا انگ انگ سے خوشی کی جھلک نظر آ رہی تھی میں نے پوچھا ''دارو کیا بات ہے آج تو بڑا خوش ہے'' خان جی بات ہی ایسی ہے وہ اپنے چودھری جی پر اللہ نے اپنی رحمت اور بڑھا دی ہے ایک بھینس اور شامل ہو گئی ہے چودھری جی فیصل آباد سے لائے ہیں خان جی بڑی سوہنی ہے بس سچا موتی ہے۔ مال ڈنگر پہلے

بھی بڑے سوہنے تھے مگر اس کا کیا کہنا۔ چمڑا چمکتا ہے جیسے ریشم ہو آنکھیں تو شرابی لگتی ہیں بس خان جی اللہ نے بڑے دھیان سے بنائی لگتی ہے۔ وہ نئی بھینس کی ایسے تعریف کر رہا تھا جیسے کوئی اپنی محبوب چیز کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتا ہے۔ اس نے مجھے خریداری رسید بھی دکھائی تھی۔

پہلے وہ ہر روز پنچائت ہال میں مجھ سے ملنے آ جایا کرتا تھا لیکن جب سے نئی بھینس آئی تھی آنا کم ہی ہو گیا۔ لیکن جب بھی آتا اس کی تعریفیں لئے ہی آتا خان جی بڑی اصیل ہے سادھو ہے کبھی تنگ نہیں کرتی کھان پین کے معاملے میں بھی نخرہ نہیں کرتی اور پھر اب تو وہ میری باتیں بھی سمجھنے لگی ہے میرے ہاتھ لگ گئی ہے اور پھر دودھ بھی اتنا دیتی ہے کہ خوش کر دیتی ہے چودھری جی بھی بڑے راضی ہیں کہہ رہے ہیں کہ بڑی دیر بعد ایسا سچا مال دیا ہے اوپر والے نے بس اللہ بڑی عمر کرے اس گانیاں والی کی۔ آج سے اس نے اسے گانیاں والی کہنا شروع کر دیا تھا۔

ایک دن شام کے وقت نہر سے مال ڈنگر کو پانی پلا کر آ رہا تھا گانیاں والی سب سے پیچھے تھی اور دارو اس کے ساتھ ساتھ گیت گاتا آ رہا تھا۔

مل گئی اے شام دی بانگ مجھیاں جلدی ٹرو
ساتوں ماہی دے ملنے دی تانگ مجھیاں جلدی ٹرو

(شام کی اذان ہو گئی ہے اے بھینسوں جلدی چلو کیونکہ مجھے اپنے محبوب سے ملنے کی چاہ ہے)

دارو کیا حال ہے تیری گانیاں والی کا۔ خان جی خود بھی خوش ہے اور ہمارا بھی دل لگایا ہوا ہے وہ ایسے دکھائی دیتا تھا کہ جیسے اسے کوئی خزانہ مل گیا ہو......

مجھے کچھ عرصے کے لئے چشتیاں جانا پڑا واپس آیا تو اس سے پھر ملاقات ہوئی کہنے لگا۔ "خان جی اب تو میری باتیں بھی سمجھتی ہے اور پھر میرے سوا کسی سے چارہ نہیں کھاتی شام کو میں روٹی کھاؤں تو چارہ کھاتی ہے میرے سوا کوئی دودھ دوہے تو برا مناتی ہے بس اب تو وہ میری ہے اور میں اس کا" آج مجھے وہ پاگل لگ رہا تھا بھلا ایک انسان اور بھینس کا کیا مقابلہ اب ایسی بھی اس میں کیا بات کہ دارو اپنا سب کچھ ہی بھول گیا۔ پھر مجھے پہلی بار ایسا لگا کہ وہ جھوٹ بھی بولتا ہے اب ایک جانور کیسے ایسے کر سکتا ہے میرے بغیر چارہ نہیں کھاتی میرے بغیر دودھ نہیں دیتی۔ اب ان باتوں پہ کوئی یقین کرے تو کیسے کرے میں تو ابھی ان باتوں کو ہضم کر نہیں پایا تھا کہ اگلے دن وہ پھر آ گیا۔ خان میرا ایک کام کرو گے مجھے نہ گانیاں والی سے محبت ہو گئی ہے یہ میرے پاس اس کی خریداری رسید ہے آپ پڑھے لکھے ہو نمبردار ہو۔ میں اس کے ساتھ جینا مرنا چاہتا ہوں بس میرا نام اس کے نام کے ساتھ جوڑ دو۔ اس بار تو اس نے صرف حیران نہیں بلکہ پریشان بھی کر دیا تھا۔ اب یہ بھی کوئی کرنے والی بات ہے پاگل پن کی انتہا ہو گئی نہ۔ میں نے اسے سمجھایا پاگل تو انسان اور وہ مال ڈنگر یہ تو کیا بات کر رہا ہے کوئی بندوں والی بات کرو یہ کیسے ہو سکتا ہے اور پھر تم کیا ہو اور وہ کیا خان جی میں اور وہ ایک ہی تو ہیں۔ بس اب تو سینگ آنے کی دیر ہے۔

اب کے میں نے اسے پاگل قرار دے دیا تھا کچھ دن میری اس سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اگلی بار آیا تو رونے لگ پڑا خان جی برا ویلا آ گیا۔ اوپر والا بھی کیسے کیسے آزماتا ہے وہ چودھری جی ہیں چودھری جی وہ انکے ایک یار آئے ہیں چشتیاں سے ...... ان کو گانیاں والی بڑی پسند آئی اور اپنے چودھری جی نے ان کو دے دی ہے کل جا رہی ہے گانیاں والی اب خان جی آپ کو پتہ ہے وہ مجھ سے اور میں اس سے کتنی محبت کرتا ہوں یہ روحوں کا پیار ہے اور چودھری جی اسے اتنی دور بھیج رہے ہیں۔ میں کروں بھی تو کیا کروں"

مجھے اس پر ترس آ رہا تھا وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ ہوکے لے لے کے آنسو رک نہیں پا رہے تھے میں نے اس کو حوصلہ دیا "دارو بچوں جیسی باتیں نہیں کرتے اب ایک بھینس ہی ہے وہ ان کو پسند آ گئی وہ لے کے جا رہے ہیں کوئی اور آئے گی تو تمہارا دل لگ جائے گا۔ بس چند دنوں کی بات ہے...... سب ٹھیک ہو جائے گا"

وہ بولا "سب ٹھیک کیسے ہو جائے گا یہاں تو سب بکھر گیا...... کوئی اور اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ گانیاں والی تو ایک ہی ہے۔ بس اوپر والا آزماتا ہے مرضی ہے اسکی۔ ہم کیا کر سکتے ہیں بس مالکا تیرا شکر ہے پھر بھی تیرا شکر ہے"

وہ جا رہا تھا آج وہ جا رہا تھا لیکن پہلی بار اسکی آنکھوں میں شکوہ تھا۔ شاید میرے لئے تھا کہ اس کا خیال تھا کہ شاید میں اس کے جذبات کو صحیح سمجھتا ہوں مگر میں نے تو وہی حوصلے کے کھوکھلے الفاظ دیئے تھے یہ توقعات بھی بڑی ظالم ہوتی ہیں پوری نہ ہوں تو جان کو لگ جاتی ہیں اس کی گانیاں والی جا چکی تھی اور وہ بھینسوں کے باڑے کے پاس کھڑا اُداس رہتا تھا۔ باقی ملازم کھڑے ہنس رہے تھے شاید میں بھی ہنس دیتا لیکن میں اسکی ساری توقعات ختم نہیں کرنا چاہتا تھا اب دارو وہ دارو رہا ہی نہیں تھا نہ وہ چہرے پر مسکراہٹ تھی نہ وہ جذبے بس صبح سے شام تک بھینسوں کے باڑے میں ہی رہتا تھا۔ ایک دن اس سے ملنے کو دل چاہا باہر چارپائی پر بیٹھا وہی گیت گا رہا تھا۔

"مل گئی اے شام دی بانگ"

میں نے اس کو غور سے دیکھا اٹھ کر کھڑا ہو گیا "آؤ خان جی بیٹھو" دارو تو آیا نہیں کتنے دن ہو گئے۔ بس خان جی اب کیا آنا کیا جانا۔ گانیاں والی تو گئی اب تو کچھ بھی نہیں رہا...... نہ میں نہ وہ پتہ نہیں کس حال میں ہو گی۔ اللہ اس کو بھی خوش رکھے اور اس کے مالکوں کو بھی۔ بس ہمیں ایک بات سکھا گئی وہ گانیاں والی ایک گانیاں والے کا پتا بتا گئی۔

اب تو اسی کے پاس جا کے اپنی گانیاں والی کی بات ہو گی"

اس بار مجھے اس کی بات کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ ایک بار دل چاہا تھا کہ حوصلہ دوں مگر میں نے اپنے الفاظ کسی اور وقت کے لئے سنبھال رکھے ایک ضروری کام سے دوبارہ چشتیاں جانا پڑا سوچا کیوں نہ دارو کی گانیاں والی کا پتہ کرتا چلوں۔ وہاں پہنچ کر اس کے بارے میں پوچھا تو ہوش ہی اڑ گئے۔ ایک عجیب سی خبر تھی۔ واپس آیا تو دارو بھاگتا ہوا آیا۔ خان جی سجنوں کے دیس سے آئے ہیں کیا خبر لائے ہیں اسکی۔ میرے ساتھ صرف شرمندگی تھی حوصلہ بھی نہیں پڑ رہا تھا بہت کوشش کے بعد حوصلہ اکٹھا کیا "وہ دارو...... وہ دارو بات دراصل یہ ہے کہ تیری گانیاں والی وہ مر گئی"

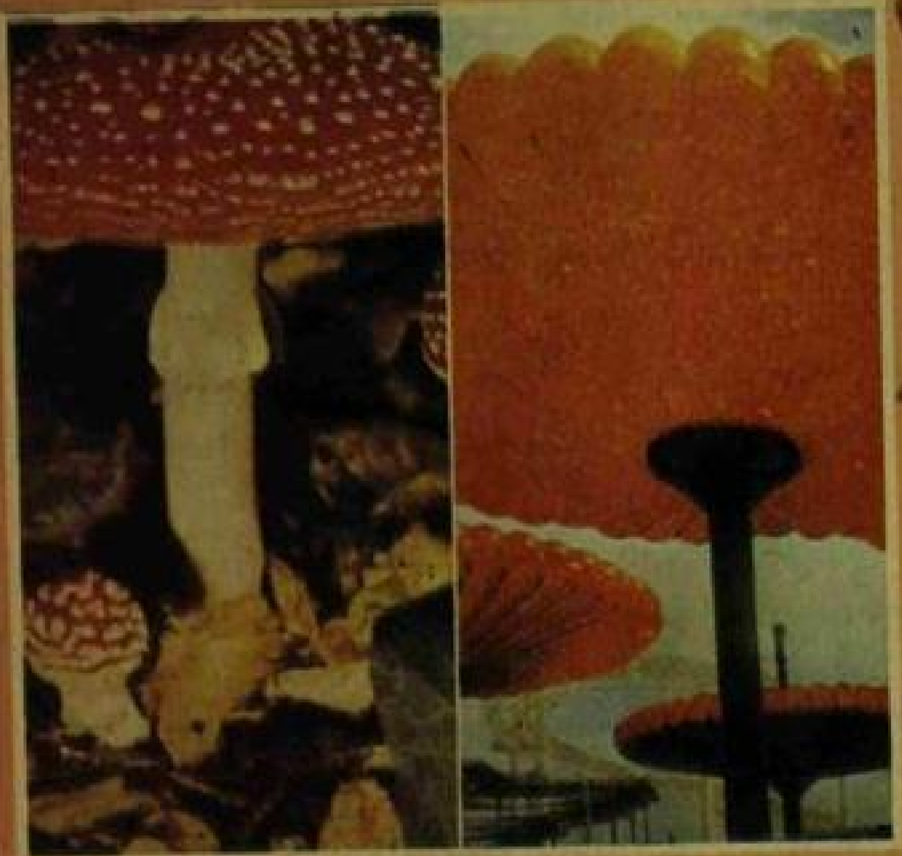
"کیسے"

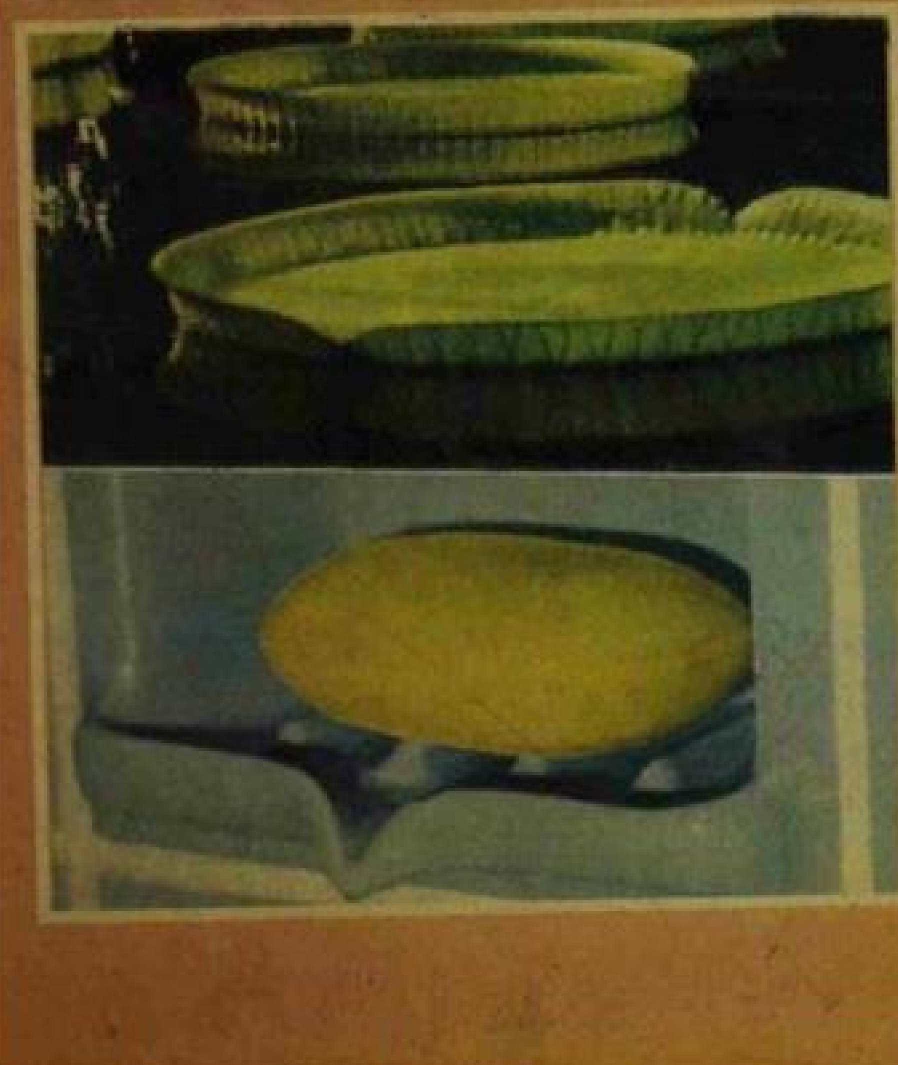
"وہ اس نے وہاں جا کر چارہ ہی نہیں کھایا"

"حق!" اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور بولا "واہ گانیاں والے تیرا کیا کہنا۔ واہ"

بس پھر وہ بھی وہ بھی چلا گیا۔ اپنی گانیاں والی کے پاس۔ آج اسکو دفنا کے واپس آ رہے تھے تو مجھے وہ خریداری رسید یاد آ رہی تھی جو دارو میرے پاس لیکر آیا تھا "باعث تحریر آنکہ۔ ایک راس بھینس، رنگ بھورا، سینگ کنڈے......







باتیں سائنس کی

یہ ایجاد کہاں سے آئی؟

اکثر انسانی ایجادیں قدرت ہی کے اصولوں کی نقل ہیں

کسی نے کیا سچ کہا ہے

Nature hold lead over the much praised inventive genius of man

انسان اپنی بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں کے باوجود فطرت کی حیران کر دینے والی ایجادات سے بہت پیچھے ہے اور کچھوے کی چال میں ان سائنسی اصولوں کو استعمال کر رہا ہے کہ جن کو صدیوں پہلے فطرت (نیچر) استعمال کر چکی ہے۔ مثال کے طور پر دیو دار لِلی (giant water lily) کے پتے بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ اس کے پتے بہت ہی انوکھے انداز سے پانی کی سطح پر تیرتے ہیں۔ اور یہ کئی ملین سال پہلے ہوا۔ اس اصول پر انسان [illegible] بنائی جو کہ پانی کی سطح پر تیر سکتی ہے۔ آج ہم آپ کو چند ایسے پودوں کی مثالیں بتائیں گے اور دکھائیں گے کہ جن کے اصولوں کو استعمال کر کے انسان نے بہت مفید ایجادات کیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ہمیں قدرت کے مشاہدے کی بار بار دعوت دیتا ہے۔ اس کی بنائی ہوئی اشیاء سے سیکھتے ہوئے سائنس دان بہت جلد اپنے مقاصد بڑی آسانی سے حاصل کر لیتے ہیں اور اب کوشش کی جا رہی ہے کہ نیچر کی مشینی ساخت کی نقل کی جائے اور بالکل اس جیسی ہی چیزیں بنائی جائیں۔ نیچر سائنس کے تمام میدانوں میں ایک استاد کی حیثیت حاصل کر سکتی ہے۔

ٹوسٹ ڈرل

اس تصویر میں آپ کو ایک طرف تو ڈرل مشین نظر آ رہی ہے اور دوسری طرف گھاس کا ایک بیج نظر آ رہا ہے۔ ان دونوں کے درمیان ایک سائنسی تعلق ہے ارے اس میں حیران ہونے والی کون سی بات ہے۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ڈرل مشین اور گھاس کے ایک چھوٹے سے بیج میں کیا تعلق ہو سکتا ہے تو جناب یہ تعلق اس اصول کا ہے کہ جس کے تحت دونوں کام کرتے ہیں۔ بیج کے اوپر آپ کو پرنما ایک ڈنڈی نظر آ رہی ہوگی۔ جب ہوا چلتی ہے تو اس کی طاقت سے یہ ڈنڈی ایک قوت کے ساتھ گھومتی ہے اور ڈرل مشین کی طرح بیج زمین میں گھستا چلا جاتا ہے۔ اور پھر نمی حاصل کر کے ایک ننھے پودے کی صورت میں زمین سے سر اٹھا لیتا ہے۔

کھمبی اور چھتری

ساتھیو! آپ میں سے بہت سوں نے برسات کے موسم میں درختوں کے نیچے یا بہت گیلی جگہوں پر چھتری نما پودے دیکھے ہوں گے۔ انہیں کھمبیاں کہا جاتا ہے۔ کچھ لوگ انہیں پکا کر کھاتے ہیں مگر کچھ کھمبیاں بہت زہریلی بھی ہوتی ہیں جس کے کھانے سے انسان کی موت واقع ہو سکتی ہے۔ اس لئے احتیاط لازم است کھمبی کو اگر غور سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ وہ تو بالکل چھتری کی طرح ہوتی ہیں۔ یعنی قدرت نے بہت عرصہ پہلے چھتری کا نمونہ انسان کو دے دیا۔ اب ہم اور آپ بارش اور دھوپ دونوں سے اپنا بچاؤ چھتری کی مدد سے باسانی کرتے ہیں۔ اور گھر سے باہر بغیر کسی مشکل کے نکل سکتے ہیں۔

واٹر للی+ سوپ ڈش

ارے وہ سبز رنگ کی کتنی خوبصورت پلیٹیں نظر آ رہی ہیں۔ مگر نہیں یہ تو کچھ اور ہی ہے جناب یہ واٹر للی کے خوبصورت پتے ہیں۔ اس کے نیچے ایک سوپ ڈش میں صابن پڑا ہوا ہے۔ صابن ہر ایک کی ضرورت ہے سوپ ہو اور سوپ ڈش نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جناب پریشان نہ ہوں میں سوپ اور سوپ ڈش کی مشہوری نہیں کر رہی۔ بلکہ آپ کو ایک ایسی واٹر للی کے بارے میں بتا رہی ہوں کہ جس کے پتوں کے کنارے اوپر کی طرف اٹھے ہوتے ہیں تاکہ وہ ایک دوسرے کے اوپر نہ چڑھ سکیں۔ اس طرح وہ بالکل پلیٹ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ مگر یہاں ایک اور مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ بارش کے دوران پانی ان پلیٹ نما پتوں میں جمع ہو کر ان کے ڈوبنے کا سبب بھی تو بن سکتا ہے۔ مگر جناب نیچر بہت سمجھ دار ہے۔ اس نے پانی کا نکاس ایک over flow کی صورت میں بنا دیا ہے۔ اب جیسے ہی پانی ایک خاص مقدار سے زیادہ جمع ہوتا ہے وہ اس نکاس کے ذریعے باہر نکل جاتا ہے۔ بالکل یہی اصول سوپ ڈش میں اپنایا جاتا ہے تاکہ پانی کھڑا ہونے کی وجہ سے صابن گل نہ جائے۔ اس طرح وہ زیادہ عرصے تک استعمال ہو سکتا ہے۔



کوئی برا کہے یا کرے اسے معاف کر دیں

ریڈیو پاکستان ایف ایم 101 کی کنٹرولر عبیدہ سید پھول فورم میں

رپورٹ: آمنہ اعظم

بچے کی زندگی کئی مراحل سے گزرتی ہے 2 سال کے بعد کی عمر بچے کی خوبصورتی اور حسن اچھی غذا کا ثمر ہوتا ہے۔ 20 سال کے بعد اسکی خوبی اچھی بول چال اور اچھی ورزش کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جبکہ 40 سال اور اس کے بعد کی ساری زندگی کی خوبصورتی اور حسن اس کے علم اور اس پہ عمل کے باعث ہوتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار اس دفعہ پھول فورم میں ریڈیو

اچھائی جہاں نظر آئے اپنا لینی چاہئے

پاکستان 101 کی ڈپٹی کنٹرولر "عبیدہ سید" نے کیا۔
عبیدہ سید نے کہا کہ میں بچوں سے بڑی مانوس ہوں اسی لئے میں ابھی تک اندر سے بچہ ہی ہوں۔ میں کسی سے جلتی نہیں اور نہ ہی سڑتی جلتی ہوں۔ میں جلدی روٹھتی بھی نہیں اور جلدی مان بھی جاتی ہوں۔ شک بھی نہیں کرتی اور دوسروں پر الزام بھی کم دھرتی ہوں۔ اپنی ناکامیوں کو آسانی سے مان لیتی ہوں۔ غلطیوں پہ سوری کر لیتی ہوں۔ دوسروں کی خوبیوں کو تسلیم کر لیتی ہوں۔ یہی معصوم بچے کا حسن ہوتا ہے اور قدرت نے مجھے اس سے محروم نہیں کیا۔

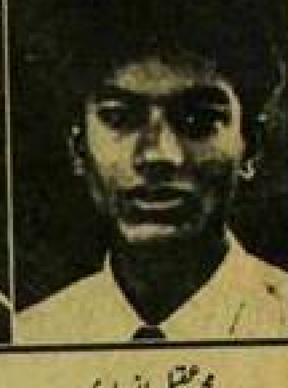


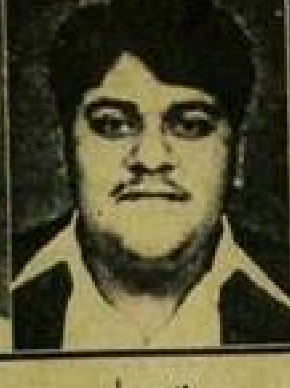
میری زندگی کے کچھ اصول ہیں
☆...... اصول محبت
I LIVE IN LOVE I WANT TO LOVE AND BE LOVED اور مجھے اس بات پر یقین ہے کہ دوسروں سے بے غرض محبت کی جائے تو بے انتہا محبت ملتی بھی ہے۔

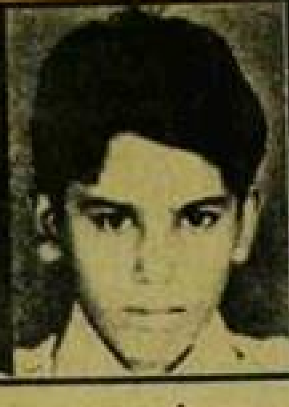
☆...... اگر کوئی آپ کو برا کہے اور نقصان پہنچائے تو اس کو معاف کر دیں...... اللہ جی ہی سارے فیصلے کرتے ہیں۔ دوسروں کے رویوں سے ہم اکثر پریشان رہتے ہیں تو اگر ہم راضی بر رضا ہو جائیں اور یہی سوچ لیں کہ اللہ جی خود ہی اس کو سمجھا اور سکھا دیں گے مجھے بدلا لینے یا سڑنے کڑھنے کی کیا ضرورت ہے تو پھر پریشانی نہیں رہتی زندگی آسان اور سہل ہو جاتی ہے۔

☆...... زندگی میں سب لوگوں سے ملیں یہ نہ سوچیں اور ڈھونڈیں کہ صرف اچھے لوگ کونسے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ ہر شخص میں کوئی نہ کوئی اچھائی ضرور ہوتی ہے بس کریں کہ کسی میں بھی کوئی اچھائی یا خوبی دیکھیں تو فوراً اسے اپنی ذات کا حصہ بنا لیں۔ عبیدہ سید نے کہا پھول سے میرا بہت پرانا تعلق ہے۔ اس کے

باقی صفحہ نمبر 19 پر


محمد عقیل انصاری


غلام رسول


فہد امتیاز


عمران الحق


طیب الرحمٰن


قاضی وقاص احمد


محمد عرفان

روشنیوں سے بھرا سال دامن میں اترا

مرتب: منصور فائز

سالگرہ کا لفظ سن کر ایک رنگ برنگی تقریب اور بڑا سا کیک فوراً نظروں کے سامنے گھومنے لگتا ہے۔ مگر ایسی سالگرہ پر چونکہ خرچ خوب اٹھتا ہے اور سبھی بچے نہیں منا سکتے۔ اس لئے کیا خیال ہے کہ آپ کا ایک متبادل طریقہ بتلائیں۔

کیک پر خرچ ہونے والے پیسے بچائیں اور امی سے کوئی کھانے کی چیز تیار کروائیں، بہت سارے لوگوں کو بلانے کی بجائے اپنے پیارے پیارے دوستوں کو بلایئے۔ اور اپنی سالگرہ کی اطلاع تحریری طور پر ضرور دیں۔ تاکہ وہ خالی ہاتھ آنے کی بجائے اس عرصے میں آپ کے لئے کوئی خوبصورت کارڈ تیار کریں۔ اپنے جیب خرچ کے مطابق۔ آپ کو یاد ہے دنیا کے سب سے پیارے انسان حضرت محمد ﷺ نے فرمایا تھا تحفہ دینے سے محبت اور دوستی بڑھتی ہے۔ سالگرہ والے دوست کو کارڈ اور تحفے کے ساتھ محبت اور خلوص بھری دعا ضرور دیں۔ اللہ کے حضور اس کی کامرانی اور کامیابی کے لئے دعا کریں۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں آپ کے دوست کا دل خوشیوں سے بھر دیں گی۔ اچھا ایک اور بات، ضروری نہیں سالگرہ میز سجا کر اور موم بتیاں جلا کر منائی جائے۔ اسے لان میں بیٹھ کر کسی پکنک کے سے انداز میں بھی منا کے دیکھیں۔ آپ ساتھیوں کو سالگرہ کی بہت مبارک۔ اچھی دعاؤں کے ساتھ آپ سب کو 10 تاریخ 11 بجے پھول فورم میں اچھی شخصیت سے ملنے کا موقع اور بہت کچھ سیکھنے کا بھی۔ خصوصاً آپ کے لئے اور پیاری سی بات جو مرضی شوق اپنایئے۔ لیکن اس میں اچھی کتب کے مطالعے کا شوق بھی رکھیئے۔ کیونکہ اس سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ جو ہر پل کام آتا ہے۔

☆ میر اسد عباس زیدی P/B 832 بہاولنگر۔ برتھ ڈے یکم دسمبر 1974ء ان کے مشاغل میں سوشل ورک شامل ہے۔ واہ تو پھر دیر کس بات کی۔ انجمن بیروزگان کے لئے بھی کوئی ورک کریں۔ سوشل کا سوشل ورک کا ورک۔ ویسے ان دنوں بہاولنگر کلب کے صدر ہیں مگر ٹھنڈے ٹھار۔ لگتا ہے صدارت پر آنے والا سال بھاری ہوگا۔

☆ محمد رمضان P/B 838 بہاولنگر برتھ ڈے 3 دسمبر 1982ء۔ یہ کرکٹ کھیلنے کا شوق رکھتے ہیں۔ جلدی سے بتایئے سر سے اوپر جانے والی بال نو بال ہوتی ہے یا سر میں لگنے والی۔

> کارپوریشن کو چھاپے اٹھانے سے فرصت نہیں ہے
>
> جو پنسل تراشتے ہوئے ٹوٹتے ہیں

☆ حاجی غلام رسول۔ P/S 1409 شیخوپورہ برتھ ڈے 3 دسمبر یہ اچھی کتب کا مطالعہ کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ پھر تو ایک کتاب ہم بھی بتا دیتے ہیں اپنے تنویر حسین صاحب کی مزاح بخیر۔ کیونکہ بقول ان کے یہ کتاب بھی بہت اچھی ہے۔

☆ محمد عمران۔ P-654 لاہور۔ برتھ ڈے 5 دسمبر 1970ء۔ ان کے مشاغل میں سوشل ورک ہے۔ اور یہ مستقبل میں بھی سوشل ورکر بنا چاہتے ہیں۔ ارے میاں مستقبل میں کیوں ابھی سے بن جاؤ محلے کی صفائی کمیٹی بناؤ۔ کیونکہ کارپوریشن کو چھاپے اٹھانے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔

☆ طیب رضوان P/P 1253 پھالیہ۔ برتھ ڈے 5 دسمبر یہ کرکٹ کھیلنے کا شوق رکھتے ہیں اور پڑھنے کا بھی۔ ویسے یہ نہیں لکھا سکول کی کتابیں یا عمرو عیار اور ٹارزن کی کہانیاں۔

☆ جہانزیب عزیز۔ P/J-969 جھنگ۔ برتھ ڈے 7 دسمبر 1986ء۔ انہیں تاریخی مقامات کی سیر کا شوق ہے۔ اور ساتھ میں سکے جمع کرنے کا بھی۔ بھئی سکے کونسے۔ وہ جو مختلف ممالک کے ہوتے ہیں یا جو پنسل تراشتے ہوئے ٹوٹتے ہیں۔

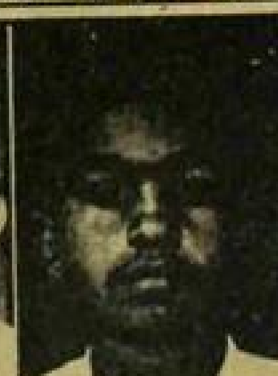
☆ فہد امتیاز۔ P/M 1556 ملتان۔ برتھ ڈے 9 دسمبر 1986ء۔ یہ بھی کرکٹ کھیلنے کا شوق رکھتے ہیں۔ ارے اللہ کے بندوں کوئی ڈھنگ کا کام کرنے کا بھی شوق پال لیا کرو۔

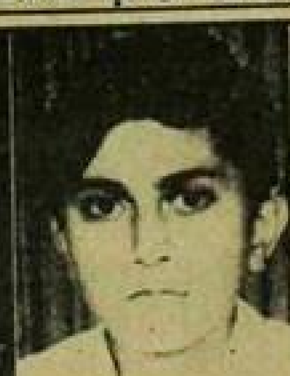
☆ محمد افضل P/S 881 صادق گنج۔ برتھ ڈے 10 دسمبر 1983ء۔ یہ تاریخی کتب پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں۔ مستقبل میں کتابوں کا دکاندار بننا چاہتے ہیں۔ پبلشر بننے کا سوچو تو بہتر ہے۔ کچھ تاریخ دانوں کا بھلا تو ہوگا۔

☆ ضیاء اللہ۔ P/L 1100 لاہور۔ برتھ ڈے 10 دسمبر 1971ء۔ یہ صرف پرانی ٹکٹیں جمع کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ کیا نئی ٹکٹیں جمع کرنے پر پابندی ہے۔

☆ محمد عرفان۔ P/M 1016۔ برتھ ڈے 11 دسمبر 1986ء۔ یہ پھول کے مطالعے کا شوق رکھتے ہیں۔ واہ بھئی اپنے ہی بھائی بندے لگتے ہو۔

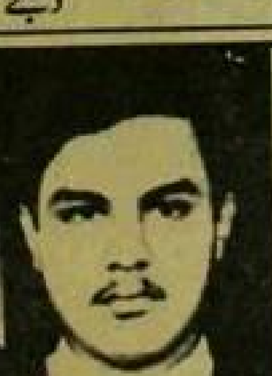
☆ قاضی وقاص احمد۔ P/S 1301 شیخوپورہ۔ 11 دسمبر 1980ء۔ ان کے مشغلے میں آج کل صرف کاروبار شامل ہے۔ واہ کیا مشغلہ ہے۔ بھئی اللہ برکت دے۔ اب کہہ دیجئے "آمین"

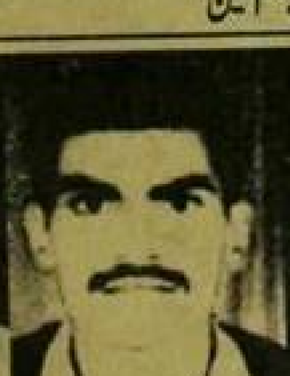

محمد رمضان

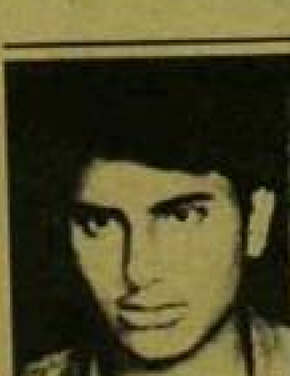

محمد طیب

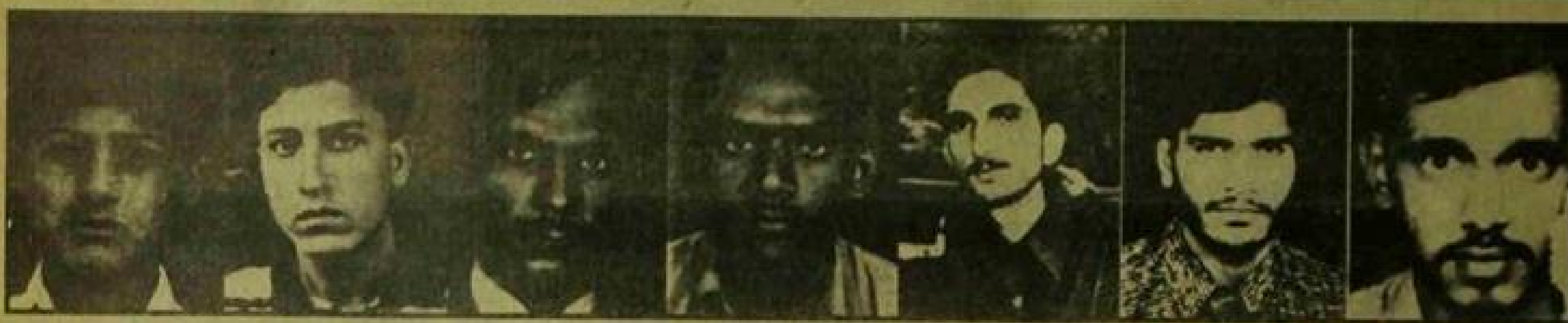

جاوید اقبال


محمد طاہر علیم


غلام رضا


شاکر الرحمٰن


جعفر علی



محمد الطاف بھٹی — ضیاء اللہ — سید اسد عباس — عدنان یونس — کاشف بخاری — سید کامران رضا — محمد ہارون

☆ ادا نسیم الحق زاہدی۔ 406؛ P/Q قصور۔ 11 دسمبر 1982ء۔ یہ قلمی دوستی کا شوق رکھتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو اگر کتاب دوستی کا شوق ہوتا۔

☆ محمد عثمان خان P/M 671 ملتان۔ 12 دسمبر 1985ء۔ یہ سکول کا کام کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ واہ بھئی میاں۔ شوق بھی تو کیا۔ لیکن ہمارے لئے یہی کام مصیبت ہوتا تھا۔ اب کیا کہوں۔ بس یہی کے خوش رہو۔ اور مشغلے میں مزید نکھار آئے۔

☆ محمد عتیق اشرف۔ P/OK 1426 اوکاڑہ۔ برتھ ڈے 12 دسمبر 1989ء۔ یہ کھیلنے کا شوق رکھتے ہیں۔ پڑھنے کا بھی کوئی شوق رکھیں تو اس میں فائدہ کہیں زیادہ ہے۔

☆ حافظ محمد عمران ضیاء۔ 723 P/B منڈی بہاؤالدین۔ یہ باغبانی کا شوق رکھتے ہیں۔ آپ مزید محنت کریں تو مستقبل میں نرسری کا کام بھی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ بہت پیارا کام ہے۔ روزی کی روزی۔ اور خوشبو کی خوشبو۔

☆ محمد ہارون۔ 1191 P/M ملتان۔ 13 دسمبر 1986ء۔ ان کے مشاغل بھی زیر تعلیم ہیں۔ زیر تعلیم۔ کیا آپ کے ہاں کوئی سکول کھل گیا ہے۔ ایسا ہے تو ہمیں بھی بتائیے۔ ہمارے ایک دوست کو شاعری کا بہت شوق ہے۔ لیکن سامعین ہی راضی نہیں ہوتے۔ شاید ان کا بھلا ہی ہو جائے۔

☆ دائم محمد ہاشمی 972 P/L۔ 20 دسمبر 1986ء۔ یہ ٹی وی دیکھنے کا شوق رکھتے ہیں۔ اور اچھا انسان بننے کا بھی۔ ویسے تو یہ دونوں شوق متضاد ہیں پتہ نہیں آپ کیسے نبھاتے ہیں۔

☆ سید کامران رضا۔ 60 -P بہاول پور۔ 21 دسمبر 1979ء۔ یہ باڈی بلڈنگ کا شوق رکھتے ہیں۔ اب پتہ نہیں مشق کرتے ہوئے خالی پائپ استعمال کرتے ہیں یا ساتھ میں ایک دو پلیٹیں بھی لگا لیتے ہیں۔

پیج بنانے کا بھی سوچ لو تو بہتر ہے

کچھ تاریخ دانوں کا بھلا ہی ہو جائے گا

☆ محمد اطہر 931 P/M۔ ملتان۔ 21 دسمبر 1979ء۔ یہ فون پر اچھے دوستوں سے گفتگو کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ صرف دوستوں سے پتہ نہیں کیا سلوک کرتے ہیں۔

☆ عرفان یونس آر۔ P/B بہاول نگر۔ 22 دسمبر 1982ء۔ یہ کرکٹ کھیلنے کا شوق رکھتے ہیں۔ یعنی ہم مستقبل میں ایک اچھے کرکٹر کی امید رکھیں۔

(1979ء۔) یہ آٹو گراف لینے کا شوق رکھتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست ہیں۔ ماشاءاللہ سے لکھاری بھی ہیں۔ انہیں آٹو گراف دینے کا بہت شوق ہے۔ اگر آپ مشکل حل کر دیں تو کیسا ہے۔ چلو کسی کا بھلا تو ہو۔

☆ محمد عقیل انصاری 1414 P/M ملتان۔ یہ شعر و شاعری کا شوق رکھتے ہیں۔ اک شاعر تھا اسے ضرور پڑھا اتفاق ہوگا۔ کیا بھلا سا نام تھا۔ ہاں یاد آیا۔ مرزا اسداللہ غالب۔

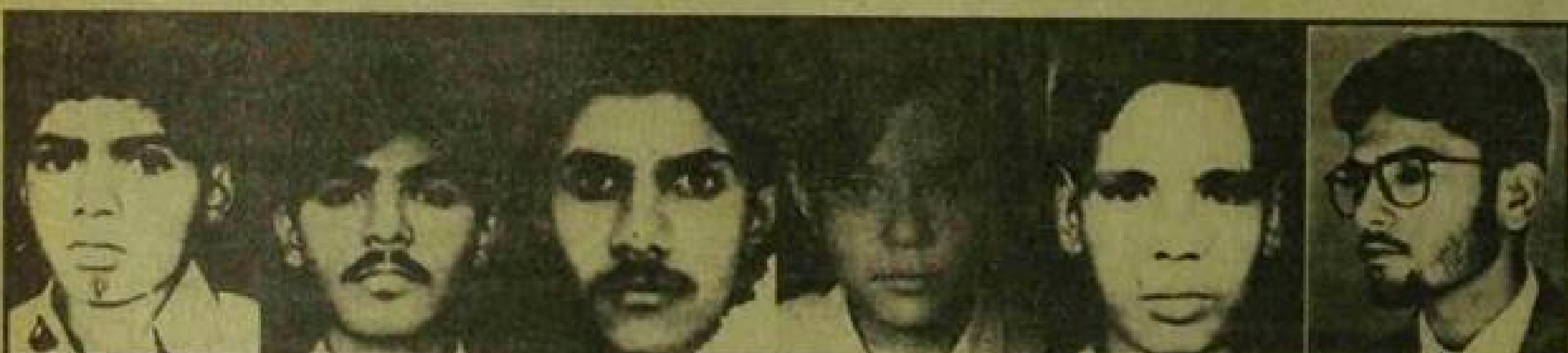
☆ محمد طیب جلیل 840 P/B بہاولنگر۔ 26 دسمبر 1986ء۔ یہ مطالعہ کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ دو بڑی پیاری سی کتابیں ہیں ضرور پڑھو۔ پیارے سے نام۔ ایک۔ ٹھینک یو اللہ میاں۔ اور دوسری دو آنسو۔

☆ مبشر علی نعیم 1431 P/K۔ 29 دسمبر 1984ء۔ یہ پھول پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں۔ یعنی کچھ نہ کچھ سیکھنے کا عمل جاری ہے۔

☆ ارشد نثار 1182 P/O اوکاڑہ۔ 31 دسمبر 1982۔ یہ ناول پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں۔ مظہر کلیم کو تو لازمی پڑھا ہوگا۔ ہاں صرف پڑھنے تک ہی محدود رہنا کہیں جاسوسی کا شوق ہی نہ پیدا ہو جائے۔

☆ عبدالباسط نثار P-199۔ 31 دسمبر یہ بھی مطالعہ کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ ایک بات بتاتا چلوں۔ کتابیں صرف پڑھنے کے لئے ہی نہیں ہوتیں بلکہ سیکھنے کے لئے بھی ہوتی ہیں۔

☆ خبیب الرحمن۔ 836 P/B بہاول نگر۔ 16 دسمبر 1986ء۔ یہ بھی باغبانی کا شوق رکھتے ہیں اور ساتھ میں کرکٹ کا۔ اب پتہ نہیں پودوں کا کیا حشر ہوتا ہوگا۔



محمد عمران ضیا — مبشر علی — محمد عتیق — طاہر محمود — عبدالباسط — جہانزیب

☆ محمد طاہر عظیم چوہدری۔ 198 -P بہاولنگر۔ انہیں سنوکر کھیلنے کا شوق ہے۔ شکر ہے بلیرڈ کی کوئی گیم تو لکھی۔ نہیں تو کئی دوست لکھتے کہ ہمیں بلیرڈ کھیلنے کا شوق ہے۔ اب پتہ نہیں چلتا۔ پول، سنوکر، یا چیک۔

☆ سید غلام رضا بخاری۔ 33 -P چکوال۔ 20 دسمبر 1977ء۔ یہ کتابیں جمع کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ تھوڑا سا اضافہ اور کر لو کہ ان کتابوں کو پڑھنے کا بھی۔

☆ محمد آصف صمدانی۔ 1538 P/O اوکاڑہ۔ برتھ ڈے 22 دسمبر 1981ء۔ یہ اچھے لوگوں سے دوستی کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ اور مستقبل میں صرف اور صرف اچھا انسان بننا چاہتے ہیں۔ اگر مستقبل میں اچھا انسان بننا چاہتے ہیں تو اب کیا ہیں۔ خدا جانے۔

☆ طاہر محمود۔ P-24۔ گوجرانوالہ۔ برتھ ڈے 25 دسمبر

☆ محمد الطاف بھٹی۔ 315 -P۔ 31 دسمبر 1980ء۔ یہ تحریریں لکھنے کا شوق رکھتے ہیں۔ ایسا لکھیے گا کہ جو آخرت میں بھی باعث اجر ثابت ہو۔

پھول سجانے والے

پذیرائی کلیاں میں شمولیت کے بعد ملی

(نوید احمد گل......فیصل آباد)



بندہ اعلیٰ چیز کو ''نوید احمد گل'' کہتے ہیں۔ فیصل آباد سے تعلق ہے۔ آج کل MBA کو وخت ڈالا ہوا ہے۔ 1992ء سے پھول میگزین پڑھ رہا ہوں اور مختلف میگزینز میں لکھتے ہوئے بھی تقریباً اتنا ہی عرصہ ہو گیا ہے۔ مگر ماہنامہ پھول میں پہلی تحریر پر انعام ملنے کی وجہ سے تعلق ابھی تک قائم ہے۔ پھول میں وقتاً فوقتاً تحاریر چھپتی رہتی ہیں مگر زیادہ پذیرائی ایک کالم ''کلیاں'' میں شمولیت کے باعث ملی۔ جہاں تک پھول سے کچھ پانے کا تعلق ہے تو میں نے پھول سے ''بابا جی'' اور ''ممتاز مفتی'' پائے۔ ممتاز مفتی سے ملاقات تو ہو نہیں سکتی اس لئے ان کی تحاریر پڑھ کر ہی خوش ہو لیتا ہوں جبکہ بابا جی کو ''داستان سرائے'' میں جا کر تنگ کر چکا ہوں۔ ذومعنی باتیں اچھی لگتی ہیں اس لئے عموماً ایسی ہی باتیں کرتا ہوں۔ پھول منفرد ہے اس لئے پسند ہے کیونکہ دوسرے رسالوں میں کہانیاں وغیرہ ہوتی ہیں جبکہ ''پھول'' میں کہانیاں کم اور تقریبات زیادہ۔ پھول سے کیا کھویا اس لئے نہیں لکھ رہا کہ پھول میں تنقیدی تحاریر کا کیا کام۔ بظاہر سنجیدہ مگر انتہائی......یقین نہیں آتا تو ٹائم لے کر ملاقات کر لیں۔

فیس ٹو فیس باقاعدہ دیا کریں

(مختار احمد جمال مغل......دیپالپور)



میرا نام محمد مختار احمد جمال مغل ہے۔ 1992ء سے مستقل قاری و لکھاری ہوں۔ پھول سے اب تک دو تین انعام بھی لے چکا ہوں۔ چار پانچ تحریریں اور بے شمار خط چھپ چکے ہیں۔ پھول کی پانچ چھ شاندار تقریبات میں بھی حصہ لے چکا ہوں۔ آج میں جو کچھ بھی ہوں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم والدین کی دعاؤں کی وجہ سے ہوں۔ شعبہ ادب میں تمام تر کامیابیاں پھول کی ہی وجہ سے حاصل ہوئیں۔ پھول ہی پہلا زینہ تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ میں اب تک پیارے پھول کے 15 سے 20 سے قاری بنا چکا ہوں اور اب انشاء اللہ جلد ہی پھول کلب اور پھول بھائی گھر قائم کرنے کا سوچ رہے ہیں۔ تجاویز:۔ پھول ساتھیوں کو پھول ہی کے ذریعے پیغام دینے کا کالم شروع کریں۔ ہر ماہ ایک پھول ساتھی کا مختصر تعارف شائع کیا کریں۔ ایڈیٹری ایک دن کی فیس ٹو فیس باقاعدگی سے دیا کریں۔

پھول ہی دے گا مجھے انعام کئی بار

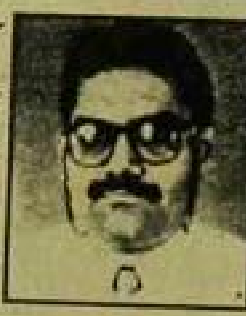
(محمد فاروق اعظم صدیقی......دھریالہ جالپ)



سوچ رہا ہوں کہ آٹھ سال ہو گئے ہیں ماہنامہ پھول پڑھتے ہوئے تقریباً تین مرتبہ ممبرشپ بھی حاصل کی۔ ہر انعامی سلسلے میں بھی حصہ لیا۔ ایک سال سے پھول کہانی گھر دھریالہ جالپ کی صدارت کر رہا ہوں۔ خطوط بھی لکھے ہیں۔ لطائف بھی لکھے ''کہانیاں'' لکھیں زیادہ نہیں تھوڑی سی لیکن کبھی بھی مجھے انعام نہیں ملا کہ جس کا حوالہ دے کر ان ساتھیوں کے ساتھ مل جاؤں جو پھول سجانے والے ہیں۔ ویسے میں پھول سجانے والا ہی ہوں۔ انہی سوچوں میں ایک عبارت ذہن میں آنا شروع ہو گئی جس کو قلم کے ذریعے کاغذ پر لکھا تو کچھ یوں بن گئی۔

میری کہانیاں کوئی اور مسترد کر کے تو دیکھے

(مجیب ظفر انوار......کراچی)



نئے پھولوں اور پھولینوں کو پہلی بات تو یہ کھٹکے کرتا ہے کہ مجیب ظفر انوار کا اصل نام کیا ہے؟ خود ہی عرض کرتا ہوں۔ باپ دادا نے سیدھا سادھا ''مجیب الظفر'' رکھ دیا تھا۔ 24 اگست 1966ء کے روز کا حادثہ ہے یہ......پھر 1977ء سے کہانیاں لکھنے کی خواہش ہوئی تو ''یوسف ظفر'' ابن انوار سے ہوتا ہوا ''مجیب ظفر انوار'' تک آ گیا۔ خدا خدا کر کے B.S.C تک یہ کفر قائم تھا کہ اخباری کالم کے لئے ادارے کی مشہوری کے لئے ''مجیب ظفر انوار حمیدی'' قرار پایا۔ شادی ہوئی تو سید مجیب ظفر انوار حمیدی قرار پایا۔ جامعہ کراچی میں 1998ء میں ادب کا معیار بڑا گرا۔ ایم اے اردو میں فرسٹ پوزیشن ملی تو ایک اخبار نے ریما کی تصویر کے پشت پر ہماری تصویر چھاپی۔ گھر میں بیگم ناہید مجیب ظفر انوار حمیدی کے آگے ہماری پوزیشن کمزور ہو گئی۔ ہمارے اکلوتے صاحبزادے زین میاں بھی کچھ نہ کر سکے۔

اختر عباس نے 1991ء سے ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈال دی۔ بچپن میں زرقا فلم دیکھ رکھی تھی۔ زنجیر پہن کر رقص کرنے کی خاص پریکٹس کی تھی۔ ادبی ٹھمکے لگانے نہیں آتے تھے۔ ادبی تقریبات میں شرکت کر کر کے وہ بھی آ گئے۔ میں نے جتنی محبت اور مروت سے پھول میں کہانیاں لکھی ہیں۔ شاید کسی اور رسالے میں لکھی ہوں۔ پر یہ اختر جس کی شخصیت کے شالا مار میں کوئی اور چھپا بیٹھا ہے۔ یہ کب میری تعریف کرتا ہے۔ میری کہانیوں کی اس قدر کانٹ چھانٹ کرتا ہے کہ الاماں الحفیظ......کوئی اور جرات تو کر کے دیکھے سنا ہے آج کل اس کے گردے میں درد ہے۔ دل گردے والا کام کرے گا تو ایسے ہی ہو گا۔ اللہ اسے سلامت رکھے۔ آج کل اسٹیل کیڈٹ کالج کراچی میں ہوں اور مزے میں ہوں۔

آج بھی مجھے اس انعام کا انتظار ہے

(نبیلہ ناز......پاک پتن)

میرا نام نبیلہ ناز ہے اور میں پاک پتن شریف میں رہائش پذیر ہوں۔ 93 میں پھول پہلی بار خریدا اور صفحہ بتائیے انعام پائیے میں شرکت کی یہ خوش قسمتی تھی کہ مجھے انعام کا حق دار ٹھہرایا گیا اور پھر لکھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پھول میں ہی سب سے پہلی تحریر شائع ہوئی اور اب تک تیس کے قریب شائع ہو چکی ہیں مختلف رسالوں میں پانچ کہانیاں اور چھوٹی موٹی تحریریں شائع ہو چکی ہیں۔ پھول میں دو عدد انعامات حاصل کر چکی ہوں مگر دوسرا انعام مجھے نہیں ملا جو کہ تفہیم القرآن کی جلد کا تحفہ تھا۔ جس کے لئے بہت دعائیں مانگیں اور جب میرا انعام نکلا تو میں کچھ گھریلو مسائل کی وجہ سے پہلے نہ جا سکی۔ آج بھی مجھے اس انعام کا انتظار ہے۔ (اچھا کیا بتا دیا وہ انعام پڑا ہوا ہے کسی روز آ کر لے جائیے۔)

ہم فقیر والی میں رہتے ہوئے بھی فقیر نہیں ہیں

(عائشہ منیر......فقیر والی)

جناب میری عمر آپ لازمی پوچھیں گے بتائے دیتے ہیں۔ آپ بھی کیا یاد کریں گے کہ کس سخی سے پالا پڑا ہے۔ میری عمر 18 سال 4 ماہ 5 گھنٹے 25 سیکنڈ ہے۔ ایک بات پوچھنی تھی کہ آپ کو انکل کہا ہے بھیا جانی کہنے کی بجائے۔ آپ کو جلن تو نہیں ہوئی۔ اگر نہیں ہوئی تو اس کا مطلب ہے کہ آپ عورت نہیں مرد ہی ہیں۔ اپنا تعارف اپنے قلم سے پیش کرتے ہیں۔ اپنی تعریف کرنے کی اجازت تو ہوگی ہی۔ پھول میں تحریر تو کوئی نہیں چھپی اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ میں نے کوئی تحریر بھیجی ہی نہیں تھی۔ البتہ ایک بار صفحہ بتائیے انعام پائیے میں حصہ لیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میرا نام انعام نہ پانے والوں اور دلاسہ دینے والوں کی فہرست میں آ گیا۔ وہ کیا خوب شعر ہے آئے تو سہی بغیر انعام کے ہی آئے جس شمارے میں میرا نام آیا وہ مجھے دنیا کا سب سے حسین میگزین لگا۔ دل چاہا کہ سارے شہر کو مفت تقسیم کر دوں لیکن جیب کا منہ بن گیا۔ پھر میں نے سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ یہ جذباتی فعل ہوگا۔ جب لوگوں کو پتہ چلے گا کہ میرا نام آیا ہے تو وہ خود ہی دھڑا دھڑ خرید لیں گے۔ ان سب باتوں کے باوجود ہم پھول کے لئے ایک سرگرم رکن کے طور پر کام کر رہے ہیں وہ بھی بغیر ایوارڈ کے۔ ایک بات تو آپ کو بتانا ہی بھول گئی کہ میں ایک ٹیچر بھی ہوں اور ہمیشہ اپنے سٹوڈنٹس کو پھول پڑھنے کی تلقین کرتی رہتی ہوں لیکن اپنے اپنے پیسوں سے۔ 1997ء سے پھول پڑھ رہی ہوں یقینی مجھے پھول پڑھتے ہوئے 96 سال کم ایک صدی ہوگئی ہے۔ آپ کو اپنے شہر کا نام تو بتایا ہی نہیں۔ ہمارے شہر کا نام فقیر والی ہے لیکن ایک بات اہم ہے کہ ہم فقیر والی میں رہتے ہوئے بھی فقیر نہیں ہیں۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ فقیر والی کہاں ہے لہٰذا آپ کی مشکل کے پیش نظر آپ کو فقیر والی کا حدود اربعہ بھی بتا دیتے ہیں۔ فقیر والی کے چاروں طرف پاکستان کے علاقے ہی پائے جاتے ہیں۔

پھول کی طرح ناچیز نے بھی کچھ ترقی کر لی ہے

(امجد حسین چھندی......فیصل آباد)



سالنامہ 1994ء پھول سجانے والے اٹھا کر دیکھنے میں اپنے بارے میں بتا چکا ہوں لیکن آپ کو پتہ ہے وقت کے ساتھ ہر چیز بدل جاتی ہے۔ پھول نے بھی کئی رنگ بدلے۔ ناچیز نے بھی کچھ نہ کچھ ترقی کی ہے اس وقت میں ایف ایس سی کا طالب علم تھا۔ آج استاد ہوں۔ ایم ایس سی فزکس کے بعد بی ایڈ کیا ہے فیصل آباد میں ایک ایجوکیشن اکیڈمی میں پرنسپل بھی ہوں۔ پھول کی تو ہر ادا ہی نرالی ہے لیکن سب سے بڑھ کر یہ قارئین کی تصاویر چھاپنے میں اپنا الگ مقام رکھتا ہے۔ کسی نہ کسی طریقے سے قارئین کو عزت و حوصلہ افزائی فراہم کرتا ہے۔ میری سب سے زیادہ تصویریں پھول ہی میں شائع ہوئیں۔ ایک تحریری تصویر "بے نیازی" پر انعام بھی ملا۔ اختر بھائی سے پہلی ملاقات ملتان روڈ گیلا ہال میں ہوئی۔ بعد میں پھول کا دفتر دیکھا خوب کھایا پیا۔ پہلی ہی ملاقات میں اختر عباس صاحب نے دو کتابیں "شہید البنا" کی ڈائری اور آداب زندگی عنائت کیں۔ ان کتابوں نے میری زندگی بدل دی۔ پہلی ملاقات کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ سفرنامہ "فیصل آباد سے لاہور تک" (نومبر 93ء پھول) لکھنے کا موقع ملا۔ یہ کسی ماہنامے میں میری پہلی تحریر تھی۔ اختر عباس بھائی نے تعلیمی اور ادبی زندگی میں میری خاصی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ان کی کوشش کی وجہ سے میں تھوڑا بہت لکھ لیتا ہوں۔ میری کتاب "بلی کے گلے میں گھنٹی" دعوۃ اکیڈمی نے اشاعت کے لئے منظور کر لی ہے۔ پھول کے لئے مشورہ یہی ہے کہ سید نظم زیدی کی طرح احمد حاطب صدیقی صاحب سے بھی مستقل لکھوائیں۔

لکھنا نہیں آتا اس لئے زیادہ نہیں لکھتا

(شبر علی چنگیزی......لاہور)



مجھے شبر علی چنگیزی کہتے ہیں 12 ستمبر 1974ء کو 16 ہیرن روڈ کرشن نگر اسلام پورہ لاہور میں پیدا ہوا شکر ہے کہ لاہور میں پیدا ہوا ورنہ لاہور دیکھے بغیر پیدا ہی نہ ہوتا۔ میری پہلی شرارت کے عنوان سے میری پہلی تحریر پھول کی زینت بنی ایک خاص بات کہ میں پھول ساتھیوں میں سے سب سے قدیم پھول ساتھی ہوں جو شروع سے پھول کے ساتھ ہیں۔ اب تک پھول چاند ستارے، آنکھ مچولی (جو بند ہو چکا ہے) فیملی میگزین اخبار جہاں، نوائے وقت، جنگ سنڈے میگزین اور کلیاں، جنگ بچوں کے لئے لاہور اور کراچی میں بچوں اور بڑوں کے لئے تحریریں شائع ہو چکی ہیں۔ زیادہ نہیں لکھا شاید اس لئے کہ لکھنا ہی نہیں آتا۔ عمیر صفدر بھائی، اعظم یاد بھائی، معین چودھری بھائی، منظر وحید بھائی، سے جو محبت اور اپنائیت ملی وہی میرا بہترین اثاثہ ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ ان سب کو ہمیشہ خوشیوں اور اپنی رحمت کے سائے میں عافیت سے رکھے (آمین) کہ یہ مسکراتے ہیں تو اپنا دل مسکرا اٹھتا ہے اور شبر علی چنگیزی کی دعا کیا ہے۔

پھول پڑھا تو چونکی ...... اتنا منظم جھوٹ

سیدہ تمکین فاطمہ......ٹانک ڈیرہ اسماعیل خاں

پوچھتے ہیں لوگ مجھ سے کیوں میرا نام و نسب
سوچ لیں پیغمبروں سے سلسلہ مل جائے گا

یہ تو خیر شعر معترضہ تھا نام میرا سیدہ تمکین فاطمہ ہے پھول سے تعلق اگر سالوں میں بتاؤں لیکن سال دو سال ہوں یا 4-6 سال۔ اس سے فرق ہی کیا پڑتا ہے۔ بات تو تعلق میں...... گہرائی و گیرائی اور محبت کی ہوتی ہے۔ FANTASY میں مجھے انٹرسٹ نہیں ہے۔ FANTASY مجھے INSPIRE کرتی ہے۔ پسند ناپسند میں لاجک کام نہیں آتی جو اچھا لگتا ہے وہ بس لگتا ہے Reason تو بعد میں تلاش کرنا پڑتا ہے۔ لیکن پھول اور پھول والوں کو پسند کرنے کے Reason بھی بہت ہیں۔ اس لئے کہ یہ واقعی بہت اچھے ہیں In fact میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتی کہ اپنا تعارف بطور خاص لکھوں لکھنے کی وجہ اپنے شکر گزاری کی جذبات کو سب تک پہنچانا ہے۔ جو کچھ ہوں اللہ جی کا کرم ہے پھول میں اپنی تحریریں بھی گنی نہیں Cheap لگتا ہے نا خود ستائشی! یقین سے یہ کہہ سکتی ہوں کہ 2 خط انعامی ہوئے اور 2 ہی کہانیاں لکھیں، دونوں پر انعام ملا۔ میرا اس میں کوئی کمال نہیں اوپر والے کا احسان اور اسکے بندوں کی نوازش ہے۔ پھول نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ یقین، اعتماد، جذبہ، شکر گزاری Positive Constructive Thought پتہ ہے پھول پڑھنے سے پہلے بچوں کے رسالوں میں خطوط اور لطائف پر بچوں کے نام دیکھ کر میں سوچتی تھی کہ رسالے والے خود سے نام لکھتے ہیں ورنہ انہیں کون لکھے گا۔ جھوٹ کا پلندہ پھول پڑھا تو چونکی۔ اتنا منظم جھوٹ! اس قدر انوالو ریڈرز Edit کرنے والے بھی بلا کے شارپ ہیں، دو چار ماہ پڑھنے کے بعد سچائی پر یقین آیا اور پھول اچھا لگنے لگا۔ جب سے شعر نیا والا کالم کمپائل کر رہی ہوں یوں لگتا ہے آپ سب جو شعر بھیجتے ہو میرے دل میں رہتے ہو۔ آپ کا شعر شامل نہ ہونے پر آپ سے پہلے مجھے دکھ ہوتا ہے اس لئے شعر شائع نہ ہونے کا علم پہلے مجھے جو ہوتا ہے۔ اب سمجھ میں آیا ہے کہ اتنے سارے قارئین بھائی کو کیونکر یاد رہتے ہیں۔

پھول میں سب سے اچھا اداریہ، بیڈ ٹائم ٹیلیفونک کالم، انٹرویوز اور پھر رپورٹس اچھی لگتی ہیں۔ اور کیا بتاؤں اپنے بارے میں کتابیں پڑھنے اور میوزک کا کریز ہے۔ ڈائری میں شعر اور اداریے کے جملے لکھنا بھی بہت اچھا لگتا ہے۔ خواب دیکھنا بھی اچھا لگتا ہے اور تعبیر پانے کو پریشان رہنا بھی،

تیرے اختیار میں کیا نہیں مجھے اس طرح سے نواز دے
یوں دعائیں میری قبول ہوں میرے لب پہ کوئی دعا نہ ہو

ابھی تک خاموشی سے پڑھتا رہا ہوں



(عمران شہزاد......فیصل آباد)

میرا نام شہزاد ہے پاکستان کے تیسرے بڑے شہر فیصل آباد کو شرف قیام بخشا ہوا ہے۔ F.S.C پارٹ ٹو کا سٹوڈنٹ ہوں۔ پھول سے تعلق 7 اگست 1996ء بروز بدھ دوپہر دو بج کر ستائیس منٹ اور ستاون سیکنڈ پر قائم ہوا تھا۔ (اب یہ کتنا عرصہ بنتا ہے اس کا حساب آپ خود لگا لیں۔) پھول میں فیصل آباد والے کم کم ہی نظر آتے ہیں سوچا چلو خود ہی ٹرائی کروں۔ پھول میں ابھی کوئی بڑی تحریر تو لکھی نہیں ہے۔ البتہ چھوٹی چھوٹی چودہ پندرہ تحریریں پھول میں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ دو کوئیز بھی مرتب کیے تھے اور ایک عدد انعام مل چکا ہے۔ ابھی تک خاموشی سے پھول پڑھتا رہا ہوں اور اس کے مقابلوں اور پروگراموں میں بہت کم حصہ لیا ہے لیکن اب ارادہ ہے کہ میں بھی پھول مقابلوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لوں۔ میری شدید خواہش ہے کہ پھول میں ایک دن کی ایڈیٹری کروں اور انشاء اللہ ضرور کروں گا۔ پھول ایک مہربان دوست کی مانند ہے اور مجھے اس سے جنون کی حد تک محبت ہے۔ زندگی میں کسی بھی قیمت پر پھول کو نہیں چھوڑ سکتا۔ بھیا میری آئیڈیل شخصیت ہیں اور ان سے ملنے کا بہت شوق ہے۔ پھول بہترین دوستوں میں سے ایک ہے۔ جب بھی بور ہوتا ہوں تو پھول کو لے کر کمرے میں اکیلا بیٹھ جاتا ہوں اور کچھ ہی دیر میں پرسکون ہو جاتا ہوں۔

''خوب سوچئے'' کے آغاز کا اعزاز میرے حصے میں آیا۔

حیات عبداللہ امیر پور سادات کہروڑپکا



میرا نام حیات عبداللہ ہے میں تحصیل کہروڑپکا کے گاؤں امیر پور سادات میں رہتا ہوں پھول میں میری بہت سی تحریریں چھپ چکی ہیں۔ پھول کے ایک بہت ہی دلچسپ سلسلے ''خوب سوچئے'' کے آغاز کا اعزاز میرے حصے میں آیا۔ میں پھول نے ہماری سوچ کو ایک نیا موڑ دیا ہے...... پھول...... جس سے اندھیرے چھٹتے ہیں...... تیرگی مٹی ہے...... ہماری بصیرت و کردار میں حسن و رعنائی کا صحیح اور حقیقی رنگ ابھرا ہے...... پھول نے نوجوانوں پر جمی مادیت کی دبیز تہوں کو اتار کر ان کو شگفتہ احساسات کی کرنوں سے منور کیا ہے اور پھر ان چمکتے دمکتے احساسات سے نوجوانوں سے بغض و کینہ جیسی برائیوں کو ختم کر کے محبت، الفت اور پیار کی اعلیٰ اقدار پیدا کی ہیں۔ یہی تو وجہ ہے کہ پھول پہلے شمارے سے لے کر آج تک زیر مطالعہ ہے۔

پھول نے میری ناشکری اور منفی سوچ کو ختم کیا

(سمیر شفیق......جڑانوالہ ضلع فیصل آباد)

میرا نام سمیر شفیق ہے میں نے حال ہی میں بی اے اچھے مارکس سے پاس کیا ہے۔ پھول کے ساتھ دوستی کو دس سے بھی زیادہ سال گزر چکے ہیں لیکن اس کی محبت میں کمی نہیں آئی بلکہ ہماری دوستی پہلے سے بھی زیادہ پائیدار ہو گئی ہے ان دس سالوں میں میں نے پھول سے اخلاص، محبت اللہ کی پہچان، 'پوزیٹو سوچ' خود اعتمادی دوسروں کے ساتھ محبت کرنے والا رویہ، ان کی خامیوں کو نظر انداز کرنے کا انداز اور خلوص اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ پایا۔ پھول کے ساتھ تعلق کے بعد میں نے اپنی زندگی کو اللہ کی رضا کے مطابق گزارنے کا طریقہ اپنایا پھول نے میرے اندر کی خامیوں نیگیو سوچ اور ناشکری کا خاتمہ کیا۔ اس طرح میں کہہ سکتی ہوں کہ پھول کے ذریعے میں نے بہت کچھ پایا اور کھویا کچھ نہیں۔

مجھے اندازہ نہ تھا کہ یہ دوستی اتنی پائیدار ہو گی



(منصور اختر غوری ڈونگہ بونگہ)

آج سے دس سال پہلے ستمبر 90ء میں راہ چلتے ہوئے کسی سے ملاقات ہوئی اور وہ ملاقات دوستی میں تبدیل ہو گئی۔ اس وقت اندازہ نہ تھا کہ یہ دوستی اتنی پائیدار ہو گی۔ اس دوستی میں مجھے میرے دوست نے بہت کچھ دیا۔ وہ ایک مخلص دوست ثابت ہوا۔ جی ہاں آپ ٹھیک سمجھے ہیں ''پھول'' ہی وہ دوست ہے میری پھول کے ساتھ دوستی دس سال سے قائم ہے۔ اس وقت میں ساتویں کلاس کا طالب علم تھا اور آج میں پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے فائنل میں ہوں۔ اب جب میں پھول لے کر آتا ہوں تو ہاسٹل کے دوست مذاق اڑاتے ہیں کہ دیکھو بچوں کا رسالہ پڑھتا ہے لیکن میرے خیال میں وہ دوستی کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اگر بچپن کا دوست بڑا ہو جائے تو اس کی دوستی چھوڑ دینا چاہئے۔ پھول کے ساتھ میرا تو بہت ہی گہرا تعلق ہے۔ چھوٹی چھوٹی بہت سی تحریریں شائع ہو چکی ہیں۔ پھول نے ہی لکھنے کا شوق ابھارا۔ پھول سے رسائل بنانے کا مقابلہ سمیت کئی انعامات حاصل کر چکا ہوں۔ پھول کہانی گھر ڈونگہ بونگہ کا صدر بھی رہا ہوں۔ لاہور میں ہونے والے کئی پروگراموں میں شرکت کی۔ ایک دفعہ پھر پھول کے ساتھ دل

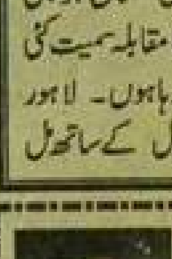
پھول نے تب میرا ساتھ دیا جب میں تنہا تھا



(احسان محمود ٹیپو......نارووال)

میں پھول کا پرانا قاری اور لکھاری ہوں اور 1993ء سے پھول پڑھ رہا ہوں۔ 93ء سے لے کر اب تک کے سبھی رسالے سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں حقیقتاً اس رسالے نے میری زندگی کو بہت زیادہ نا صرف حوصلہ دیا بلکہ مجھے نئی زندگی دی ہے پھول ایک ایسا رسالہ ہے جو کڑی دھوپ میں چھاؤں کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھول نے مجھے بولنا سکھایا روشنی کی راستہ بتایا مجھے وہ کچھ دیا جو میں دولت سے نہیں خرید سکتا تھا میرے مایوس دل میں جینے کی نئی امنگ پیدا کی ہے پھول کو میں استاد مانتا ہوں۔ پھول کے ساتھ تعلق بہت اچھا ہے ایک وقت میری زندگی میں ایسا آیا کہ میری دنیا ہی اندھیر ہو گئی ہے مجھے ایسا لگا جیسے اب میری زندگی کے سبھی رنگ ماند پڑ گئے ہوں۔ ایسے حالات میں پھول واحد رسالہ ہے جس نے مجھے ایک دفعہ پھر کھڑا کیا اور مجھے جینے کا سبق دیا پھول نے اس وقت میرا ساتھ دیا جب میں بالکل تنہا تھا ہر چیز بے معنی تھی زندگی میں تاریک اندھیرا چھا گیا تو پھول میرے لئے روشنی کی کرن بن کر آیا اور مجھے دوبارہ دنیا کے ساتھ چلنے کے لئے تیاری پر آمادہ کیا۔ میں بس اتنا جانتا ہوں کہ اگر میرے اندر اعتماد پیدا ہوا ہے تو پھول کی وجہ سے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے تو پھول کی وجہ سے آنکھوں میں چمک ہے تو پھول کی بدولت ہے بلکہ اگر یہ کہوں کہ زندگی میں بہار ہے تو پھول کا ہی اس میں ہاتھ ہے۔ یہ کہنا بجا ہو گا کہ پھول نے مجھے تخیلاتی دنیا سے نکال کر عملی دنیا میں کھڑا کر دیا ہے۔

Nuts On Internet دوبارہ شروع کریں



(ندیم احمد شہزاد......فاروق آباد)

نام میرا ہے ندیم احمد شہزاد فاروق آباد ضلع شیخوپورہ سے میرا تعلق ہے۔ گریجوایشن کر چکا ہوں اور اب اردو میں ماسٹرز کرنے کا ارادہ ہے۔ پھول سے میرا تعلق قریباً 6 سال پرانا ہے جو 94ء کے اواخر سے شروع ہوا۔ جہاں تک پھول میں پسندیدہ ترین چیز کا تعلق ہے تو پھول بذات خود میری پسندیدہ ترین چیز ہے جبھی تو اتنے عرصے سے ہمارے گھر میں آ رہا ہے۔ اپنی لکھی ہوئی تحریروں کے علاوہ جو سال میں ایک دفعہ ضرور چھپ جاتی ہے۔ مجھے پھول میں سب سے زیادہ الحدیث کا سلسلہ پسند ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ (Nuts On Internet) کی اشاعت دوبارہ شروع کی جائے اور جو بھی سلسلہ شروع کیا جائے اسے آخری حصہ تک مسلسل شائع کیا جائے۔ کسی مہینے اسے مس نہ کیا جائے۔



بک شیلف اچھا سلسلہ ہوا کرتا تھا

(ع ک......لاہور)

میرا نام عائشہ کوثر ہے اور میں فورتھ ائیر میں بیک وقت اکنامکس اور سائیکالوجی سے نبرد آزما ہوں پھول پڑھتے ہوئے آٹھ سال ہو گئے ہیں اور پھول نے جو بہت کچھ دیا ہے اس میں 5 پرائز بھی شامل ہیں۔ پھول میں دو تحریریں ابھی تک چھپی ہیں اور دونوں ہی ع ک رانا لاہور کے نام سے جو پھول بھیا کے اچھا خاصا اوکھا نام ہے۔ پھول کی بہترین چیز میرے نزدیک اداریہ ہے۔ (کیریئر کونسلنگ بھی تھا) قول آخری ہے تاکہ بہترین مشورہ وہ ہوتا ہے جو لیا جائے نہ کہ دیا جائے۔ سو پھول کی اپنی خواہش پر ہم اپنا بہترین مشورہ (تجویز) دے رہے ہیں۔ کئی مہینے پہلے تک پھول بک شیلف نام کا بڑا اچھا سا سلسلہ ہوا کرتا تھا شاید پھول سٹڈی ڈیکل کو اس کے متبادل کے طور پر شروع کیا گیا ہے مگر میرے خیال میں دوسرے والے سے استفادہ حاصل کرنے والوں کی تعداد پہلے والے سے کم ہے اور کیوں نہ آپ ایسا کریں کہ سٹڈی ڈیکل کو تو قائم رہنے دیں ہاں مگر بک شیلف جیسا کچھ دوبارہ شروع کر دیا جائے۔ جس کا مائرہ یورپ، روس، امریکن اور عرب ادب تک پھیلا ہوا ہوتا کہ ہم ان سب کے متعلق بھی جان اور پڑھ سکیں۔

پھول سے بس ایک ہی شکایت ہے

(رابعہ آئی شاہ......بھکر کم لاہور)

پھول کے ساتھ میری دوستی اتنی پرانی ہے جب پھول ابھی ڈیڑھ دو سال کا تھا (اور امید ہے یہ دوستی 80 سال تک تو چلے گی ہی......) پھول پڑھنے سے میں نے تو کچھ نہیں کھویا البتہ دوسرے پانچ چھ رسالوں نے ایک خریدار ضرور کھو دیا۔ کیونکہ جس طرح آملنے سے گرا بوٹ پھر آملنے میں نہیں نکلتا اسی طرح پھول پڑھنے کے بعد کوئی اور رسالہ اچھا ہی نہیں لگتا۔ پھول سے مجھے بس ایک ہی شکایت ہے یہ میرے منہ کی بات چھین لیتا ہے۔ جو بات ابھی میرے ذہن کے اوون میں سوچی سینکی جا رہی ہوتی ہے...... بیکنگ کے پہلے مرحلے میں ہوتی ہے پھول اس کا کیک بیک کر کے...... کریم شریم لگا کے ڈش میں سجا کر پیش بھی کر دیتا ہے اور میری سوچ...... میرے آئیڈیاز اوون میں پڑے پڑے جل کر بلیک کافی سے بھی زیادہ تلخ ہو جاتے ہیں۔ پھول میں وہ خاص بات ہے جو کسی اور میں کہاں......

کیا کروں میڈم بھی اجازت نہیں دیتی

(نسرین عصری......دلیوالی)

جی ہمارا نام نسرین عصری تعلق میانوالی کے پسماندہ سے قصبہ دلیوالی سے ہے۔ پھول کو چار سال سے پڑھ رہی ہوں میانوالی گرلز کلب کی صدر ہوں۔ افتتاحی شو کے بعد کوئی پروگرام نہ کروا سکی کیونکہ ہمارے سکول کی میڈیم اس بات کی اجازت نہیں دیتی پھول کافی عرصہ سے پڑھ رہے ہیں اپنی تحریریں ہر ماہ باقاعدگی سے پڑھتے ہیں اور پھر پھول کو روانہ کر دیتے ہیں اور ہم ندیدوں کی طرح پھول میں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ 14 اگست 2000ء کو بوچھال کلاں میں اختر بھیا سے ملاقات ہوئی اور شکایت لگائی اور انہوں نے چپکے چپکے سن لی پتا نہیں عمل بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ میری تحریروں کی تعداد جو پھول میں شائع ہوئی ہیں چودہ سولہ کے قریب ہیں جن میں موٹی تحریروں کی تعداد چار پانچ ہے جبکہ چھوٹی چھوٹی تحریروں کی تعداد بارہ چودہ کے قریب ہے۔ ایڈیٹر بھیا کہتے ہیں اچھا لکھو تو وہ ضرور جگہ پاتا ہے اب پتا نہیں ہماری یہ تحریر کتنی جگہ پاتی ہے۔ تصویر اس وقت مجھے نہیں مل رہی جو ملی ہے وہ بہت بڑی، پوری نہیں آئے گی اور...... بھیا سے کاٹے نہ کٹے گی۔

کچھ تعلق بنائے نہیں جاتے بن جاتے ہیں

(شمس فرید چشتی......لاہور)



کچھ تعلق بنائے جاتے ہیں اور کچھ خود بخود بن جاتے ہیں۔ ایسا ہی تعلق خود بخود ہمارا پھول سے بن گیا جو ہر ماہ مضبوط ہوتا چلا گیا۔ 1996ء سے لے کر آج تک ہمارے اوپر جو کوئی بھی اثر انداز ہوا ہے تو اس میں پھول نمبر 1 ہے۔ پھول نے ہمیں حوصلہ ہمت اور جذبہ دیا اور سب سے بڑی بات یہ کہ جو کچھ ہم نے سوچا وہ پھول نے کر دکھایا لگتا ہے شاید ایڈیٹر بھیا کے پاس الہ دین کا چراغ ہے جسے استعمال کر کے وہ پاکستان کے لاکھوں بچوں کی دلی خواہشات جان لیتے ہیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں یا جسے کہا جاتا ہے کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے والا معاملہ ہے۔ ہمارے گھر میں پھول کا انتظار ایسے کیا جاتا ہے جیسے ملازم ماہ کے آخری دنوں میں پہلی تاریخ کا کرتے ہیں کہ تنخواہ ملے۔ میں ان دنوں پھول کلب جنوبی لاہور کا صدر اور سودی کلب کا سیکرٹری ہوں۔

میں تو کوپن پر کر کے بھیجا کرتی تھی

(عابدہ بزدار......ڈیرہ غازی خاں)

میرا نام عابدہ بزدار ہے اور میں پھول گرلز کلب ڈی جی خان کی صدر ہوں۔ پھول اس وقت پڑھنا شروع کیا جب ہم FSC میں تھے یہ غالباً 93ء کی بات ہے۔ شروع میں پھول کوئز میں باقاعدگی سے کوپن بھیجا کرتی تھی پھر پھول کلب بنانے کا خیال آیا تو ڈی جی خان میں پہلا پھول گرلز کلب قائم کیا جس کے افتتاحی پروگرام میں ایڈیٹر بھیا بھی تشریف لائے۔ فروری 2000ء میں جب پھول گرلز کلب کا وفد کشمیری مجاہدین سے اظہار یکجہتی کے لئے کہ آزاد کشمیر گیا تو مجھے بھی جانے کا اتفاق ہوا اور اس کی رپورٹ بھی میں نے لکھی جو مارچ 2000ء کے پھول میں چھپی۔ آج کل ILO کے ساتھ کام کر رہی ہوں اور شیخوپورہ میں ہوں پھول کے قریب ہوں اس لئے خوش ہوں۔

سچ بول کر ہارنا اچھا لگتا ہے

(سعدیہ طیبہ......تلہ گنگ)

میں اللہ کی لاڈلی مخلوق میں سے ہوں۔ نام بنت حوا ہے اللہ کی اس وسیع کائنات میں بہت سے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ آپ سعدیہ طیبہ کے نام سے جانتے ہیں جبکہ گھر اور گھر سے باہر کشمیری میڈم ساجن آپی بنگالی قبائلی شہزادی نازیہ اور سانولی شام سے پکارا جاتا ہے۔ معلوم نہیں پیارے یا...... جس کا جو جی میں آئے کہہ کر بلا لیتا ہے مگر میں مائنڈ نہیں کرتی کیونکہ گلاب کو جس نام سے بھی پکارو گے رہے گا تو گلاب نا۔ بی اے کا سامنا ہے شوقیہ طور پر شاعری بھی کی۔ پینٹنگ اور ڈریس ڈیزائننگ بھی کرتی ہوں۔ دونوں کام کسی سے نہیں سیکھے بچپن ہی ایسا ہے کہ خود بخود نئے چلے آ رہے ہیں۔ سچ بول کر اکثر ہار جاتی ہوں اور مجھے سچ بول کر ہارنا اچھا لگتا ہے۔ معصوم شرارتیں کرنا اچھا لگتا ہے میری دوست کہتی ہیں کہ میری آنکھیں شرارت سے ہر وقت چمکتی رہتی ہیں۔ ہر لمحہ ہر دم ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے رکھتی ہوں جس کی وجہ سے لوگوں کا خیال ہے کہ میں رو نہیں سکتی۔ زندگی مجاہد کی اور موت شہادت کی اچھی لگتی ہے اور یہی میری عظیم ترین خواہش ہے۔ اچھی کتاب پڑھنے کا جنون بچپن سے ہے۔ پھول سے دوستی ستمبر 90ء سے ہے۔ پھول کے شمارے ستمبر 90ء سے اگست 2000ء تک میرے پاس محفوظ ہیں۔ ان میں سے کچھ دوستوں کو گفٹ کئے۔ پھول میں ایک ٹائم میں ہی دو انعام جیتے یہی میری خوش نصیبی ہے۔ پھول کی طرف سے بھیجے گئے انعامات میرے لئے کسی خزانے سے کم نہیں۔

دوست کہتے ہیں تم ایسے ہو جیسے نسوار کے بغیر پٹھان

عدنان حسین عابدی

ہیلو پھول ساتھیو! میں عدنان حسین عابدی ہوں ہاں بھئی وہی کراچی والا جو دو بار "ایڈیٹری ایک دن کی" کر چکا ہے پھول نگر کا
لگا ہے انعام بھی وصول کرتا رہتا ہے۔ پھول کہانی گھر شاہ فیصل کالونی بھی قائم کر چکا ہے اور پھول کلب کراچی ایسٹ کا سست اور نا کام
صدر بھی ہے اور اس خوش فہمی یا غلط فہمی میں مبتلا بھی ہے کہ کراچی کے پھول ساتھیوں میں اس کا نام ٹاپ پر لیا جاتا ہے۔
پھول ساتھیو! جب آپ کے اس گڈ لکنگ چارمنگ گریس فل اینڈ اسمارٹ بھائی کو یہ پتہ چلا کہ پھول کے سالگرہ نمبر میں پھول کے
حوالے سے تعلق کیا کھویا کیا پایا پر لکھنے کی دعوت دی گئی تو سوچا کہ ہم بھی کچھ لکھ ماریں اور آپ کو بتائیں کہ جب سے ہم چودہ سے اٹھارہ
سال کے ہوگئے ہیں اور ہلکی پھلکی داڑھی مونچھوں کے مالک بھی بن گئے ہیں ایک اور خاص بات سنئے اپنے دوستوں کی محفل میں بیٹھ کر
جس دن ہم کوئی قول اخری نہ سنائیں یا پھول کا ذکر نہ کریں یا پھر کوئی ایسی مہذب بات یا حرکت نہ کریں جو ہم نے پھول سے سیکھی ہو اس
دن ہمارے دوست کہتے ہیں آج تم بالکل ایسے لگ رہے ہو جیسے نسوار کے بغیر پٹھان۔
اس کے علاوہ پھول پڑھتے اور اس کو سجاتے ہم ان سب پھول ساتھیوں سے زیادہ پاپولر ہو گئے ہیں جو ہم سے کم پاپولر ہیں۔
اور آخری بات یہ ہے پھول ساتھیوں کے پھول پڑھنے سے ہمارے ذوق میں ایک بہت خوشگوار صفت کا اضافہ ہوا ہے جسکی وجہ سے اردو
ادب ہمیں ہمیشہ اچھے الفاظ میں یاد کرے گا وہ یہ کہ ہم نے کوئی بھی موقع ملنے کے باوجود کبھی شاعری نہیں کی۔ کیسا؟
ساتھیو! ذمے دار باتیں اگلے سال کریں گے فی الوقت ہم جیسے ہیں ویسا ہی لکھ دیا۔

"پھول" سے تعلق کیا کھویا؟ کیا پایا؟

شائستہ عطاء...... فیصل آباد

پھول سے میرا تعلق نہایت مضبوط نہایت خوبصورت یہ تعلق یہ ساتھ پانچ سال پرانا مگر لگتا ایسے ہے کہ جیسے یہ ساتھ ہمیشہ سے ہو جیسے میں شروع سے ہی اسکے ساتھ ہی رہی ہوں۔

جہاں تک کچھ کھونے اور پانے کی بات ہے تو پھول سے ہمیشہ میں نے کچھ پایا ہی ہے۔ کچھ کھونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب سے میں نے پھول پڑھنا شروع کیا ہے میری زندگی نہایت خوش اسلوبی سے گزر رہی ہے۔ اس نے میری پاکیزہ سوچ کو تقویت دی اور اسے عمل کے سانچے میں ڈھالا اس نے ہمیشہ میری رہنمائی کی۔ خوشی میں شکر کرنا غم اور پریشانی میں صبر کرنا اور بے حوصلگی میں حوصلہ کرنا۔ اللہ نے پھول کے وسیلے سے ہی مجھے سکھایا۔ سب سے اہم بات یہ کہ پھول ہی وہ ذریعہ ہے جس نے صحیح معنوں میں مجھے اللہ کی پہچان کروائی اور اس سے میرے تعلق کو مضبوط تر کر دیا ہے۔ اس کے دم سے اللہ نے مجھے بے شمار محبتیں اور کامیابیاں عطا کی ہیں۔ پھول' پھول والے اور تمام پھول ساتھی مجھے بے حد عزیز ہیں۔ اچھا سوچنے اچھا کرنے والے بہت خوبصورت اور پیارے لوگ میری دعا ہے کہ اللہ ان سب کو بے حد و حساب خوبیاں اور حقیقی کامیابیاں عطا فرمائے۔ (آمین)

جو کچھ بھی ہوں اپنی بہادر ماں کی دعاؤں سے ہوں

عبدالصمد مظفر...... لاہور



میرا نام عبدالصمد مظفر ہے اور پھول کہانی گھر لاہور کا صدر ہوں۔ پھول کو ابتداء سے ہی جانتا ہوں میں نے ابتدائی تعلیم پی آر ہائی سکول لاہور سے حاصل کی۔ حال ہی میں الصحت ہومیو میڈیکل کالج فیصل آباد سے ہومیو ڈاکٹر کا امتحان پاس کیا ہے۔ کہانیاں پڑھنے اور سننے کا شوق شروع سے ہی ہے اس کے علاوہ ڈاک کی ٹکٹیں جمع کرنا اور آٹو گراف لینا بھی شوق میں شامل ہے۔ اب تک 125 کے قریب قریب نامور شخصیات سے ملاقات کر چکا ہوں اور ان سب سے ملنے کا موقع سب سے زیادہ پھول نے ہی دیا۔ کہانیاں پڑھنے اور سننے کا سب سے زیادہ فائدہ یہ ہوا کہ کہانیاں تحریر کرنے لگا۔ اب تک مجھے سب سے زیادہ ماہنامہ پھول نے متعارف کرایا۔ میری کامیابیوں میں میری بہادر امی جان کی دعائیں اور پیار کا دخل ہے اور میں جو کچھ بھی ہوں ماں کی دعاؤں کے صلے سے ہوں۔ امی جان نے ابو جان کی جدائی کا احساس تک نہیں ہونے دیا۔ پھول میں ہم ابھی سوچ رہے ہوتے ہیں تو پھول ہماری سوچ کو تعبیر دے دیتا ہے۔ پھول نے مثبت اور اچھی سوچ دی اعتماد دیا اور سب سے بڑھکر پیار کرنے والے ایڈیٹر بھیا دیے سرگرمیوں میں پھول کہانی گھر کی سرگرمیاں اچھی لگتی ہیں اور تمام تحریریں زبردست ہوتی ہیں۔ کہانی گھر نے روٹھتی روایت کو راضی کیا ہے۔ جس سے ہمارے بزرگ ہم سے خوش ہیں اور دعائیں دیتے ہیں۔ پھول فورم میں کامیاب شخصیات سے ملاقات کروانا بھی قابل التفات ہے جسکا سہرا آمنہ آپی کے سر پر ہے۔ پھول کے لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ بھیا جی اپنا ایک بڑا سا پوسٹر دیں وہ بھی آٹو گراف کیساتھ PHRD کی ابتدا بڑا اسوش اقدام ہے۔

دیکھیں راس آتا ہے یا نہیں

نور محمد جمالی...... کوئٹہ



پھول کلب اوستہ محمد ضلع جعفر آباد کا صدر ہوں۔ جو آجکل سب سے زیادہ بلوچستان میں سرگرم ہے۔ میں نے FSC پاس کر لی ہے۔ BA کا ارادہ ہے ابتدائی تعلیم اپنے سوہنے گاؤں سے حاصل کی شوق میں پڑھنا اور لکھنا پھول میں اب تک تین چار کہانیاں چھپ چکی ہیں۔ ان دنوں کوئٹہ رہ رہا ہوں۔ دیکھیں راس آتا ہے یا نہیں۔

امید ہے کہ راستہ اور نکھرے گا

عثمان خادم...... لاہور



نام عثمان خادم پھول میگزین سے تعلق اواخر 94ء سے ہے اور پھول کے لوگوں سے براہ راست تعلق 96ء سے اور خوب بنا۔ پھول سے متعارف اپنی کزن حافظہ طیبہ فاطمہ کے ذریعے ہوا۔ سیکنڈ ائر ڈی اے ای (الیکٹرونکس) کا طالب علم ہوں۔ شروع میں پھول کے پروگراموں میں شرکت کی۔ آہستہ آہستہ تعلق مزید پروان چڑھا پھول آفس میں کام کی دعوت ملی جس کو خوش دلی اور محبت سے قبول کیا۔ ایک سال سے زائد عرصہ بطور انچارج شعبہ ممبر شپ کارڈ اجرا کام کیا ہے۔ میرا پہلا کارڈ نمبر P198 تھا۔ اور ساتھ میں انعامی کوپن کی ترتیب بھی دیتا ہوں۔ میری پہلی ترتیب سال نامہ 98ء میں شامل ہوئی۔ پھول کے پلیٹ فارم سے بہت کچھ سیکھا۔ میگزین میں تمام دوستوں اور بھیا کی تربیت کا تھوڑا سا رنگ چڑھا ہے۔ آپس میں جو ایک رابطہ پیدا ہوا ہے امید ہے کہ مزید نکھرے گا۔

15 پھول قاری بنا چکی ہوں

حافظ سدرہ علی۔ فقیر والی

"میرا نام سدرہ علی ہے۔ کلاس دہم (سائنس گروپ) میں پڑھتی ہوں۔ اللہ کا بہت فضل ہے۔ 11 سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ 1998ء میں مڈل کیا امتحان میں میری تحصیل ہارون آباد کے پرائیویٹ سکولز میں فرسٹ پوزیشن آئی میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی اللہ میاں یوں نواز دیں گے کہ 770 نمبر آئیں گے۔"

جب قرآن پاک حفظ کر رہی تھی تب سے پھول پڑھ رہی ہوں۔ لیکن 1998ء سے اس نے میری زندگی پر اثر کیا کیونکہ پھول کا نظریہ حیات بالکل میرے نظریے جیسا ہے اس لئے 1998ء سے باقی سب رسالے چھوڑ کر پھول پڑھ رہی ہوں۔ فقیر والی میں پھول کی خوشبو پھیلانے کی میں نے کوشش نومبر 1999ء سے کی۔ اس وقت میں تقریباً 15 پھول قاری بنا چکی ہوں۔ اس کے علاوہ "واہ کیا بات ہے" "کوئی شعر نیا" میں میری بھیجی ہوئی تحریریں چھپی ہیں۔ ستمبر 99ء میں "آیۃ من القرآن" کوئز میں انعام نکلا (لیکن انعام ندارد) پھول سے وابستہ ہر چیز پسندیدہ ہے خصوصاً "کرنیں" "اداریہ" اور "الحدیث" مشورہ پھول کیلئے یہ ہے کہ پھول کا مقبول سلسلہ "بک شیلف" دوبارہ شروع کیا جائے۔ اگر تجویز پسند ہوں تو کچھ اور اس میں تبدیلیوں کی تجویز ہے بتا دیجئے گا آپ کو لکھ کر بھیج دوں گی۔ اور ایک درخواست ہے "پھول کے صفحات کی تعداد بڑھا دی جائے۔ اور نئے لکھاریوں خصوصاً بچوں کو کوریج دی جائے" اللہ حافظ



سبطین احمد شاہد۔کوہاٹ

ناچیز کو سبطین احمد شاہد سیال (خانیوال) کے نام سے اکثر قارئین جانتے ہیں ڈسٹرکٹ خانیوال سے "ماہنامہ پھول لاہور" کا پہلا قاری اور لکھاری ہوں یہ اور بات ہے کہ کافی حد تک سست ہوا ہوں کہ پھول کلب کے لیے کچھ نہ کر سکا البتہ اپنے علاقہ میں کافی لوگ میری وجہ سے پھول میں "ان" ہوئے (پاکستان ایئر فورس) میں "ایئر مین" ہوں پھول میں نیلی نوٹ بک کالم اور اداریہ بے حد پسند ہے اور سب سے پہلے انہی دو سلسلوں کو پڑھتا ہوں۔ میرا حقیر سا مشورہ ہے "پھول" کے ناتواں کندھوں پر اتنی زیادہ ذمہ داریاں نہ رکھی جائیں یعنی گا ہے بگا ہے نئے سلسلہ جات مگر ایک ایسا سلسلہ بھی ہو جس میں پھول کے لکھاری اور ان کے والدین معہ جملی اکٹھے لاہور میں کسی تقریب میں آئیں اور تمام پاکستان کے لکھاریوں کو متعارف کرایا جائے اور ان لکھاریوں کے تعارف پر مبنی ایک ڈائریکٹری شائع کی جائے اور تقسیم کی جائے چاہے قیمتاً سالگرہ مبارک ہو

ٹھیک ہوا نہیں جاتا

رانا بابر حیات۔لاہور

میرا نام رانا بابر حیات ہے۔ ایم اے انگلش کا طالب عالم ہوں۔ پھول سنڈی دیکل پاکستان کا جنرل سیکرٹری ہوں۔ جیسا کہ میرے شعبے سے ظاہر ہے۔ کتابیں پڑھنا میرا شوق ہے...... خاص طور پر افسانے پڑھنا...... میرے پسندیدہ ادیبوں میں سارتر' کافکا' منشا یاد' اشفاق احمد' بانو قدسیہ شامل ہیں جبکہ شاعری سے بھی تھوڑا بہت تعلق ہے...... جون ایلیا میرے پسندیدہ شاعر ہیں......

پھول سے میرا تعلق کافی پرانا ہے اور یا تو یہ میری ذات کا ایک اہم حصہ ہے...... شائد اس کے بغیر میں اپنے آپ کو ادھورا محسوس کرتا ہوں۔ ایڈیٹر بھیا کو میں اپنا گرو مانتا ہوں...... اور ان کے مشورے میری زندگی کا قیمتی اثاثہ ہیں میری غلطیوں کو معاف کر دیتے ہیں اور ہمیشہ مسکرا کر کہتے ہیں "بابر میاں۔ بس تم ٹھیک ہو جاؤ" اور میں بھی ایسا ہوں "ٹھیک ہوا ہی نہیں جاتا۔"

پھول کو کوئی مشورہ نہیں دے سکتا کیونکہ......

ظہیر یوسف در یک
آزاد کشمیر



میں نے لکھنا محمد ظہیر خان کے نام سے شروع کیا تھا۔ پھر نام بدلنے کی سوجھی ظہیر یوسف کے نام مختلف رسائل میں تحریریں چھپیں اور یہی نام ابھی تک قائم و دائم ہے۔ "پھول" میں میری پہلی کہانی دسمبر 99ء میں "خزاں زدہ پتے" چھپی پھر مارچ 2000ء میں "انعامی خط" شائع ہوا۔ حسین شہید پوسٹ گریجویٹ کالج میں بی۔ کام کا طالب علم ہوں۔ گریجویشن کے بعد سی۔ اے کی طرف جانے کا ارادہ ہے۔ "پھول" میں میری پسندیدہ ترین چیز "اداریہ" ہے جو زندگی میں میرا رہنما بھی ہے۔ "پھول" کو تو میں کوئی مشورہ نہیں دے سکتا بلکہ میں تو خود "پھول" سے مشورہ لیتا ہوں۔

مطالعہ کی عادت سے اکثر ناخوشگوار ٹکراؤ ہو جاتے ہیں



ممتاز حبیب صابر۔ نواں کلی طاؤس روڈ پار ہوتی مردان میرا نام ممتاز حبیب صابر ہے۔ میں نے 1987ء سے بچوں کے رسالوں اور اخبارات میں لکھنا شروع کیا اور تا حال گا ہے گا ہے لکھ رہا ہوں۔ پسندیدہ دوست ممتاز علی شاہ تاج ولی شاہ اور فرمان اللہ خان غالب ہیں۔ ابتک بہت سی تحریریں رسائل کی "زینت" بن گئیں ہیں۔ ویسے یہ میری بہن کا بھی نام ہے۔ پھول میں پہلی مرتبہ ردی کی ٹوکری سے جو تحریر بچ نکلی اور پھول کے اپریل 1993ء کے خاص نمبر میں چھپی وہ تھی "نمبریں پہلے یہ تو پورے ہو" اس کے بعد نومبر 2000ء میں قسمت کا ستارہ چمکا اور روف خالد سے کیا گیا انٹرویو شامل اشاعت ہوا۔ مطالعہ کی عادت کافی بگڑ چکی ہے (ہر وقت مطالعہ حتی کہ پیدل چلتے ہوئے بھی مطالعہ جس سے اکثر ناخوشگوار ٹکراؤ ہو جاتے ہیں) لکھنے کی مشق جاری ہے۔ پھول میں پسندیدہ چیز اس کا تین کالم ہونا ہے کہ اس طرح زیادہ مواد ملتا ہے۔ مشورہ ہے کہ پھول اخبار میں صرف پھول کلبوں اور کہانی کی بجائے بچوں کے متعلق اور رپورٹ بھی ہونی چاہیے۔

اسکو پڑھنا۔ پڑھتے رہنا اچھا لگتا ہے



غضنفر علی آفس سیکرٹری پھول کلب پاکستان پھول سے تعلق اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ خود پھول پھول کے بارے میں اتنا ہی کہوں گا کہ اس کو پڑھنا پڑھتے رہنا اچھا لگتا ہے پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے سوشل ورک کا طالبعلم ہوں دو سال سے کوئز کا انچارج ہوں کبھی کبھار رپورٹ بھی لکھ لیتا ہوں شاعری تو میری شخصیت کا حصہ ہے۔ مجھے پھول کے حوالے سے بہت سے نئے دوست ملے اور اچھے اچھے لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ جس کے لئے میں پھول کا شکر گزار ہوں پھول کے لئے یہ مشورہ دینا چاہوں گا کہ نو پرابلم میں کچھ جدت پیدا کریں یہ یکسانیت کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔ پھول کے لئے بس اتنا ہی کہوں گا۔

ہم خوشبو کے سوداگر ہیں اور سودا سچا کرتے ہیں
گر گاہک پھولوں جیسا ہو ہم بن داموں بک جاتے ہیں۔

ایک بڑی شدید خواہش ہے

اے وسیم خٹک ٹیری کرک

میں پھول کو ہر دفعہ سے بڑھ کر پاتا ہوں بلکہ بہت اچھا پاتا ہوں مجھے پھول سے بہت محبت ہے اس بات سے اندازہ کریں۔ کہ 92ء کے بعد کے تمام شمارے ترتیب وار موجود ہیں۔ بہت سی چھوٹی تحریریں لگی ہیں۔ شعر' لطیفہ' خط' نظم اور دوسرے تحاریر کا شمار ہی نہیں سوائے بڑی تحریروں کے۔ کوشش کر رہا ہوں امید ہے۔ بہت جلد کہانیوں کے لکھاریوں میں بھی آپ میرا نام دیکھیں گے۔ مجھے اے وسیم خٹک کہتے ہیں۔ ٹیری سے تعلق رکھتا ہوں جو کہ کوہاٹ سے 60 کلومیٹر جنوب کی جانب ہے اور کوہاٹ سرحد میں واقع ہے۔ بی اے سے گزر چکا ہوں اب جرنلزم میں ایم اے کا ارادہ ہے بلکہ ایک شدید خواہش ہے۔ پھول کے اپنے علاقے میں بہت فین بنا لیے ہیں۔ پھول کے کس حصے کی تعریف کروں پھول تو سارا ہی تعریف تعریف ہے۔ مشورہ یہ ہے کہ نو آموز لکھاریوں کو موقع دیا جائے اور کوہاٹ میں پھول کلب کا قیام لایا جائے۔

بنا فیس کے قیمتی مشورہ یہ ہے کہ



سیف الرحمن فاروقی۔ ترنڈہ محمد پناہ

میرا نام سیف الرحمن فاروقی ہے۔ میرا تعلق ترنڈہ محمد پناہ سے ہے۔ پھول پانچویں کلاس سے پڑھنا شروع کیا تھا اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے FSC میں ہوں۔ مجھے پھول کہانی گھر ترنڈہ محمد پناہ کے صدر کی حیثیت سے حال ہی میں حمید نظامی ہال لاہور میں ہونے والی تقسیم ایوارڈ کی تقریب میں تیسرا انعام ملا ہے۔ ترنڈہ محمد پناہ میں پھول کی مہک کو عام کرنے کی سعادت بھی ہمیں حاصل ہے۔ پھول میں سب سے زیادہ واہ کیا بات ہے' کرنیں اور اداریہ اچھا لگتا ہے۔ پھول کے لئے ہمارا بنا فیس کے قیمتی مشورہ ہے نئے لکھاریوں کے لئے ایک مستقل کالم شروع کیا جائے۔ آخر میں ہماری دعا ہے پھول اور پھول ساتھی ہمیشہ شاد آباد اور دلشاد رہیں۔



جب سے پڑھنے کے قابل ہوئے ہیں پھول پڑھ رہے ہیں

عبیدالرحمن فاروقی۔ ترنڈہ محمد پناہ

میرا نام عبیدالرحمن فاروقی ہے۔ میرا تعلق پنجاب کے مشہور قصبے ترنڈہ محمد پناہ سے ہے۔ جب سے پڑھنے کے قابل ہوئے ہیں اس دن سے پھول رسالہ پڑھ رہے ہیں۔ ماہدولت پھول کہانی گھر کا صدر ہیں۔ اور پھول کلب جنوبی پنجاب کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ پھول رسالے میں ایک اسلامی موضوع پر کہانی بھی ہونی چاہئے اس طرح پھول مزید نکھر جائے گا۔ ہر نئے ساتھی کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔ میری دعا ہے کہ پھول کو اللہ دن رات دگنی چوگنی ترقی عطا کرے۔ جب تک ہمارے اندر دم ہے ہم پھول کے ساتھ ہیں۔

افراتفری ختم کریں

حفصہ نصیر احمد۔ کراچی

میرا نام حفصہ نصیر ہے اور میرا پھول سے تعلق پرانا ہے میری پہلی تحریر بھی پھول میں شائع ہوئی پھول ہی کی حوصلہ افزائی نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔ پھول میں میری پسندیدہ ترین چیز ''اداریہ' بیڈ ٹائم اور الحدیث'' ہے۔ مشورہ افراتفری ختم کریں۔ کتابت کی غلطیاں اور تصاویر کا معیار کے علاوہ دور کے رہنے والوں کا بھی خیال کریں صرف لاہور کے آس پاس رہنے والے ہی پھول نہیں پڑھتے۔



مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں

غزالہ تبسم۔ راولاکوٹ کشمیر

''پھول'' کے ساتھ تعلق کو تقریباً'' دس سال (بغیر وقفے کے ہو گئے ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میری تربیت ''ماں'' کے بعد جس نے کی وہ پیارے ''پھول'' نے کی۔ ''پھول'' نے تو میری سوچ کے ساتھ ساتھ میری زندگی کو بدل کر رکھ دیا۔ ''پھول'' نے مجھے اچھا بولنا' اچھا سوچنا' اچھا برتاؤ کرنا' سب سے محبت کرنا سکھایا' میں ان دنوں ایم اے کر رہی ہوں۔ یہ چیزیں اور بھی قیمتی لگتی ہیں۔ مشورہ ''پھول'' میں ہم جیسے چھوٹے رائٹرز کے لئے بھی کوئی سلسلہ شروع کریں (تحریریں شائع ہوں ہماری پھول میں اس کا ہے ہمیں بھی شوق) کیونکہ ہم شاد بٹ' ماریہ اکمل' تصور' عادل منہاج کا مقابلہ کرنے سے تو رہے۔

پھول پھول پھول
گونہ گونہ گھر گھر خوشبو پھیلائے پھول



فیصل آباد میں پھول کی خوشبو پھیلانے میں مصروف ہوں

بشیر سیال شیری

میرا اصل نام محمد بشیر اقبال ہے قلمی نام بشیر سیال شیری ہے۔ تاریخ پیدائش 16 اپریل 1983ء ہے۔ آئی۔ سی۔ ایس۔ سیکنڈ ایر کا سٹوڈنٹ ہوں۔ چار سال سے پھول کا قاری ہوں۔ پھول کے اپریل کے شمارے میں طرحی شعر کے سلسلہ میں میرا شعر شامل تھا۔ اس کے علاوہ ستمبر کے شمارے میں دو رپورٹس ''علی ظفر'' کی گفتگو اور ''دورہ'' سندھ کے حوالے سے خصوصی فورم کی رپورٹ شائع ہو چکی ہے۔ آج کل فیصل آباد میں پھول کی ٹیم کے ساتھ مل کر پھول کی خوشبو بکھیرنے میں مصروف ہوں۔ شاعری بھی کرتا ہوں۔



پھول سے تعلق کا آغاز 94ء سے ہوا

ذیشان شیخ صدر پھول کلب۔ جنوبی پنجاب

میرا نام ذیشان شیخ ہے۔ بی اے (پاس گریجوایشن) کر رہا ہے پھول سے تعلق کا آغاز 94ء سے ہوا جب مجھے پھول کلب دہاڑی کا صدر مقرر کیا گیا۔ 99ء اور 2000ء میں پاکستان بھر سے بہترین کارکردگی پر دوسرا ایوارڈ حاصل کیا۔ اس سال بھیا نے پھول کلب جنوبی پنجاب کا صدر نامزد کیا۔ اچھی کارکردگی کی بناء پر میری دلی کوشش ہے کہ نہ صرف میری اپنی زندگی میں اچھی تبدیلی آئے۔ بلکہ تمام ساتھیوں کو سوچ اور عمل بہتر ہو جو جگہ جگہ پھول کلب سے منسلک ہیں۔



علامہ اقبال سے پورے 100 سال چھوٹی ہوں

جویریہ انجم بخت۔ لاہور

اکثر لوگ مجھے جویریہ انجم بخت کہتے ہیں چاہے خوشدلی سے کہیں یا منہ بنا کر۔ ویسے آس پاس کے لوگ پیار سے سونا بھی کہہ لیتے ہیں۔ عمر بس اتنی سمجھ لیں کہ علامہ اقبال سے پورے 100 سال چھوٹی ہوں (چھوٹی پر زور دے کر) حال ہی میں MISS سے .Mrs بن کر اپنے کاندھے پر ایک اور چاند ستارہ لگوالیا ہے۔ پسندیدہ ترین کاموں میں 'سونا' سونا اور پھر سونا ہے یا اگر وقت بچ جائے تو پھر سوچتی ہوں۔ منہ کا ذائقہ بدلنے کو کتابیں پڑھنا اچھا لگتا ہے۔ کبھی کبھی خود بھی کچھ لکھنا اچھا لگتا ہے مثلاً دیواروں پر اپنا نام۔ شاعری سے بہت لگاؤ ہے۔ دوسروں کی پڑھنا اور خود بھی کچھ کر ہی لیتے ہیں اگر پڑھنے والے کا ذوق کچھ ماٹھا ہو تو اسے میری شاعری یقیناً پسند آ سکتی ہے۔ ایک مثال حاضر ہے:

☆ آئے پاسے بجے
اس کو میں نے کتنا ڈھونڈا
پر وہ مجھ کو کہتے نہ لبھے
پھر جب اس کو ڈھونڈنا چھوڑا
اس کی راہ سے منہ کو موڑا
تب وہ سامنے آن کھلوئے
کچھ کچھ ہنسے' کچھ کچھ روئے
دونوں ہاتھ کو جوڑا اس نے
میری چپ کو توڑا اس نے
اور جب اس نے مجھے منایا
خوشی سے اپنی دم کو ہلایا
میرا پیارا ڈوگی وہ ہے
تنہائی کا ساتھی وہ ہے
وہ ہی آئے' وہ ہی پاسے
وہ ہی بجے' وہ ہی گجے

ان سب کے علاوہ میں نے گریجویشن بھی کر رکھی ہے اور ماسٹرز میں ایڈمشن کیلئے Apply کر رکھا ہے۔ ماہنامہ پھول اس لئے اچھا لگتا ہے کہ اس میں میری تحریریں چھپتی ہیں اور اختر بھائی اس لئے اچھے لگتے ہیں کہ وہ میری تعریفیں کرتے ہیں اور وہ میری تعریفیں اس لئے کرتے ہیں کہ میں ان کی کرتی رہتی ہوں۔ آخر GIVE andTAKE پر ہی تو دنیا چلتی ہے۔ نا!!!



اتنی خوشی تو نواز شریف کے وزیراعظم بننے کی نہیں ہوئی تھی

آصف اقبال صدیقی ملتان

میرا نام آصف اقبال صدیقی ہے۔ اور بنیادی طور پر میانوالی کے نزدیک ایک چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ یہ فروری 2000ء کی بات ہے کہ میں ''پھول'' خرید کر مظہر بھائی کی دکان پر جوتا خریدنے گیا تو مظہر بھائی میرے ہاتھوں میں ''پھول'' دیکھ کر مجھ سے مختلف قسم کے سوالات کرنے لگے۔ مثلاً پھول کب سے پڑھ رہے ہو؟ یہ کیسا رسالہ ہے؟ اور بس اسی دن سے میں ''پھول کلب'' میں شامل ہو گیا۔ جس دن میرا پھول کلب کا کارڈ بن کر آیا تھا تو اس دن میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ (میں اتنی خوشی محسوس کر رہا تھا کہ اتنی خوشی نواز شریف نے وزیراعظم کے بننے کے بعد بھی محسوس نہیں کی تھی)

پھر میں پھول کلب کے پروگرام میں باقاعدگی سے شرکت کرنے لگا۔ اور خود بھی کئی پروگرام کرا ڈالے۔ ہر پروگرام میں شرکت کرتے وقت میں پہلے سے زیادہ خوشی محسوس کرتا اور پہلے سے زیادہ پرجوش ہوتا تھا۔ پھر میری خوشی اور جوش و جذبے کو دیکھتے ہوئے پھول کہانی گھر یونٹ نمبر 4 کا صدر بنا دیا گیا جس پروگرام میں مجھے یہ عہدہ ملا اس پروگرام کے مہمان خصوصی انچارج ''پھول اور کلیاں'' شیخ سلیم ناز تھے۔ سلیم بھیا نے اس وقت مجھے مبارکباد دی تھی اور ساتھ ہی کئی نصیحتیں بھی کر ڈالیں تھیں۔ جن کو میں نے پلو سے باندھ لیا تھا۔

''پھول'' نے میری زندگی کو بدل دیا ہے۔ میری سوچ کو بدل دیا ہے۔ ''پھول'' نے مجھے پہچان دی ہے بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ ''پھول'' ہی میری زندگی ہے۔ خدا اسے کانٹوں سے بچائے۔ آمین!

شاعری سچ بولتی ہے

مرتب ...... سیدہ حسین فاطمہ

پیارے لوگو! السلام علیکم

آپ سب ہی شاعری کے جراثیم تو بہت عرصے سے ہیں لیکن آج کل وہ زیادہ مصروف عمل ہیں۔ ان کی مصروفیت کا نتیجہ یعنی کے آپ کی نظمیں جو ہم تک پہنچیں' حاضر خدمت ہیں۔ کراچی سے اسماء ہارون نے اپنے ابو جان کی بیاض سے یہ نظم بھیجی ہے۔ بعنوان:

میری یہ تمنا ہے!

کاش! میں بڑا ہو کر شجر سایہ دار بنوں
آئے نہ خزاں اس پر' ایسی میں بہار بنوں
ہو جو رشک صد زینت' وہ گلے کا ہار بنوں
سر پہ زیب دے' ایسا در شاوار بنوں
میلے دل جو ہوں وہ سب دھل کے صاف ہو جائیں
دودھ جیسا' اجلا' پاک' ایسا آب شار بنوں
ہاں! خدا کے بندوں کو جو ملا دے آپس میں
اور شکستہ ہو نہ کبھی' وہ اٹوٹ پیار بنوں
میں کبھی تکبر کے چکروں میں نہ آؤں
میں ہوں ذرہ ناچیز بس میں خاکسار بنوں

☆☆☆☆☆

ٹرین

عرفان اسلم کھوکھر گرام منجر چٹھہ کی نظم بظاہر تو چھک چھک کرتی ٹرین کا منظر نامہ ہے مگر بہ نظر غائر جائزہ لینے پر اس میں پوری قوم کیلئے ایک پیغام پنہاں نظر آئے گا

دیکھو سامنے وہ ٹرین آ رہی ہے
دھواں اڑاتی' ٹرین آ رہی ہے
ٹن ٹن ہوئی اور مسافر بھاگے
سوئے ہوئے' ٹکٹ لینے کو جاگے
دیر سے بیٹھے تھے جو انتظار میں
سبھی کھڑے ہیں اب قطار میں
چلو کے ہم بھی بیٹھیں ریل میں
مل نہ جائیں' بڑوں کے کھیل میں
جب سبز جھنڈی گارڈ نے لہرائی
ٹرین دھیرے دھیرے حرکت میں آئی
پیچھے شہروں کو یہ چھوڑ رہی ہے
طوفانوں کا منہ موڑ رہی ہے
دن کے ڈھلنے سے نہ گھبراؤ
تیرگی کو تم' روشنی دکھلاؤ
کچھ سو رہے ہیں مسافر' کچھ بیدار ہیں
اصول ''چل چلاؤ'' کے یہ پرستار ہیں
گاؤں کے کھیت بھی سنسان ہیں
شہروں کی گلیاں بھی ویران ہیں
ستاروں کی رونق' خوب دل کو بھائے
چاند بھی کھڑکی میں چھپتا نظر آئے
مسافر اک روتا چلا آ رہا ہے
کٹی جیب اپنی دکھا رہا ہے
پکڑو چور کو دو چار لگا دو
سب سونے والوں کو جگا دو
نہیں گارڈ سب کو جگانے پہ مامور
خود ہی جاگو ابھی منزل ہے دور

فاطمہ ...... کراچی

شہر آشوب

کچھ نظر نہیں آتا' بولتا ہے سناٹا
ہاں! مگر اندھیرے میں
کچھ دکھائی دیتا ہے
جاء نماز کا کونہ جھاڑیوں میں اٹکا ہے
ایمبولینس ایدھی کی
بین کرتی آتی ہے
سب جلی کٹی نعشیں
ساتھ لے کے جاتی ہے
عورتوں کی' بچوں کی
بوڑھوں اور جوانوں کی
مسجدوں سے ہوتی ہیں بارشیں اذانوں کی
لا الہ الا اللہ...... لا الہ الا اللہ

☆☆☆☆☆

فریدہ خانم' ٹاؤن شپ لاہور لکھتی ہیں:

خوش رہو' ہر خوشی ہے تمہارے لئے
غم ہیں سارے تمہارے ہمارے لئے
تم برا وقت دیکھو نہ جگ میں کبھی
ہر گھڑی ہو مبارک' تمہارے لئے
پھول' کلیوں سے مہکے تمہاری گلی
رات آئے چمکتے ستارے لئے
کوئی طوفان ٹوٹے نہ تم پر کبھی
خوش رہو ہر خوشی ہے تمہارے لئے

''کتے بنے رہیئے''

اک دن کسی بلی سے یہ کہنے لگا کتا
میں ایک زمانے میں ہوا کرتا تھا بکرا
دس سینگ تھے' نو کان تھے' چھ پاؤں تھے میرے
رہتے تھے میری ناک میں چھبیس لٹیرے
بکروں کی ریاست میں بڑا رعب تھا میرا
ہوتی تھی میرے حکم سے رات اور سویرا
شیروں سے ملاقات رہا کرتی تھی اکثر
دھو دھو کے میرے پاؤں پیا کرتے تھے بندر
میں نے کئی بگڑے ہوئے ہاتھی کیے سیدھے
کہتے تھے میری شان میں لنگور قصیدے
تعمیرا ہوا کرتی تھی پھولوں سے سواری
خوشبو سے سلا کرتی تھی پوشاک ہماری
آتی تھیں میرے واسطے جنت سے غذائیں
چلتی تھیں میرے واسطے رنگین ہوائیں
بلی نے سنی بات جو کتے کی تو بولی
حضرت کسی ناداں کو دیجئے گا یہ گولی
باتوں سے مجھے آپ کی اندازہ ہوا ہے
جو آپ کا مالک ہے گپ باز بڑا ہے
انسانوں میں گپ بازی کی عادت ہے بہت عام لیکن
میاں! حیوانوں کو گپ بازی سے کیا کام
جو بات حقیقت میں ہو گزری وہی کہیئے
بہتر ہے یہی بات کتے بنے رہیئے

(نورین عبدالرزاق راجپوت ...... شہداد پور)

''گڑیا کی شادی''

میری دلہن اور ماہم کا دلہا
اک دوجے سے ہم نے بیاہا
دلہن کو پہنایا غرارہ
دلہا نے بھی باندھا سہرا
قاضی کو بھی ہم نے بلایا
اور نکاح دونوں کا پڑھایا
''املی کے پتے' ببول کے پھول
کہو میاں گڈے! گڑیا قبول''
گڑیا نے ہاں میں سر کو ہلایا
گڈے نے بھی منہ لگایا
بعد دعا کے بانٹے چھوہارے
اور بتاشے کھا گئے سارے
روتے ہوئے جو گڑیا چلی
سب نے دی اسے تسلی
آمنہ تھی یہ گڑیا کی شادی
جس نے رقم بھی خرچ کرا دی

(آمنہ نیاز)

عائشہ کوثر.......... برکی روڈ لاہور



بالکل اچانک ہی ایک دن بیٹھے بٹھائے آپ کو کلاس ریپ بنا دیا جائے یعنی کہ اپنی کلاس کی سی آر تو کتنا اچھا لگتا ہے ناں۔ خاص طور پر تب جب اصلی والی سی آر فائنل امتحان سے کچھ ماہ پہلے ہی اچانک کالج چھوڑ دے اور بغیر کوئی خواب دیکھے (بھلا سکول کے مانیٹر میں وہ بات کہاں ہوگی سی آر میں ہوتی ہے) پرنسپل سے بیج لگواتے ہوئے تصویر کھنچواتا اور پھر اکڑ اکڑ کر سب کو دکھانا تو بڑا آسان تھا مگر باقی سارے فرائض کے لئے ضرورت تھی کم از کم بہت ساری بہادری کی اور جو میں کہوں کہ نہیں میں بزدل ہوں تو یہ ہوگا سفید جھوٹ۔ پتا ہے کبھی کبھی کچھ منٹوں کے لئے میں دنیا کی بہادر ترین لڑکی بنتی ہوں۔ جب بھی صبح کو بابا جانی فارغ ہوں اور مجھے بس کی بجائے ان کے ساتھ کالج آنا ہو تب گھر سے کالج تک 10,8 منٹ کا وقت جو میں بابا کے سائیکل کے کیرئیر پر گزارتی ہوں تب میں بہت بہادر بلکہ شائد مغرور ہی ہو جاتی ہوں اتنی بہادر کہ شہر میں گشت کرتے ڈراؤنے سے پولیس انکل کو دیر تک اور دور تک گھور سکتی ہوں۔ اپنے پاس سے گزرتی گاڑیوں کی ریس میں سے اس گاڑی کو زبان بھی چڑا سکتی ہوں۔ جس میں بیٹھ کر پچھلے مہینے پرویز مشرف ہمارے شہر آئے تھے۔ (خواہ وہ اس وقت بھی اس میں بیٹھے مجھے دیکھ رہے ہوں) جو دوسروں کو مایوس کرے اور ان کا حق مارے اور اپنی غلطی بھی نہ مانے تو کوئی اس کو منہ بھی نہ چڑائے۔

یہ جو 10,8 منٹ ہیں ناں روز نہیں آتے' وقفے وقفے سے آتے ہیں کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ یہ والے منٹ خدا نہ کرے اگر کبھی میری پنجی ہوئی روئی جیسی زندگی میں نہ ہوں تو وہ ساری باتیں جن میں سے 95 فیصد اور اللہ جی سے چھوٹی بچی شکایتیں ہیں اپنے کئی بار' کے دہرائے ہوئے ارادے چھوٹی چھوٹی سی قسمیں اور بہت سے وعدے یہ سب میرے دل میں بند ہی رہیں تو دل کا حال بھی مٹی کی چاٹی جیسا ہو جسے کھٹی لسی اندر سے اکھاڑ ڈالتی ہے۔ بدنما اور ناقابل استعمال بنا دیتی ہے ختم کر دیتی ہے۔

بابا بہت اچھے ہیں کچھ اس لئے کہ میرے بابا ہیں اور کچھ اس وجہ سے کہ انہوں نے کبھی ہم پر اپنی توقعات کے ڈنڈے نہیں برسائے۔ اگر کبھی پوچھیں بھی کہ بابا کیسے ابو ہو آپ؟ کبھی کہا ہی نہیں ہم سے کہ عائشہ تم ڈاکٹر بن جاؤ' چلو تمہارے بھائی کو تو بننا ہی انجینئر ہے۔ بابا مسکراتے ہوئے چہرے سے کہتے ہیں بس بیٹا اچھے انسان بن جاؤ۔ دوسروں کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں دینے اور کام کرنے والے نہ بنو تو خیر ہاں مگر کسی کا نقصان کرنے یا حق مارنے والے کو ہرگز مت بننا۔

پتہ نہیں کیوں دسمبر کو ہم سب غم کی علامت اور جدائی سے متعلق ہی سمجھتے ہیں۔ خواہ سمجھنے بلکہ گانے والا ابرار الحق ہی کیوں نہ ہو پر کل تک تو میں بھی ان سب کی ہم خیال ہی تو تھی۔ آج ہرگز نہیں ہوں کہ اس کی وجہ سے کاغذ کا وہ چھوٹا سا پرزہ ہے جس کے اختتام پر "فقط رول نمبر 330" لکھا ہے۔

دنیا کا کوئی بھی کام' چھوٹا ہو یا بڑا غلط یا پھر درست معلوم ہے کیسے شروع ہوتا ہے بس ایک سوچ سے' چھوٹی سی سوئی کی نوک جتنی بلکہ ایٹم جتنی سوچ ایسی ہی ایک سوچ کلاس ریپ بننے کی کچھ دن بعد میرے ذہن میں آئی تھی' جب ایک دن صبح کالج کے لئے تیار ہوتے وقت ایسے ہی میری نظر الماری میں پڑی اخبار کی چند لکیروں پر پڑی تھی۔ بچوں کا تھا جس پر نظام شمسی کے نو سیارے اور ان کے گرد گردش کرتے چاندوں کی تعداد کے بارے لکھا تھا۔

تبھی پتہ نہیں کیوں مجھے لگا میں بھی عطارد اور زہرہ جیسی ہوں کہ جن کے گرد کوئی چاند نہیں۔ میرا دل کیا کہ 22 چاندوں والا زحل نہ سہی کم از کم میں ایک ایک چاند والی زمین یا پلوٹو بن سکتی ہوں۔ اسی خواہش کو سامنے رکھ کر میں نے اپنی ساری کلاس کو ایک انوکھی آفر دی۔ جو شائد اس سے پہلے کسی نے بھی نہیں دی ہوگی۔ کیا پتہ دی بھی ہو پر اتنے مان سے نہیں۔ 330 رول نمبر سب سے پہلی لڑکی تھی جو اپنی آنکھوں میں میری باتوں کا ڈھیر سارا یقین لے کر میرے پاس آئی تھی

اور پھر اس کی چار اور سہیلیاں ایک عام سے سرکاری کالج کی گریجویشن کرنے والی اکثریت کا مسئلہ انگلش تھا۔ جو پتہ نہیں کیسے میرے لئے مسئلہ نہیں تھی۔ یہ بھی انہی سب کا یقین تھا اور میں نے بھی شائد اس یقین کو قائم رکھنے کے لئے زیادہ اور ان کی بہتری کے لئے کم کوشش کی تھی۔

بہر حال فائنل امتحانات سے دو ماہ پہلے جب ہمیں فری کیا گیا تو میں ان سب سے بغیر ملے ہی چلی آئی۔ شاید اس لئے کہ کہیں وہ مجھ سے اب رواروی میں میرے نوٹس ہی نہ مانگ لیں جو کتنی محنت سے بنائے تھے میں نے۔ جہاں تک تعلق تھا ان کی پڑھائی کا وہ کافی ٹھیک جا رہی تھی مگر میں اپنے نوٹس انہیں کبھی نہیں دے سکتی تھی۔ امتحان، رزلٹ اور اب یونیورسٹی، دسمبر شروع ہو چکا ہے۔ سخت سردی، دھند، ویگنوں، بسوں کے دھکے، ایک ہفتے سے بیمار پڑی ہوں یونیورسٹی بھی نہیں جا سکی۔ عادت سے مجبور ہوں سوامی کی نظر بچا کر آج پھر چھت پر آ پہنچی ہوں جو دھند سے پوری طرح بھری ہوئی ہے ایسی دھند میں پھرنے میں بڑا ہی مزہ آتا ہے مجھے۔ دھند کی خوشبو جیسے مٹی کی ہوتی ہے۔ میرے ہاتھوں میں وہ خط ہے جسے لانے والے نے پہلے ہی اسے بھیجنے والے کا بتا دیا ہے اور میں سن کر حیران ہو رہی ہوں کہ میں نے تو کبھی بھول کر انہیں ان پچھلے 8 دس ماہ میں یاد بھی نہیں کیا ہے رزلٹ تک بھی پتہ نہیں کیا ان کا خط میں لکھا ہے۔

ڈیئر ریپ!

مجھے یقین ہے تم خوش اور پرسکون ہوگی کیونکہ ہم اپنی دعاؤں میں ہمیشہ تم کو شامل کرتے ہیں۔ تمہیں پتہ ہی ہوگا کہ میں اور میری سہیلیاں سب پاس ہو گئی ہیں۔ صرف اور صرف تمہاری وجہ سے اور پتہ ہے آج کل ہم پانچوں بی ایڈ کر رہی ہیں۔ صرف اس لئے کہ اپنی کلاس ریپ جیسی استانیاں بن سکیں وہ جو اپنے اصلی فرض سے واقف ہوں وہ جو بالکل نہ سہی، بہت سی تو تم ہوں، ہمارے لئے دعا کرنا۔

خدا حافظ..........فقط رول نمبر 330

اسے پڑھ کر مجھے ایسا لگا ہے کہ جیسے میرے چار چھیرے تکمے ہی تکمے ہے۔ جیسے میرے دل کی زمین پر چنبیلی کا پودا پھوٹا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے پتوں اور پھولوں سے بھر گیا۔ بھلا دسمبر میں بھی پھول آ گئے ہیں مگر میرے دل میں چنبیلی کا بوٹا اگ آیا ہے۔ شاید اسے دسمبر راس آ گیا ہے۔ میں نے بس زمین بننا چاہا تھا جس کے گرد ایک چاند گھومتا ہے مگر اب تو لگا ہے جیسے میں 22 چاندوں والے زحل سے بھی زیادہ ہو گئی ہوں۔ میرے گرد محبت، یقین کے اور خوشی کے 5 پانچ چاند گھومنے لگے ہیں۔

بقیہ۔ کیا مجال ہے

گلاب لگائیں کہ اندھیرے میں بھی یقین رہے کہ ہمارے ہاتھوں سے لگایا ہوا گلاب ہی ہے۔ جیسے گلاب کو پیار کریں تو وہ خوشبو دیتا ہے، کمی اور زیادتی دونوں نقصان دہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے انسان سے پیار کیا جائے تو وہ بھی پیار کا پھل لاتا ہے۔ گلاب بند کلی میں اپنی خوشبو بند رکھے ہوئے ہوتا ہے اور تازہ ہوا کے جھونکوں کے پیار سے وہ کھل کھل کر خوشبو پھیلاتا ہے۔ ایسے ہی یہ پیارے اور معصوم بچے ہیں جو بند کلیاں ہیں اور پیار کی تازہ ہوا ان کا پہلا حق ہے۔ "تم بچوں کیلئے کیا کرو گی؟" خولہ کے اندر چھپے ہوئے ایک بچے نے پوچھا تھا، "میں تو سارے بچوں کو اکٹھا کر کے انہیں پیار کرنا سکھاؤں گی، پیار اکیڈمی کھولوں گی اور تم......" "میں سارے بچوں کو خواب دیکھنا سکھاؤں گی اور خواب اکیڈمی کھولوں گی۔ تم پیار کہانی اور میں خواب کہانی۔" اس کے چہرے سے خوابوں کی لالی پھوٹ رہی تھی اسے خواب کہانی بننا ہے اور مجھے ان خوابوں میں پیار بھرنا ہے۔ تب دنیا کتنی پیاری ہو گی...... ہر طرف خوابوں کے پھول اور پیار کی خوشبو ہو گی۔ خوشیاں کھیلتی ایک لڑکی ہے۔ اس نے اس روز استاد جی سے کہا تھا استاد جی ایک بات کی سمجھ نہیں آتی "جب میں چھوٹی تھی اور کوئی بھی بات کرتی تھی تو سب کہتے تھے، ابھی بچی ہو، بڑی مت بنو۔ اب میں بڑی ہو گئی ہوں تو سب کہتے ہیں بچی مت بنو، بڑی ہو گئی ہو اور اسی میں مجھے نہ پتہ چلا کہ میں بڑی کب تھی اور بچی کیسے ہو گئی۔ کبھی لگتا ہے میں 8 سال سے بھی چھوٹی ہوں اور کبھی لگتا ہے 80 سال سے بھی بڑی ہوں۔ استاد جی نے اسے سمجھایا تھا کہ اگر زندگی بچپن پہ اور بچپن زندگی پہ چھا جائے تو بھی کچھ نہیں بگڑتا جو چیز اصل اور نیچرل ہے وہ بڑے بن کے کرو یا بچے، ہمیشہ اچھی رہتی ہے بس عمر کوئی بھی ہو پیار کیلئے عمر نہیں اور اگر ایسے بن ہی گئے ہو تو بڑوں سے بچے بن کر اور بچوں سے بڑا بن کر پیار کرو بہت مزہ آئے گا!!!!

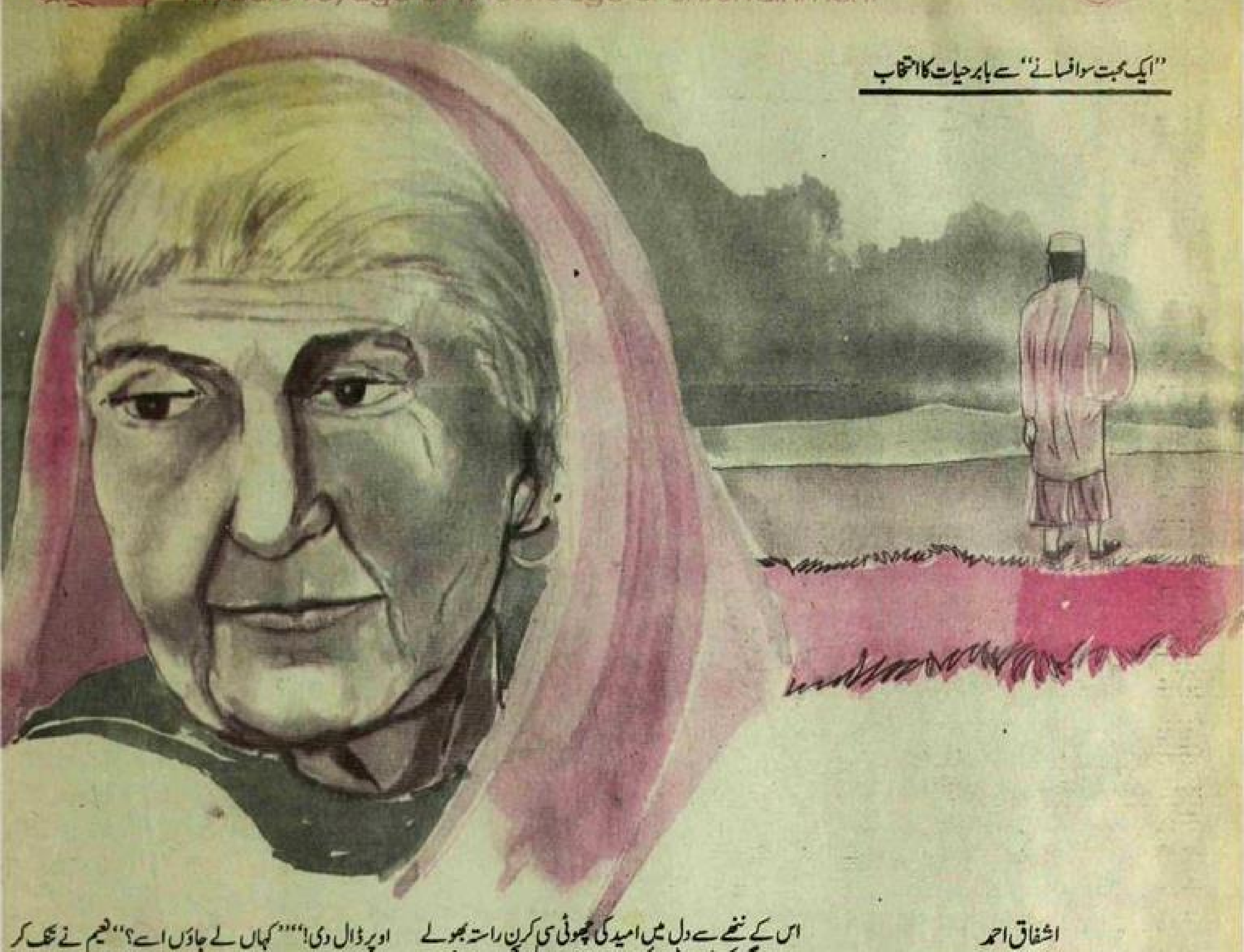
انسان کی عقل شاید ہرن کے سینگوں کی طرح نہیں ہوتی جو ہر سال نئی آتی ہے بلکہ یہ ذخیرہ وافر مقدار میں موجود ہے۔ ایسے جیسے بارش میں بڑے بھی نہاتے ہیں اور بچے بھی عقل کی بارش بھی ایسی ہی ہوتی ہے جس میں کوئی زیادہ نہاتا ہے اور کوئی کم...... یہ بات سمجھنا کہ صرف عمر کے بڑے ہونے سے ہی انسان میں عقل آتی ہے تو اس سے بڑی نقل نہیں، نقل کسی کی؟ عقل سے محروم کی، ذکر تو میں کر ہی چکی ہوں بار بار کیا کہیں۔

پیار بہت ضروری ہے اور پیار کے انڈے نہیں ہوتے جنہیں سٹور کر لیا جائے کہ نایاب ہو گیا تو بچے نکل آئیں گے یہ تو صرف طلب اور عمل سے ملتا ہے۔ بچوں کی زندگیاں تو معصوم اور بہت پیاری ہوتی ہیں ان کی زندگی کی تصویریں آپ کو اتنی ہی اچھی لگیں گی جتنی آپ خود اچھی پینٹنگ کریں گے۔ اللہ جی نے تو انہیں بہت پیارا بنایا ہے کیوں نا انہیں پیارا ہی رہنے دیا جائے۔ جس طرح سے اللہ جی نے پانی سمندر سے بھی دیا ہے اور تالاب

> **ایسے ہی خواب بڑوں**
> **میں ہوتے ہیں بچوں**
> **میں بھی**

سے بھی پانی دونوں میں ہوتا ہے ایسے ہی پیار بھی ہے جو بہت بڑے میں بھی ہوتا ہے اور بچے میں بھی۔ سمندر میں مچھلیاں ہوتی ہیں تالاب میں بھی ہوتی ہیں، ایسے ہی خواب بڑوں میں بھی ہوتے ہیں بچوں میں بھی ہوتے ہیں ان کے اپنے جذبات، احساسات، سوچیں، عزت اور عقل ہوتے ہیں کیونکہ ان میں بھی دل ہوتا ہے جو گائے کے بچے کی طرح جگالی نہیں کرتا، صندل کی طرح سلگتا ضرور ہے۔ بچے تو ہر عمر کے بچے ہوتے ہیں جیسے چھوٹے بچوں کو بچہ سمجھ کر اس سے بچوں کا رویہ ہی طلب کیا جاتا ہے ایسے بڑوں سے ہمیشہ عقلمندی کی امید کیوں رکھی جاتی ہے اور اگر وہ بچے جیسے ہوں تو کیوں روکا جاتا ہے...... ہم تو یہ کہتے ہیں کہ بچے ہر عمر کے بچے ہوتے ہیں اور ان کو کسی عمر سے قید کر کے ان سے مخصوص رویے کی چکی نہیں پسوانی چاہئے بلکہ ہر کسی کو آزادی ہونی چاہئے اس لئے کہ پیار کا بچہ پیار ہے اور یہ چھوٹا بڑا نہیں ہوتا۔ جب انسان دنیا میں آیا ہی پیار کرنے کے لئے تو پھر لامحدودیت کو محدود کیوں کیا جائے؟ اگر انسان اپنے اندر کے بچے کو مار دے تو...... جیسے بچے لڑائی کے بعد پھر مل جاتے ہیں مگر بڑے خفگیاں برقرار رکھتے ہیں اگر ہم سب ایک دوسرے کے اندر بیٹھے ہوئے بچے کو ذہن...... لیں تو دنیا پیاری ہو جائے گی اور اگر بچے...... جنت کے پھول ہیں تو پھر ہماری جنت کی ابتداء تو یہیں سے ہو گی۔

"ایک محبت سو افسانے" سے بابر حیات کا انتخاب



اشفاق احمد

باہر بڑے زور کی بارش ہو رہی تھی۔ برساتی نالوں کا شور بڑھ گیا تھا اور سیٹیاں بجاتی ہوئی ہوا چنگھاڑنے لگی تھی۔ بادل شدت سے دھاڑا۔ بجلی کا ایک کوندا تیزی سے لپکا اور پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی پر چیل کے ایک جھنڈ سے ایسے پٹاخے چھوٹے گویا مشین گن چل گئی ہو۔ پروین نے لحاف اپنے منہ پر کھینچ لیا۔ سلیم اور نعیم جو ایک ہی بستر میں لیٹے ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے ایک دم خاموش ہو گئے اور شڑاپ شڑاپ کرتی دھاروں کے درمیان عجیب ان ہونی سی چیخیں سننے لگے۔ پھر ایک زور کا دھماکہ ہوا اور برستی بوندوں میں بہت سے درخت دھڑام سے گرے۔ "کیا ہوا باجی؟" فہیم ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا...... "کچھ نہیں بجلی گری ہے" پروین نے اپنے خوف کو دباتے ہوئے کہا۔

"بجلی؟ کہاں گری۔" فہیم نے پھر پوچھا۔ "قریب ہی گری ہے...... مگر تم سو رہو یار" اس دفعہ باجی کے بجائے سلیم نے جواب دیا۔ وہ چپکا ہو کر لیٹ ہو گیا مگر اس کے دل میں خرف ابھی کروٹیں لے رہا تھا۔ بجلی کیوں گرتی ہے؟ کہاں گرتی ہے؟ کیسے گرتی ہے؟ گھروں پر تو نہیں گرتی؟ بہت سے ایسے سوال تھے جن کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ شاید کوئی بتا دے اس کے ننھے سے دل میں امید کی چھوٹی سی کرن راستہ بھولے ہوئے جگنو کی طرح ٹمٹمائی اور پھر ایسے ہی جلتی بجھتی خاموش ہو گئی۔ نسرین زانوؤں کو پیٹ میں دیئے گھوک سو رہی تھی اور اس کے الجھے ہوئے بدبودار بال ناک کے نتھنوں پر سانس کی آمد و رفت کے ساتھ ساتھ ویلو کی طرح کھلتے چنتے اور پھر الگ ہو جاتے۔ فہیم نے اس کا گرم گرم سانس اپنی ٹھنڈی ناک پر محسوس کیا اور پرے ہٹ گیا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ نسرین کے بال جڑ سے اکھاڑ کر تکیے کے نیچے دے دے مگر سوئے ہوئے پر حملہ کرنے کو اس کا دل نہ مانا۔ بارش ذرا تھمی تو ژوں ژوں کرتی ہوا کی تیزی میں اضافہ ہو گیا۔ پروین نے لحاف سرکا کر نانی اماں کی طرف دیکھا جو چوکی پر بیٹھی ہونٹوں کو جلدی جلدی جنبش دیئے جا رہی تھیں۔ ان کی تخ بستہ اور مڑی ہوئی انگلیاں تسبیح کے دانوں سے کھیل رہی تھیں۔ ایک دانے پر دوسرا دانہ ایسے گرتا جیسے آنسو کے بعد آنسو۔ آتش دان میں دہکتے ہوئے کوئلوں پر سفیدی کی ایک تہہ چڑھ چکی تھی اور وہ بوڑھے مینڈکوں کی طرح ہانپ رہے تھے۔ بلب کے گرد چکر لگانے والا ایک بڑا سا پتنگا بار بار شیڈ سے ٹکراتا اور ہلکا سا ارتعاش پیدا کر دیتا۔ کبھی ہوا اپنا رخ بدلتی تو بارش کی نوجوان اور سڈول بوندیں باغ میں کھلنے والے دریچوں کے شیشوں پر چھن چھن شن شن جھنیاں بجانا شروع کر دیتیں۔ "ہٹاؤ یار اپنی ٹانگ" سلیم نے جھلا کر کہا "پھر میرے اوپر ڈال دی!" "کہاں لے جاؤں اسے؟" نعیم نے تنگ کر پوچھا "جگہ بھی تو ہو" "جگہ تو کافی ہے ادھر" سلیم اٹھ کر بیٹھ گیا اور چارپائی کے اس طرف ہاتھ پھیرنے لگا۔ "ادھر جگہ ہے تو تم ادھر آ جاؤ" نعیم نے غصے اور نفرت کے ملے جلے جذبات سے کہا۔ "اچھا" سلیم مان گیا اور انہوں نے جگہ بدل لی۔ پروین کا لحاف اب کھسک کر کندھوں تک آ گیا اور اس نے اپنے پپوٹوں کو تیزی سے جھپکنا شروع کر دیا تا کہ سارا خوف کڑوی کسیلی دوا کی طرح بہہ جائے۔ سلیم نعیم کی چارپائی اور اس کی پلنگڑی کے درمیان نانی اماں کی کھاٹ حائل تھی۔ جس کے سرہانے لوہے کے سپرنگ دار پلنگ پر فہیم اور نسرین لیٹے ہوئے تھے۔ تسبیح کی گردش رکی۔ دعا کے لئے ہاتھ اٹھے اور چہرے پر پھر گئے۔ نانی اماں بستر پر بیٹھیں اور پھر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ طاق سے دیا سلائی اٹھا کر انہوں نے دروازہ کھولا۔ ہوا کا سرد جھونکا اندر لپکا اور حجامت بنانے والے بلیڈ کی طرح سب کے کانوں پر پھر گیا۔

"اوئی اللہ...... نانی اماں بھی کمال کرتی ہیں" پروین نے پھر اپنا لحاف سر پر کھینچ لیا۔ فہیم نے یہ دیکھنے کے لئے کہ نانی اماں نے کیا کمال کیا ہے جھٹ اپنا لحاف اٹھا دیا مگر وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ نہ نانی اماں نہ کمال! اسے کو رضائی میں منہ چھپائے دیکھ کر اسے بہت حیرت ہوئی۔ سامنے باورچی خانہ میں نانی اماں دیا سلائی جلائے ادھر ادھر کچھ دیکھ رہی تھیں۔ صحن میں برستی ہوئی

بوندوں میں سے دیا سلائی کی ڈبیا کی آنکھ کی طرح جھلملاتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ نعیم کو ایسے لگا جیسے کوئی نیک دل پری بوڑھی ملکہ کا بھیس بدل کر ان کے گھر آج تک رکھنے آئی ہو۔ جب وہ آ کر دوبارہ اپنے بستر پر لیٹ گئیں تو سب نے سوائے نعیم کے اپنے چہرے رضائی سے نکال لیے۔ "یار تیری یہ ٹانگ پھر ادھر آ گئی" سلیم نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں کیا کروں پھر؟" نعیم غصے سے بولا۔ "کرنا کرانا کیا ہے' اسے اپنے پاس ہی رکھو" "اپنے پاس ہی تو ہے" "اپنے پاس تو نہیں" "نہیں تو نہ سہی" "نہ سہی کا کیا مطلب؟" "مطلب کیا ہوتا تھا' وہی جو ہوتا ہے" "جنگلی!" آغا صاحب دوسرے کمرے سے فوجی انداز میں دھاڑے "کیا بات ہے؟" "سلیم بھائی خواہ مخواہ تنگ کر رہے ہیں" نعیم نے بسور کر کہا۔ "یہ جھوٹ کہتا ہے ابا جی" سلیم کی نسوانی آواز بڑی مشکل سے آغا صاحب تک پہنچی "بار بار اپنی ٹانگ میرے اوپر ڈال دیتا ہے" "مگر ابا جی......" "شٹ اپ مگر ابا جی کا بچہ" کمرہ گونجا مگر اور ابا جی کا بچہ خاموش ہو گیا۔ "نا بیٹا لڑا نہیں کرتے" نانی اماں نے کہا "بھائی بھائی تو محبت پیار سے رہتے ہیں" "سلیم بھائی ہمیشہ اسی طرح کرتے ہیں" نعیم نے رو کر کہا۔ "تم تو خواہ مخواہ رونے لگتے ہو یار جنگلی' ذرا اپنی اس ٹانگ کو اپنے پیٹ پر تو لٹا کر دیکھو۔ موگری ہے موگری"۔ اس تشبیہ پر نعیم ایک دم ہنس دیا اور غیر ارادی طور پر اس کی ٹانگ سلیم کے پیٹ پر جا گری۔ "بھائی جان تم میرے ساتھ سو جاؤ" پروین نے سلیم کو مشورہ دیا۔ "نا تیرے ساتھ کیوں سو جائے" نانی اماں چمک کر بولیں "بھائی بھائی جھگڑا ہی کرتے ہیں...... تمہارا نانا اور اس کے بھائی عمر بھر ایک دوسرے سے جھگڑتے ہی تو رہے" "کیوں' نانی اماں" پروین نے حیران ہو کر پوچھا۔ "بس ایسے ہی' بھائی جو ہوئے...... دراصل جھگڑا تو میری وجہ سے چلتا تھا۔ بابو بھائی' خدا اسے جنت نصیب کرے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اس کی روح کو ثواب پہنچے ہمیشہ میری طرف داری کرتا تھا۔ تمہارا نانا' خدا اسے کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے' فقیر تھا"۔ "فقیر؟" نعیم بھونچکا ہو کر اٹھ بیٹھا۔ "ہاں بیٹا...... مگر یہ فقیر نہیں جو گلیوں میں مارے مارے پھرا کرتے ہیں"۔ نانی اماں نے فقیر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا "مگر تم ابھی تک جاگ رہے ہو نعیمو بیٹا؟"

"ہوں" کہہ کر نعیم پھر لیٹ گیا اور رضائی کے درے سے چپٹی ناک والا چہرہ نکال کر غور سے نانی اماں کی باتیں سننے لگا۔ "...... طبیعت کے بادشاہ تھے تمہارے نانا' دل میں کسی چیز کی ٹھان لی تو پھر اسے پورا کر کے ہی دم لیا۔ ہم لاکھ سر ماریں' منتیں خوشامدیں کریں' طعنے الہنے دیں مگر وہ وہی کچھ کرتے جو انہیں پسند ہوتا۔ گڑھ شنکر میں نائب تحصیلدار تھے۔ اتنی بڑی حویلی دو بھینسیں ایک گھوڑی چار کتے۔ کسی نے آ کر شگوفہ چھوڑ دیا کہ کانگڑہ میں ایک درویش آئے ہیں جو کہتے ہیں پورا کر دکھاتے ہیں۔ کسی سے ملتے نہیں۔ کسی کو مرید نہیں بناتے۔ وہ تو ایسی باتوں کے دل سے خواہاں تھے۔ جھٹ استعفیٰ لکھ بھیجا۔ صاحب بہادر نے بہت روکا مگر نہ مانے۔ تار بھیج کر تمہارے نانا اکبر کو بلایا اور مجھے اس کے ساتھ گاؤں بھیج دیا۔ میں نے لاکھ منتیں کیں۔ ہاتھ جوڑے۔ اللہ رسول کا واسطہ دیا مگر ان کا دل ہمارے تمہارے ایسا ہوتا تو مانتے۔ میں نے کہا "اس موئے بتانے والے سے کوئی پوچھے۔" "تجھے علی کی سنوار جب وہ کسی سے ملتا نہیں تو اس کی کراماتوں کا پتہ کیسے چلا؟ مگر تمہارا نانا بھی ایک ہی ضدی تھا۔ کہنے لگا "کاملوں کی کرامتیں بھلا چھپ سکتی ہیں؟ تم تو پگلی ہو...... بجائے خوش ہونے کے خفا ہوتی ہو۔ وہاں جا کر آخرت کا توشہ مہیا کروں گا۔ درویش کی خدمت گزاری اس ملازمت سے بدرجہا اچھی ہے۔ سرکار کی نوکری کاجل کی کوٹھڑی ہے اور اس میں دھبہ لگنے کا ڈر لگا ہی رہتا ہے"...... میں اس خبر لانے والے' استعفیٰ منظور کرنے والے اور تمہارے نانا کو کوستی وہاں سے چل دی کہ پاک پروردگار ان سب پر میرا صبر پڑے......" "نانا جی پر کیوں؟" نعیم نے پوچھا تو سب ہنس پڑے۔ "یار تم سو رہو" سلیم نے اسے مشورہ دیا "خواہ مخواہ میں نیند حرام کرتے ہو" "پھر وہ کامل ہو کر آئے نانی اماں؟" پروین نے پوچھا۔

"خاک! کامل کہاں سے ہوتے جو کچھ پاس تھا۔ وہ کانا درویش لے گیا...... ان موئے کانوں کی ایک رگ سوا ہوتی ہے نا۔ کھا پی سب کچھ ہضم کر کے راتوں رات نو دو گیارہ ہو گیا۔ تمہارا نانا شامت کا مارا پیدل چلتا گھر پہنچا۔ اس کی حالت دیکھ کر میرا دل دھک سے رہ گیا۔ بڑھی ہوئی مونچھیں' کھلیان ایسی داڑھی' مسلسل فاقے کاٹنے سے پچکی سامنے نکل آیا تھا۔ پھٹی ہوئی قمیص سے کھوے باہر جھانک رہے تھے...... نعیم نے اپنی کندھوں سے پھٹی ہوئی قمیص کو ٹھوڑی سے دبا لیا۔ "میاں جی' اللہ ان کی قبر نور سے بھری رہے' تمہارے نانا پر بہت برسے" نعیم نے گردن پھرا کر باہر برستی ہوئی بوندوں کو سنا اور پھر متوجہ ہو گیا "کہتے تھے تمہیں اپنی جائیداد سے عاق کر دوں گا۔ جب تک زندہ ہوں اس گھر میں تو کیا اس گاؤں میں بھی قدم نہ رکھ پاؤ گے۔ یاد رکھو تم نے میری بہو اور معصوم بچی کو تنگ کیا ہے......" "معصوم بچی کون نانی اماں؟" پروین نے پوچھا۔

"اے تمہاری بڑی خالہ بیٹی!" نانی اماں نے جواب دیا "وہ چھوٹی سی تو تھی ابھی پاؤں چلنا سیکھا تھا کہ آنکھیں دکھنے آ گئیں اور جب وہ ذرا......" "کیا کتھا چھیڑ رکھی ہے نانی جی؟" دوسرے کمرے سے آغا صاحب کی آواز رعد کی طرح کڑکی۔ "بچوں کو سونے دیجئے۔ آدھی آدھی رات تک جگائے رکھتی ہیں آپ اور پھر صبح......" "نا! نا! آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ ماں کا دل میلا ہو جائے گا" آغا صاحب کی بیوی نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر وہ آپس میں جھگڑنے لگے۔ نعیم نے اپنا چہرہ رضائی کے اندر کھینچ لیا "اللہ کرے...... اللہ کرے ابا جی......" اسے کوئی مناسب بددعا سوجھ نہ سکی کیونکہ آغا صاحب اسی شام بارش ہونے سے چند گھنٹے پہلے اس کے لیے کل کا ایک فوجی سپاہی لائے تھے جو کوک بھرنے سے اپنی سیاہ بندوق ادھر ادھر گھماتا تھا۔ "پھر کیا ہوا' نانی اماں؟" نعیم نے آہستہ سے پوچھا۔ "نا بابا' تمہارا ابا ناراض ہوتا ہے...... اب سو جاؤ" نانی اماں نے دکھے دل سے کہا۔ "ابا جی تو ہمیشہ ایسے ہی کیا کرتے ہیں...... ابا جی کے بچے"۔ پروین نے نفرت سے کہا اور نانی اماں کا کندھا ہلا کر کہنے لگی "سنائیے! سنائیے! نانی اماں' ہولے ہولے چپکے چپکے"۔ "یار نعیم' ذرا پرے رہ"۔ سلیم نے درخواست کی۔ "تجھ سے تو بھینس کے کٹڑے کی سی بو آتی ہے"۔ "اور گلاب کا عطر تو میرے خیال میں تیرے پسینے کو شیشی میں بند کرنے سے بن جاتا ہے نا" نعیم بھنا کر بولا۔ "بے شک" اور جب نعیم کو کوئی جواب نہ سوجھا تو وہ اور نزدیک ہو گیا "لے میں تو ایسے ہی سوؤں گا۔ کر لے جو کچھ کرتا ہے" "دیکھو نانی اماں" سلیم منمنایا۔ "نا بیٹا' جھگڑو نہیں تمہارا باپ تو کمرہ سر پر اٹھا لے گا" نعیم نے یہ سنا تو لحاف کھسکا کر کمرے کی چھت دیکھنے لگا۔ "میرے اتنے بچے ہوئے" نانی اماں نے پھر کہنا شروع کیا "مگر تمہارے نانا نے کبھی ان کو پھول کی چھڑی تک نہ ماری۔ کہا کرتے تھے بچے تو فرشتے ہوتے ہیں' ان کو مارنا گناہ ہے۔ تمہاری کراچی والی خالہ دن بھر محلہ کی تلیوں اور جلاہی سہیلیوں سے کھیلتی رہتی اور جب شام کو گھر واپس آتی تو کپڑے میلے' چیکٹ اور جھونٹوں میں من من خاک۔ میں دہائی دے کر مارنے لگتی تو گود میں اٹھا کر باہر نکل جاتے۔ میں کہتی تم اسے خراب کر دو گے تو الٹا مسکرانے لگتے کہ فرشتے بھی خراب نہیں ہوتے۔ ان کے پاؤں میں چکر تھا۔ تین مہینہ سے زیادہ گھر پر نہیں ٹھہرے۔ باہر دیوان خانے میں بیٹھے بیٹھے دل میں جانے کیا آتا۔ منہ اٹھا کر چل دیتے۔ یہ نہیں پتہ کہاں جا رہے ہیں۔ کب آئیں گے کچھ پاس ہے کہ نہیں۔ بیوی بچوں کے لیے بھی کچھ چھوڑ کر جا رہے ہیں یا نہیں۔ میں نے بیسیوں مرتبہ کہا کہ لڑکیوں کے لیے کیا سوچ رکھا ہے۔ آخر پرایا دھن ہے۔ کچھ دے کر ہی جان چھوٹے گی۔ مگر ان کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔ مسکرا کر یہی کہتے "تم جانو اور تمہارا بیٹا۔ جب آنکھ بند کر لی پیچھے کچھ ہی ہو۔ میں رونے لگتی تو مجھے دلاسا دے کر کہتے "خواہ مخواہ پریشان ہوتی ہو۔ اللہ مالک ہے۔ جس نے چونچ دی وہ چوگا بھی دے گا"...... خدا بخشے میری ساس ذرا سخت طبیعت کی تھی۔ گھر کا سارا کام کاج مجھے ہی کرنا پڑتا۔ باقی سب بہوؤں کے گھر والے تو ساتھ رہتے تھے۔ ذرا بھی تنگی ترشی ہوتی۔ ٹسوے بہاتیں۔ ان سے جا لگاتیں۔ مجھ بیچاری کا کون تھا جس پر پھول بیٹھتی۔ عمر بھر نوکر بن کر ان کی خدمت کی۔ دن بھر مکی کا آٹا گوندھتے گوندھتے میری کلائی ٹیڑھی ہو گئی"۔ نانی اماں نے لحاف سے اپنا ہاتھ باہر نکالا تو نعیم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پروین نے کہا "ہائے اللہ واقعی نانی اماں کا ہاتھ ٹیڑھا ہے"

"دکھانا! دکھانا!" سلیم اور نعیم ایک دم بول اٹھے اور نانی اماں نے اپنا ہاتھ ادھر بڑھا دیا۔ جب وہ دیکھ چکے تو نعیم نے آہستہ سے کہا۔ "میں بھی دیکھوں نانی اماں" مگر نانی اماں نے اسے بستر میں چھپا لیا تھا۔ "او تو ابھی تک جاگ رہا ہے" نعیم نے پوچھا "سو جا کیا کرے گا دیکھ کر" "سو جا' میرے لال" نانی اماں نے چمکار کر کہا "مجھے ٹھنڈ لگتی ہے" "یہ کیا گڑبڑ ہے...... ہیں؟" آغا صاحب کا بادل پھر گرجا "حرام زادو! ساری رات جاگتے ہو اور صبح مردوں کی طرح اٹھنے کا نام نہیں لیتے" پھر ان کی اور ان کی بیوی میں تکرار شروع ہو گئی۔

"بیٹا' یہ بتی گل کر دو" نانی اماں نے سلیم سے کہا اور خود منہ ہی منہ میں کوئی آیت پڑھنے لگی۔ سلیم نے بستر پر

کھڑے ہو کر بتی بجھائی تو باہر سے ٹھٹھرتا ہوا اندھیرا اندر سمٹ آیا۔ دروازوں اور کھڑکیوں کے شیشے دھندلے دھندلے ہو گئے۔ گو ان میں سے کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ تاہم ایسے لگتا تھا کہ ابھی کچھ دکھائی دینے لگے گا۔ آتش دان میں پڑے ہوئے کوئلوں کی چمک بڑھ گئی اور بوندوں کی ٹاپ ٹاپ میں اضافہ ہو گیا۔ سب نے یوں محسوس کیا جیسے بتی بجھانے سے سردی بڑھ گئی ہے اور ہر ایک نے اپنا لحاف اپنے گرد اچھی طرح سے لپیٹ لیا۔ فہیم اور نسرین کا لحاف بہت پتلا تھا۔ اس وجہ سے ان پر ایک کمبل ڈالا ہوا تھا جو آہستہ آہستہ کھسکتا جا رہا تھا۔

''ایسی ہی سرد رات تھی'' نانی اماں نے کہنا شروع کیا ''جب تمہارا نانا گھر سے نکل کھڑا ہوا اور بہت دور نکل گیا۔ اندھیاری رات' تیز بارش اور قدم قدم پر گہری کھڈیں۔ مگر وہ چلتا رہا اور چلتا رہا۔ اچانک اسے باؤلی لومڑی کے چلانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اس کسمپرسی کی حالت میں نہ پاس لاٹھی تھی نہ لکڑی۔ توکل کے سر پر چلتا رہا۔ آنکھیں بند کئے' اللہ سے لو لگائے کہ ایک دم باؤلی لومڑی سے پنڈلی پر کاٹ کھایا......''

''پھر؟'' فہیم نے تڑپ کر پوچھا۔

''یار سنو تو سہی'' سلیم نے دوستانہ طور پر کہا ''خواہ مخواہ بیچ میں اپنی ٹانگ اڑا دیتے ہو''

''ہاں بیٹا' تو چپکے رہ کر سنے جا۔ بڑوں کی باتوں کو ٹوکا نہیں کرتے'' نانی اماں نے اسے آداب سکھاتے ہوئے کہا۔ ''اچھا پھر' نانی اماں؟'' سلیم نے پوچھا۔

''پھر کیا...... تمہارے نانا فوج میں صوبے دار رہ چکے تھے۔ لپک کر اسے گردن سے پکڑ لیا کلوں میں انگلیاں ڈال کر جو زور لگایا تو گردن تک چیر کے رکھ دیا۔ پھر ایک جبڑے پر پاؤں رکھ کر تھوتھنی ہاتھ میں پکڑ کر جو ایک جھٹکا دیا تو لومڑی دو حصوں میں چیر کر رکھ دی۔ اندھیرے میں اس کا کلیجہ نکال کر چبا گئے۔'' ''کیوں؟'' نعیم نے پوچھا۔

''باؤلی لومڑی کاٹ کھائے تو اس کا علاج یہی ہے کہ اس کا کلیجہ کھا جاؤ''۔

''کچا ہی کھا لیا؟'' فہیم نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''ہاں یار' کچا ہی'' سلیم نے ترش رو ہو کر جواب دیا ''میں پوچھتا ہوں تم سوتے کیوں نہیں'' وہ پھر چپکا ہو گیا۔ تو سلیم نے نعیم سے ملتجیانہ لہجے میں کہا ''یار اب تو اٹھا لے اپنا زانو میری تو ٹانگ بھی جھنانے لگی ہے''۔

''لے بابا لے...... بس؟'' نعیم نے پوچھا۔

''ہاں...... بس...... مہربانی''

''نانی اماں' لومڑیاں یہاں بھی ہوتی ہیں؟'' پروین نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

''نہیں بیٹی' یہاں نہیں ہوتیں۔. یہاں تو صرف بندر ہی ہوتے ہیں'' نانی اماں نے تسلی آمیز لہجہ میں جواب دیا۔

''بندر تو ہوتے ہیں پر...... اچھا......'' پروین نے خود ہی فقرہ بیچ میں چھوڑ دیا۔

''پر کیا باجی؟'' فہیم نے ہولے سے پوچھا۔

''کچھ نہیں'' پروین نے جواب دیا۔

''یہ حضرت جی آج نہیں سوئیں گے'' نعیم نے طنز کی۔ فہیم چپکا ہو رہا اور نسرین کو پرے دھکیل کر پہلو کے بل لیٹ گیا۔

''جب بھی تمہارے نانا باہر سے آتے کوئی تحفہ ضرور لاتے'' نانی اماں کو اچانک پھر خیال آیا ''کبھی کسی فقیر کو ساتھ لے آتے۔ کبھی کوئی خوبصورت کتا اٹھائے چلے آتے۔ کبھی کسی غریب عورت کو بال بچوں سمیت گھر میں لا بٹھایا کہ ان کی خدمت کرو میں کما کر لاؤں گا پھر جب تک وہ عورت رہتی نوکری ضرور کرتے۔ اس کے بچوں کے لئے کپڑے بنواتے انہیں پڑھواتے اور جب کوئی اور وسیلہ اپنے سے بہتر ان کے لئے دیکھتے انہیں وہاں جانے کی تلقین کرتے۔ کشمیر سے ڈھائی تین سو روپیہ کما کر لائے اور راستہ میں ایک گائے خرید لی۔ من موہنی رنگ برنگی ننھے ننھے سینگوں والی......''

''جیسی کراچی والی خالہ کے پاس ہے'' فہیم نے خوش ہو کر پوچھا۔

''بھئی فہیم' بات تو سننے دو یہ کیا بدتمیزی ہے'' پروین نے جل کر کہا۔

''ہاں ویسی ہی' بلکہ اس سے بھی خوبصورت...... آتے ہی زنانہ کروایا اور کھونٹے گڑوانے لگے۔ جب گائے بندھ چکی تو ہم سب دیکھنے آئے' سنہری جسم کی' اس پر سفید دھبے۔ تمہارا ماموں نذر اس وقت چھوٹا ہی تھا۔ خوش ہو کر بولا جب مرے گی میں اس کی کھال سے اتنی ساری جوتیاں بنواؤں گا ہنس کر کہنے لگے' دیکھ لو جی اپنے بیٹے کے ڈھنگ' ہماری گائے کی موت کی دعا مانگ رہا ہے''۔

''نانی اماں'' فہیم نے اٹک کر پوچھا ''کتے کے چمڑے سے بوٹ نہیں بنتے'' اسے جون صاحب کا کتا یاد آ گیا جو کل مرا تھا اور جسے انہوں نے ''بمعہ'' کھال کھڈ میں پھینک دیا تھا۔

''یار جنگی! کل فیمو کا بوریا بستر یہاں سے اٹھواؤ'' سلیم نے تنگ کر کہا۔ فہیم سہم گیا اور اپنی دونوں ٹانگوں کو کھینچ کر پیٹ سے لگا لیا۔

''وہ اتنا عرصہ سرکاری نوکر بھی رہے۔ تجارت بھی کی۔ دوسری ملازمتیں بھی کیں۔ مگر سوائے فوج کے کبھی بوٹ نہ پہنے۔ میری خواہش تھی کہ وہ بھی دوسرے بھائیوں کی طرح ٹھپ ٹھپ کرتے چلیں۔ آخر کون سی کمی تھی ان میں مگر وہ نہیں مانے۔ یہی کہتے رہے' بوٹ پہن کر آدمی مغرور ہو جاتا ہے۔ اس کی اونچائی اور آواز انسان کے دل میں تکبر پیدا کر دیتی ہے۔ میں اور سارے کام کرنے کو تیار ہوں پر بوٹ نہیں پہنوں گا......''

فہیم نے سپرنگ دار پلنگ پر سے لٹک کر اپنے بوٹوں کو نانی اماں کی چارپائی کے نیچے دور دھکیل دیا۔

''اور اس گائے کا کیا بنا' نانی اماں؟'' پروین نے پوچھا۔

''بننا کیا تھا۔ کاغذ کی مورت سے گھر سجا کر رکھ دیا۔ میں بالٹی لے کر دوہنے لگی تو لات مار کر دور ہٹ گئی۔ بھوکی سمجھ کر چارہ ڈالا۔ وہ اس کے کھانے میں مشغول ہوئی اور میں نے موقعہ جان کر اسے دوہنا شروع کیا۔ لاکھ تھن دباتی' پانی لگاتی مگر وہ بند نلکے کی طرح سوں کر کے وہیں رہ جاتے۔ شام کو آئے تو میں نے پوچھا خریدتے وقت دودھ کر نہیں دیکھی تھی۔ منہ ڈھیلا کر کے کہنے لگے۔ دودھ کے لئے تھوڑی خریدی ہے۔ خوبصورتی کے لئے سودا کیا ہے۔ میں خون کے گھونٹ پی کر چپ ہو رہی۔ انہیں کون سمجھاتا...... جب وہ اگلے دورے پر گھر سے نکلے تو میں نے اسے بیس روپیہ میں بیچ دیا۔

''دوئے صفر بیس؟'' فہیم نے آہستہ سے کہا۔ مگر اب کے کوئی نہیں بولا۔ شاید کسی نے سنا نہیں۔

''ادھر وہ گھر سے نکلتے ادھر بابو بھائی روپیہ کے بتیس لفافے لے آتے۔ جس کسی نے پتہ دیا ادھر ایک لفافہ لکھ دیا اور جب تک جواب نہ آتا ایسے ہی کرتے رہتے اور وہ بھی ایسے تھے اب انہیں کس منہ سے کوسوں' کہ جواب تک نہ دیتے تھے۔ بابو بھائی جب بھی ان سے آنے کی درخواست کرتے وہ یہی عذر لکھ بھیجتے۔ کیسے آؤں! کیونکر آؤں! میں بابو بھائی سے ہمیشہ یہی کہتی لکھ دو'' کیا پاؤں میں مہندی لگی ہے جو آ نہیں سکتے یا لنگڑے راہ مارتے

ضرورت

آج اس کا فیکٹری میں پہلا دن تھا کہ ایک فورمین اس کے پاس آیا اور پوچھنے لگا ''تم ہماری فٹ بال ٹیم میں شامل ہونا پسند کرو گے؟''

''یقیناً میں پسند کرتا۔'' نوجوان نے مسکرا کے جواب دیا مگر مجبوری یہ ہے کہ آج تک میں نے فٹ بال نہیں کھیلی۔

''کوئی حرج کی بات نہیں'' فورمین نے کہا۔ ہمیں کھلاڑی کی نہیں بلکہ ریفری کی ضرورت

ہیں؟'' اور جب بابو بھائی انہیں یہ لکھتے کہ یہ بھابی نے لکھوایا ہے تو آنے کی تیاری شروع کر دیتے گو آ نہ سکتے''

''آ کیوں نہ سکتے نانی اماں؟'' فہیم نے پھر پوچھا۔

''بابا تمہیں سمجھ تو ہے نہیں۔ خواہ مخواہ باتیں سن رہے ہو'' نعیم نے تنگ آ کر کہا ''بھلا کس کی باتیں ہو رہی ہیں؟ کچھ خبر بھی ہے یا یونہی رت جگا منائے جاتے ہو؟'' جب نانی اماں نے بھی یہی کہا ''بیٹا! تم سو جاؤ۔ مفت میں نیند خراب کرتے ہو نہ کچھ تمہارے پلے پڑتا ہے نہ ہمیں بات کرنے دیتے ہو'' تو فہیم خاموش ہو گیا۔ اس کے ننھے سے دل کی جھیل میں ہر بات کنکر کی طرح گرتی۔ لہریں پیدا ہوتیں اور پھر بڑھتی جاتیں اتنی دور تک کہ اس کا دل ان حلقوں میں پھنس جاتا اس بری طرح سے کہ نکالے نکل نہ سکتا۔

''...... پپ کتا سب سے عزیز تھا اور سچی بات بھی یہی ہے کہ وہ تھا بھی بہت سمجھ دار۔ ایک بار ہمارے پڑوس میں چوروں نے سیندھ لگائی اور دو صندوق اٹھا کر لے گئے۔ پپ چھت کی منڈیر پر کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب وہ جانے لگے تو ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ تلار کے جنگل میں جا کر انہوں نے دونوں صندوقوں کو دبا دیا۔ پپ سب کچھ دیکھتا رہا۔ جب وہ چلے گئے تو سیدھا گھر پہنچا اور تمہارے نانا کی چادر پکڑ کر کھینچنے لگا۔ وہ نیند میں تھے۔ پپ کے زور کا تھپڑ مارا......''

''تھپڑ کیوں مارا؟'' فہیم نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''یار حد ہو گئی'' سلیم نے کہا ''کس نے مارا بھلا تھپڑ پپ کیا ہوتا ہے بھلا؟''

سلیم کو درشتی سے مخاطب دیکھ کر فہیم پھر چپ ہو گیا۔

''وہ چونک کر اتنی دور جا کھڑا ہوا'' نانی اماں نے پھر شروع کیا ''اور کو کنے لگا میں نے انہیں اٹھایا کہ کوئی خاص بات ہے جو چلا رہا ہے۔ وہ اٹھ کر باہر گئے تو گورا ندتہ سر پیٹ رہا تھا اور سیندھ لگی دیوار سے چاند کی روشنی اندر جا رہی تھی۔ پپ اب بھی ان کے ساتھ چونس چونس!! کرتا بار بار دروازے کی طرف جاتا تھا۔ جب اس کی بے چینی حد سے بڑھ گئی تو تمہارے نانا اس کے ساتھ چلے۔ ان کے ہمراہ گورا ندتہ اور گاؤں کے دو تین دوسرے لٹھ بند جوان بھی۔ پپ تلار کے جنگل میں اسی جگہ جا کر زمین کھودنے لگا۔ صندوق برآمد ہو گئے۔ گورا ندتہ پھولا نہ سمایا۔ سو روپے تمہارے نانا کو دیے کہ یہ پپ کے دودھ کے لئے ہیں مگر انہوں نے نہ لئے......''

''لئے کیوں نہ؟'' فہیم نے پھر پوچھا۔

''بس! ایسے ہی'' نانی اماں نے جواب دیا۔

''بس نہ لئے سو روپے'' نعیم نے فہیم سے کہا۔

''سو روپیہ بھلا کتنا ہوتا ہے؟'' پروین بھی چمکی اور فہیم ان کے فضول سوالوں سے تنگ آ کر چپ سادھ گیا۔

''سلیم سو گیا؟'' نانی اماں نے پوچھا۔

''ہاں'' نعیم نے جواب دیا اور اپنی ٹانگ اس کے پیٹ پر رکھ دی۔

بجلی زور سے چمکی اور سب سے اونچی چوٹی پر چیل کے درخت روشن دان کے شیشوں میں منعکس ہوئے۔ جب بجلی چمکتی تو بہت دیر بعد بادل کے گرجنے کی آواز سنائی دیتی۔ بجلی کی روشنی بالکل سفید نہ تھی نیلگوں سفید تھی۔ جس کے حاشیہ پر قرمزی رنگ جھلکتا اور دونوں سروں پر سرمئی گرد سی اڑتی دکھائی دیتی۔ جب وہ چمک جاتی تو فضا میں دیر تک پیلی سی لہریا لکیر کانپتی رہتی جس کے چاروں طرف نیلے اور سرخ دھبے سے ناچنے لگتے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ سبز ہو جاتی۔ گہری سبز زمرد کی طرح اور اس رنگ سے زہریلے اور کڑوے سوتے پھوٹتے ہوئے دکھائی دیتے جو ساری فضا کو کسلمند بنا دیتے۔ ایسے لگتا جیسے ساری فضا تلخ ہو گئی ہے اور وہ سبز ٹیڑھی میڑھی لکیر کلر کے مردہ سانپ کی طرح زہر اگل رہی ہے۔ بجلی پھر چمکی اور پہلی سبز مردہ لکیر میں جان پڑ گئی۔ اس کا رنگ پھر زرد ہو گیا۔ سرخ اور نیلے دھبے ایک بار پھر اس کے گرد گھومنے لگے۔ رفتہ رفتہ وہ دونوں تختی خطوط زرد سے سبز ہو کر نیل ملے گلابی ہو گئے۔ ان کے کونے نسواری رنگ اختیار کر گئے اور درمیانی جگہ فاختئی رنگ کی ہو کر دور دور پھیلے ہوئے اندھیرے کی جانب بڑھنے لگی۔ بجلی کی لاش اندھیارے کے چیونٹے گھسیٹے لئے جا رہے تھے۔ کمرے کے اندر کوئلوں پر سفید تہیں بہت دبیز ہو چکی تھیں اور جھنجھری کے نیچے کافی راکھ گر چکی تھی۔ کوئلوں کی حدت کمرے میں بڑھتی ہوئی سردی کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھی۔ اندر ہر چیز خاموش تھی مگر باہر بارش کا شور پھر بڑھ گیا۔

''ایک ایسی سرد رات پپ بھیگ کر مرا ہو گا'' نانی اماں نے پھر کہنا شروع کی۔ ''میں تو گاؤں میں تھی اور تمہارے نانا لورالائی میں پھر نائب تحصیلدار ہو کر آن لگے۔ پپ کو وہ اپنے ساتھ ہی لے گئے تھے۔ کتے رکھنے کا شوق ضرور تھا مگر ان کی دیکھ بھال نہ کر سکتے تھے۔ سب کام نوکروں پر چھوڑ رکھا تھا۔ ایک ایسی ہی سرد رات غلطی سے باہر رہ گیا۔ شب بھر مہاوٹ پڑتے رہے۔ بہتیرا چیخا چلایا، دروازوں کو کاٹتا کھرونچتا رہا مگر شور میں کسی کو آواز سنائی نہ دی۔ دوسرے سب دروازے بند تھے۔ صبح جب باورچی دودھ لانے باہر نکلا تو پپ دروازے کی دہلیز پر سر رکھے سو رہا تھا۔ باورچی نے پچکارا مگر وہ خام

انعامات کی برسات
انچارج کوئز

سید غضنفر علی

پھول دوستو آپ کو انعامات مبارک ہوں۔ اس بار آپ کی قسمت نے یاوری کی اور آپ انعام کے مستحق ٹھہرے جہاں آپ انعام ملنے کی خوشی منائیں وہاں ان دوستوں کا بھی حوصلہ بڑھائیں جن کے انعامات نہیں نکلے انہیں بھی اپنی خوشیوں میں شامل کریں اور اپنی کامیابیوں پہ غرور مت کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور اپنے اندر عاجزی پیدا کریں۔

جن دوستوں کے انعام نکلے ہیں وہ 10 دسمبر بروز اتوار دن گیارہ بجے پھول فورم میں پھول آفس لاہور تشریف لائیں اور کسی اچھی سی مہمان شخصیت کے ہاتھوں اپنا انعام لے جائیں انعامات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

صفحہ بتایئے انعام پایئے

1 - سیدہ فائزہ حسن کاظمی...... نیو گلگشت کالونی ملتان
2 - سیدہ سبط حسن جگنو...... سن رائز کیڈٹ سکول بلاک مسجد ڈھوک جمعہ جہلم شہر
3 - غلام مصطفیٰ...... ستارہ کالونی نمبر 1 گلی نمبر 10 چونگی امر سدھو لاہور
4 - سارا حق...... او پی ایف پبلک ہائی سکول ہنگو
5 - ملک محمد شہزاد احمد...... C/O الحبیب ہوٹل نزد لاری اڈہ تحصیل مچن آباد مین بازار

کوئز کی دنیا

1 - جویریہ تبسم...... C/O تبسم دواخانہ ضیاء الحق شہید روڈ فورٹ عباس
2 - نازیہ حنیف محمود کالونی جڑانوالہ
3 - اعجاز حسین...... اتفاق سٹریٹ ولائیت آباد نمبر 1 ملتان
4 - فارحہ رسول...... عثمان پارک فرید ٹاؤن گوجرانوالہ
5 - ارم فاطمہ۔ دلکشا پارک بینکرز سٹریٹ سانده روڈ لاہور

خصوصی انعام

عاصمہ یحییٰ خان بھکر...... کوٹھی نمبر 2 پولیس کالونی بھکر

پھول کوئز کی قرعہ اندازی عائشہ صدیقہ نے کی آپ پھول گرلز کلب پنجاب کی جنرل سیکرٹری ہیں۔

اس بار حدیث کوئز کا انعام امانت علی گوہر نے حاصل کیا ہے آپ کا تعلق سیکٹر D/2 گلی نمبر 3 ہجرت کالونی کراچی سے ہے۔

حدیث کوئز کی قرعہ اندازی عابد قادری نے کی آپ پھول کلب واربرٹن کے جنرل سیکرٹری ہیں۔

اپنی حرکت پر ہنسی آتی ہے

اپنے زمانے میں

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب میں آٹھویں کلاس میں پڑھتا تھا ہمارے اردو کے ٹیچر ربانی صاحب علامہ اقبالؒ کے بارے میں مضمون پڑھا رہے تھے وہ ساتھ ساتھ لڑکوں سے سوالات بھی کرتے جا رہے تھے علامہ اقبالؒ کس زمانے میں لندن گئے؟ اچانک ربانی صاحب نے کلاس میں یہ سوال کر دیا۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ علامہ اقبالؒ کس زمانے میں لندن گئے تھے۔ لیکن میں نے ہاتھ کھڑا کر لیا ربانی صاحب کی عادت تھی کہ جن لڑکوں نے ہاتھ کھڑے کئے ہوتے۔ ان سے سوال نہیں پوچھتے تھے اس لئے میں بھی ہاتھ کھڑا کر لیا لیکن کہتے ہیں نا کہ جب مصیبت آتی ہے تو بتا کر نہیں آتی۔ ربانی صاحب نے میری طرف اشارہ کرکے کہا اچھا بھئی سبطین تم بتاؤ کہ علامہ اقبال کس زمانے میں لندن گئے تھے۔ اس اچانک حملے پر میں گھبرا گیا جلدی سے کھڑا ہوا اور لڑکھڑاتے ہوئے کہا سر اپنے زمانے میں: میرے اس جواب پر کلاس سمیت ربانی صاحب کی بھی ہنسی نکل گئی۔ اب بھی جب یہ واقعہ مجھے یاد آتا ہے تو مجھے اپنی اس حرکت پر بے اختیار ہنسی آ جاتی ہے۔ (سبطین احمد شاہد سیال خانیوال کہنہ)

زردہ چاول

یہ واقعہ گزشتہ ماہ رمضان کے ستائیسویں رمضان کو رونما ہوا جب بھی یاد آتا ہے ہنسی کی بریکیں فیل ہو جاتی ہیں۔ ہوا یوں کہ ماہ رمضان اللہ کی رحمت و عافیت سے شروع ہوا ہم سب گھر والوں نے رمضان کا اہتمام شروع کیا۔ امی اور ابو عمرہ کی ادائیگی کے لئے ماہ رمضان کے شروع میں ہی چلے گئے تھے چنانچہ اس حالات کے پیش نظر تمام کام بڑی باجی پر آن پڑے۔ اور باجی کو باقی کاموں کی نسبت زردہ چاول بنانے میں گھر پر نمبر ون پر تھیں۔ اور ویسے بھی تمام گھر والوں کو زردہ چاول بے حد پسند تھے۔ افطاری کے وقت وہ زردہ چاول تیار کر لیتیں اور بازار سے سموسے پکوڑے وغیرہ منگوا لیتے۔ افطاری تو ہم سب حضورؐ کی سنت کے مطابق کھجور سے کھولتے بعد میں سویٹ ڈش یعنی زردہ چاولوں کی باری آتی تو تمام مزے سے کھاتے اور باجی کی تعریف کرتے اور انہیں داد دیتے۔ ستائیسویں رمضان امی ابو کی شام چار بجے واپسی تھی۔ تمام گھر والے اور میرے چچا، چچی جان، ان کو لینے چلے گئے اور مجھے اور میرے چھوٹے بھائی کو گھر پر چھوڑ گئے۔ ہم نے سوچا کہ کوئی انوکھا کام کیا جائے۔ جس پر ہمیں انعام بھی ملے اور باجی کی طرح داد بھی وصول کی جائے۔ چنانچہ ہم نے زردہ چاول پکانے کا فیصلہ کیا پہلے ہم نے چاولوں کو اچھی طرح دھویا۔ پھر چاول ابال لئے جب رنگ ڈالنے کی باری آئی تو رنگ کو تلاش کرنا پڑا۔ اوپر سے افطاری کے ٹائم میں بمشکل پچالیس منٹ باقی تھے۔ تلاش کرتے کرتے ایک ڈبہ ہاتھ میں آیا۔ جلدی سے ڈبے کو کھولا اس میں زرد رنگ کی کوئی چیز تھی۔ میں نے سمجھا زرد رنگ ہے۔ سو یہی رنگ ہے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ دیکھا۔ جتنا رنگ ڈالنا تھا ڈال دیا چاول تیار کئے اور مہمانوں کے لئے بازار سے سموسے پکوڑے چپس وغیرہ بھی لے آئے امی ابو اور ان کے ساتھ مہمان بھی آ گئے تمام لوگ ان سے ملے۔ جب افطاری کا وقت ہوا تو ہم نے بڑے فخریہ انداز میں گرم گرم زردہ چاول پیش کئے اور دل ہی دل میں کہا آج تو انعام کے ساتھ ساتھ ہماری باچھیں بھی کھل جائیں گی۔ کھجوروں کے کھانے کے بعد جب چاولوں کے کھانے کی باری آئی۔ تو بس نہ ہی پوچھیں۔ جس کسی نے بھی چاول کا ایک لقمہ منہ میں ڈالا وہ ہمیں ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ چاول کے کھانے کی بجائے ہمیں کھا جائے گا۔ پہلے تو ہم سے سوچا کہ انعام اور داد دینے کے لئے ہمیں سسپنس میں ڈال رہے ہیں۔ لیکن بعد میں بڑی باجی کی جوتیاں کھانے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ چاولوں میں زرد رنگ کی بجائے ہلدی ڈال دی تھی۔ جوتیوں کے کھانے کے بعد ہمارا رنگ بھی زردہ چاولوں جیسا ہو گیا تھا۔ (محمد ادریس عبداللہ پور فیصل آباد)

زبانی جنگ

پچھلے دنوں ہم قبرستان کرکٹ گراؤنڈ میں کرکٹ کھیلنے گئے رستے میں ایک دوسرے سے گپ بازی کرتے جا رہے تھے کہ رستے میں ایک بلڈاگ ٹائپ کتا آ گیا کسی میں ہمت نہ ہوئی تھی کہ آگے بڑھے اچانک وقار میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "ارے یار ڈرنے کی کوئی بات نہیں موصوف ان کا رشتے دار ہے رشتے داری کا کچھ تو خیال رکھے گا اس پر میں جل کر بولا جی ہاں آپ ہی کی نسبت سے اس سے رشتے داری بنتی ہے۔

اس جواب پر سب کے قہقہے نکل گئے۔ خیر کسی طرح ہم وہاں سے گزر کر گراؤنڈ میں پہنچ گئے۔ مخالف ٹیم ابھی نظر نہیں آئی تھی کہ وقار بولا مجھے تو نظر آ رہی ہے کیونکہ میری آنکھیں اور کان بہت تیز ہیں۔ مجھے اپنی پہلے والی بات ثابت کرنے کا موقع مل گیا میں نے فوراً کہا "ناک بھی کافی تیز ہو گی" میرے اس طنز کو سمجھ کر سب ہی ہنس پڑے۔ مخالف ٹیم سے گلے ملتے ہوئے جیسے ہی میں ان کے ایک تنگ منک سے کھلاڑی سے گلے ملا۔ وقار فوراً بول اٹھا "ڈھانچوں کا ٹکراؤ" اس کی اس پھبتی پر ہر طرف قہقہے پھیل گئے۔ میچ شروع ہوا تو وقار سے یکے بعد دیگرے دو کیچ مس ہو گئے بس پھر کیا تھا کپتان صاحب آپے سے باہر ہو گئے جب وقار کو خوب سنا چکے تو میں نے چپکے سے کہا کپتان صاحب ناراض کیوں ہوتے ہو۔ یہ ٹیم کا وقار ہے اور انشاءاللہ اسے نیچے لگا کے ہی چھوڑے گا۔

میں نے اس سے اپنا بدلہ لے لیا تھا گیم کے دوران اسے مجھ پر چوٹ کرنے کا کوئی موقع نہ ملا بلکہ مختلف اوقات اپنی فیلڈنگ کے ہاتھوں وہ مجھ سے زک اٹھاتا رہا۔ میچ ہم نے جیت لیا واپسی پر ایک جگہ ڈھول بج رہا تھا وہ مجھ سے بدلہ لینے کے لئے بولا بتاؤ "ڈھولک کب تیز بجتی ہے" میں نے کہا "مجھے کیا پتہ بھائی آبائی پیشہ تو آپ کا ہے" اس بات پر دیر تک قہقہے گونجتے رہے ہماری یہ جنگ صرف زبانی ہے ورنہ ہم تو یک جان دو قالب ہیں۔ اس زبانی جنگ نے کبھی دوستی کے آڑے آنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی کبھی ہم نے ایک دوسرے کی چوٹوں کا برا منایا ہے یہ تو صرف گپ شپ ہے جو دوستوں میں چلتی رہتی ہے کبھی اس کا پلڑا بھاری ہوتا تو کبھی ہمارا۔ (محمد اسماعیل ابن محمد صابر ہری پور)

دادا اور والد کے کام میں اس قدر برکت ہوگی، کبھی سوچا بھی نہ تھا

پاکستان کے مایہ ناز ہومیو فزیشن ڈاکٹر حامد الیاس اپنی کامیابی کا راز بتاتے ہیں

رپورٹ آمنہ اعظم



کم ہی کسی نے سنا ہو گا کہ ایک کلینک ایسا بھی ہوگا جہاں ہر روز چالیس پچاس لوگ بیٹھے ہوں ان کے ہاتھوں میں ٹوکن ہوں اور نگاہیں سامنے دیوار پر لگے کاؤنٹر پر...... جہاں پر تھوڑی دیر بعد نمبر بدلے اور اس ٹوکن کا مریض اندر چلا جائے۔ اندر ایک ڈاکٹر دو مستعد معاونین اور خاتون ڈاکٹر کے ہمراہ خوش دلی اور مسکراہٹ سے مریض کو خوش آمدید کہے۔ یہ منظر علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو میں واقع مسعود ہسپتال کا مجموعی منظر ہے جہاں ہومیو ڈاکٹر مسعود قریشی کے پوتے ڈاکٹر حامد الیاس خلق خدا کے دکھ اور مرض چنتے اور دعائیں لیتے ہیں۔ فورم کا آغاز ہوا تو وہ شرمائے اور گھبرائے ہوئے تھے۔ بولے کیا بولوں۔ پھر اپنے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے بتانا شروع کیا 1965ء کی جنگ میں میری عمر 5 سال اور 2 ماہ تھی اور میں نے پوری جنگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور مجھے اب تک جنگ کی ایک ایک بات اور ایک ایک لمحہ یاد ہے۔ مجھے بچپن سے ہی آرمی میں جانے کا بڑا شوق تھا مگر شاید اللہ جی نہیں چاہتے تھے کہ میں اس فیلڈ میں جاؤں اسی لئے میرا ایک ہاتھ بری طرح جل گیا جس کی وجہ سے میں ان فٹ ہوگیا۔ پھر میں نے سائنس میں میٹرک کیا اور ایف ایس سی کرنے کے بعد ڈاکٹر بننے کا ارادہ کیا مگر پھر نمبر کم آنے کے باعث میڈیکل کالج میں نہ جا سکا پھر ارادہ کیا کہ چلو کامرس کی فیلڈ میں چلتے ہیں جس کے تحت میں نے بی کام کیا مگر اسی دوران میرے والد صاحب کو فالج کا اٹیک ہو گیا اور اس بیماری کے باعث ان کا سارا کام ٹھپ ہو کر رہ گیا۔ دراصل میرے دادا "ڈاکٹر محمد مسعود قریشی" وہ واحد شخص تھے جنہوں نے لاہور میں ہومیو پیتھک طریقہ علاج کو نہ صرف متعارف کروایا بلکہ اس کو باقاعدہ طور پر رائج بھی کیا۔ میرے دادا ریلوے میں ملازم تھے انہوں نے وہاں کچھ دنوں کی چھٹی کے لئے اپلائی کیا مگر کوشش اور کافی تگ و دو کے باوجود بھی ان کی چھٹی منظور نہ ہوئی جس کے باعث پریشانی اور مشکل بڑھتی گئی۔ آخر کار انہوں نے تنگ آ کر اپنی جاب سے استعفیٰ دے دیا اور یہ طے کر لیا کہ آئندہ وہ کوئی ایسا کام کریں گے جس کے باعث ان کے خاندان میں کبھی کسی کو نوکری نہ کرنی پڑے انہوں نے فٹ پاتھ سے طب کی کتابیں خریدیں اور پڑھنا شروع کر دیں پھر طبیہ کالج سے باقاعدہ طب کی تعلیم حاصل کی اور پھر ہومیو پیتھک کے علاج کا آغاز کیا نہ صرف علاج کا بلکہ ہومیو پیتھک کی ادویات کی ڈسٹری بیوشن اور میکنگ کا بھی آغاز کیا۔ جب میرے والد صاحب بیمار ہوئے اور اپنے ہومیو پیتھک علاج کو جاری نہ رکھ سکے تو انہوں نے ایک دن مجھے اپنے پاس بلوایا اور بڑے پیار سے کہا بیٹا! کیا تم چاہو گے کہ تمہارے باپ دادا کا علم اور تجربہ ختم ہو جائے اور فٹ پاتھوں پر بکنے لگے اس سے پہلے کہ یہ نوبت آ جائے تم اس ذمہ داری کو سنبھال لو۔ ان حالات میں میرے پاس اس کے علاوہ کوئی اور چوائس نہیں تھی پس میں نے زبردستی اس فیلڈ کو جوائن کیا۔ پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف ہومیو پیتھی سے 4 سال کا کورس کیا اور پھر ہومیو پیتھک ڈاکٹر کے طور پر کام شروع کر دیا۔ میں اس فیلڈ میں آیا تو زبردستی ہوں مگر خدا کا شکر ہے کہ اللہ جی نے اس شعبے میں مجھے بڑی عزت دی ہے۔ مجھے جہاں اپنے والد کا حکم ماننے کی سعادت ملی ہے وہاں لاکھوں لوگوں کی دعائیں بھی ملتی ہیں مسلسل محنت اور خدا ترسی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ تھوڑی سی کوشش سے اپنی تکلیفوں اور بیماریوں سے

مسلسل محنت اور خدا ترسی رائیگاں نہیں جاتی

نجات حاصل کر لیتے ہیں اور یہ کام بھی خدا کی ذات ہی مجھ سے کرواتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ میں دادا اور والد صاحب کے کام میں اس قدر برکت ہو گی کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ بھیا جی نے گفتگو کے دوران بتایا کہ یہ بہت شرارتی سے ڈاکٹر ہیں۔ ہمیشہ ہنستے اور ہنساتے رہتے ہیں ہمیں ان کا پتہ اور حوالہ اشفاق بابا نے دیا اور تو اور ان کے دادا اور والد کا ذکر ممتاز مفتی کی کتابوں میں بھی ملتا ہے اب معلوم نہیں یہ اتنے دھیمے اور خوش اخلاق ڈاکٹر کیوں ہیں حالانکہ ہمارے ہاں کامیابی سب سے پہلے زبان اور گردن پر اکڑ لاتی ہے۔ ڈاکٹر حامد نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ایک تو مریض پہلے ہی اپنی تکلیف اور بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں اوپر سے اگر ڈاکٹر بھی سڑا ہوا اور سنجیدہ منہ لے کر بیٹھا رہے تو مریض پر کیا اثر پڑے گا۔ ایک دفعہ ایک عورت میرے پاس آئی اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب میرے پیٹ میں ایک گولا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی میں نے فوراً کہا کہ بی بی فکر نہ کرو اس گولے کو سنبھال کر رکھنا جب جنگ شروع ہوگی تو بڑا کام آئے گا۔ اس طرح اگر ڈاکٹر تھوڑا خوش اخلاق یا مزاحیہ گفتگو کرے تو مریض کا آدھا مرض دور ہو جاتا ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسا کبھی نہیں سنا کہ لوگ اپنے منہ سے کہیں کہ ڈاکٹر صاحب ہماری فیس آدھی کر دیں یا معاف کر دیں آپ اندازہ لگائیں کہ وہ کس حد تک مجبور ہیں کہ اب وہ اپنے منہ سے کہہ رہے ہیں۔ میں شاید واحد ڈاکٹر ہوں جس کی فیس کوئی نہیں ہے اور ادویات کی قیمت بھی جو نہ دینا چاہیں میں ان سے نہیں لیتا۔ ڈاکٹر حامد نے اپنے بچپن کا واقعہ سنایا کہ میں اودبستان صوفیہ میں تیسری کلاس میں تھا میرے والد مجھے لینے آتے تھے۔ 3 بجے کا ٹائم تھا مگر

مسعود کی ادویات دنیا کے کئی ممالک میں ایکسپورٹ کر رہے ہیں

کلینک کی مصروفیات میں میرے والد صاحب بھول گئے اور اپنے کاموں میں لگے رہے جب رات کو گھر لوٹے تو والدہ نے کہا کہ حامد نہیں آیا تو والد صاحب نے گھڑی دیکھی تو رات کے پونے گیارہ کا ٹائم تھا وہ گھبرائے ہوئے جلدی جلدی جب سکول پہنچے تو میں ایک درخت کے تنے پر اکیلا بیٹھا تھا۔ اب آپ خود سوچیں کہ ایک 3 سال کا بچہ اکیلا اتنی دیر تک کیسے انتظار کرتا رہا ہوگا۔ میرے والد صاحب اصولوں کے بڑے سخت تھے۔ انہوں نے مجھے کبھی نہیں مارا مگر کبھی چوما بھی نہیں۔ میں پانچ بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا مگر والد صاحب نے سکول میں داخل کرواتے ہوئے میری ٹیچر کو کہا کہ یہ اب آپ کے حوالے ہے اگر بات نہ مانے اور پڑھے نہ تو کھال تمہاری اور ہڈیاں میری ہوں گی۔ شاید اسی لئے ہم پڑھ بھی گئے۔ اب تو استاد کچھ کہہ دے لوگ سکول کے پرنسپل کی جان کو آ جاتے ہیں۔ استاد کی عزت کم ہو کر ایک ملازم کی سی رہ گئی ہے۔ یہ ہماری روایت نہیں تھی۔ باادب بانصیب ہمیشہ سنا بھی ہے اور میرا خیال ہے رہے گا بھی۔



اپنی شخصیت کا خانہ خراب کیجئے!

آپ کے رویئے میں کوٹ کوٹ کر مایوسی بھری ہونی چاہیے

نسیم اختر

اپنی شخصیت کے بارے میں عام طور پر لوگ غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں۔ اور ہر وقت اس فکر میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اپنی شخصیت کو کس طرح جاذب نظر بنا دیں۔ شاید یہ خواہش ہر انسان میں پائی جاتی ہے کہ وہ دوسروں کو اچھا نظر آنا چاہتا ہے۔ آپ نے بھی یقیناً یہ مشاہدہ کیا ہوگا کہ چند لوگ بس قریب آتے ہیں اور دل موہ لیتے ہیں۔ بات کریں تو گویا ان کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ قریب بیٹھ جائیں تو ان کے جسم سے کچھ ایسی خوشبو آتی محسوس ہوتی ہے جو دل میں اترتی ہے اور مسحور کن ہوتی ہے۔ ان کے پاس بیٹھنا ان سے بات کرنا اچھا لگتا ہے۔ ایک شخصیت صرف شکل صورت یا بحض گفتگو کا فن یا خاص طرح کا لباس پہننے سے وجود میں نہیں آتی بلکہ یہ چار چیزوں کا مرکب ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا "خمیرہ گاؤزبان جواہر دار" ہے جو کچھ نفسیاتی، چند عقلی یا ذہنی، چند ایک جذباتی اور کئی جسمانی عوامل سے مل کر وجود میں آتی ہے۔ اس بات کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اچھی شخصیت کے حامل افراد اپنی نفسیات اور اپنے مخاطب کی نفسیات کو بخوبی جانتے ہیں۔ وہ بہت ذی ہوش ہوتے ہیں اور عقل کی بات کرتے ہیں۔ نہ صرف اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہیں بلکہ دوسروں کے جذبات کا بے پناہ خیال رکھتے ہیں۔ اپنے جسم اور اپنی صحت حتیٰ کہ اپنے لباس کا بھی بہت خیال رکھتے ہیں۔ موقع کی مناسبت سے لباس کا انتخاب کرتے ہیں۔

یہ تو ہوئی شخصیت کی تعریف آئیے اب دیکھیں کہ اس کا خانہ خراب کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ ہم آپ کو ایسا نسخہ کیمیا بتاتے ہیں جس کو اختیار کرنے کے بعد آپ اپنی شخصیت کا ستیاناس بلکہ سوا ستیاناس مار سکتے ہیں۔ تو جناب یہ لیجئے' نسخے کی پہلی مسکت دوائی کا نام ہے۔ خود فریبی' اس کو Self praise اور Unrealistic رویہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ طریقہ استعمال بے حد آسان ہے۔ سارے احمق لوگوں کا چلن بالکل ایسا ہی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ اگر حساب میں کمزور ہیں اور اکثر سکول میں اس بات پر' کہ حساب میں آپ کے نمبر کم آتے ہیں یا آپ فیل ہو جاتے ہیں' چنداں پریشان نہ ہوں بلکہ اس مضمون میں محنت کر کے کچھ سیکھنے کے بجائے یہ سمجھنا شروع کر دیجئے کہ آپ حساب میں بہت اچھے ہیں بلکہ شاید نہیں یقیناً حساب میں ہی تو سب سے اچھے ہیں اور یہ دراصل یہ استاد ہیں یہ لوگ تو بس ان کو ہی مورد الزام ٹھہراتے ہیں جو اچھے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دراصل ٹیوشن پڑھانا چاہتے ہیں۔ بہرحال آپ حساب میں بہت ہی اچھے ہیں۔ سکول میں نتیجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو یا مثال کے طور پر آپ کمزور ہیں اور پیدل چلنے سے تھک جاتے ہیں تو اس کمزوری کو کمزوری ماننے کے بجائے یا اس کو دور کرنے کی کوشش کرنے کے بجائے آپ یہ باور کر لیجئے کہ آپ بہت طاقتور ہیں اور سارے کام کریں جو طاقت مانگتے ہیں مثلاً کشتی لڑیں' خوب پیدل چلیے خواہ آپ بعد میں اسٹریچر پر ہی لائے جائیں۔

غرض یہ کہ لازمی طور پر آپ حقائق سے چشم پوشی کیجئے اور جس قدر بھی ممکن ہو خود فریبی میں مبتلا رہنے کی بھرپور جدوجہد کیجئے! اور جو کام آپ کو نہیں آتا ہو' اس کو کرنے میں اور خاص طور سے سیکھے بغیر کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیجئے۔ اپنے آپ سے مسلسل جھوٹ بولئے! دوسری دوا جو پہلی سے بھی زیادہ تیر بہدف ہے وہ ہے بے ہنری Unskill fulness خبردار جو کوئی ہنر سیکھنے کی کوشش کی بھی' دیکھئے با ہنر مند تو خاصے بے وقوف لوگ ہوتے ہیں۔ بلاوجہ ہر نئی چیز کو سیکھنے کی مشق کرتے ہیں۔ یہ آپ کا کام نہیں ہے۔ بالکل بے خبر رہنے کی کوشش کریں کیونکہ اپنے خیالوں سے باہر آ کر حقیقی دنیا میں آنے کی کوشش ہرگز ہرگز نہ کریں۔ دنیا اگر کمپیوٹر کے پیچھے بھاگتی ہے تو دنیا تو پاگل ہے بھاگنے دیں۔ آپ ہرگز یہ غلطی نہ کریں۔ بلکہ آپ ٹائپ رائٹر سے کام چلائیں بلکہ بس اپنے ہاتھ سے لکھیں تو بہت اچھا ہے۔ یاد رکھئے آپ کی شخصیت کو بنانے میں لباس کی بہت اہمیت ہے۔ اگر کبھی بھی غلطی سے آپ نے درست لباس کا انتخاب کر لیا تو خانہ خراب

پہلے کام کو آخر میں اور آخری کام کو سب سے پہلے کریں



یہ نسخہ آپکی شخصیت کا خانہ خراب کرنے میں بہت کارگر ثابت ہوگا

ہونے سے رہ جائے گا۔ اس کسی کسر کو پورا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ لباس موقع کی مناسبت کے مطابق ہرگز نہ پہنیں۔ یعنی گرمی میں سردی کا اور سردیوں میں گرمی کا لباس زیب تن کرنا۔ اس علاج کی شرط ہے۔ جہاں پتلون پہننی ضروری ہو وہاں آپ کو لنگی کا استعمال کرنا چاہئے جہاں پر شلوار قمیض سے کام چل سکتا ہو وہاں مکمل سوٹ بلکہ اگر تھری پیس سوٹ ہو جائے تو کیا کہنے۔ لباس آپ کی شخصیت کا اظہار ہے۔ جیسے کسی دکان کے شوکیس میں رکھے ہوئے سامان کو دیکھ کر یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دکان کا مال کیسا ہوگا؟ بالکل اسی طرح کا معاملہ لباس کا ہے۔ خبردار! کبھی ایسا نہ ہو کہ آپ کے لباس سے آپ کی شخصیت خواہ مخواہ نکھر آئے۔ اس لئے لباس میں بے پرواہ ہونا بے حد ضروری ہے۔ آپ سمجھ گئے نا! اب ذرا رکئے اور اس نسخے کو بہت غور سے دیکھئے۔ کوئی آئٹم رہ نہ جائے۔ آپ کا رویہ آپ کی شخصیت کیلئے بہت اہم ہے یہی تو آپ دوسروں کو دکھاتے ہیں۔ اب ذرا ہوشیار ہو جائیے آپ کا رویہ دوسروں کیلئے بالکل ناگوار ہونا چاہئے۔ سب سے پہلے اپنے کام کو ناپسند کیجئے۔ پھر دوسروں کے کام پر تین حرف بھیجئے۔ ڈریئے نہیں۔ یہ بہت ضروری ہے۔ آپ کے رویئے میں۔ کوٹ کوٹ کر مایوسی بھری ہونی چاہئے اپنا اور پرایا سب کچھ آپ کیلئے انتہائی ناگوار ہونا ضروری ہے۔ یہ مایوسی یا ناگواری بلکہ ناکامی کا رویہ دوسروں تک منتقل ہونا چاہئے آپ کے آس پاس جتنے بھی لوگ ہیں ان کو یہ یقین ہو جانا چاہئے کہ آپ شاید ہی کبھی مسکرائے ہوں۔ آپ اپنی شکل ایسی بنانے کی کوشش کریں جس کی وجہ سے لوگوں کو بالکل یقین آجائے کہ آپ پیٹ کی کسی شدید بیماری میں مبتلا ہیں یا کم سے کم آپ کو دائمی قبض ہے۔ بس اس بات کا یقین کر لیجئے کہ آپ کی شکل میں ہنسی تو بڑی بات ہے "مسکراہٹ" بھی نہ آنے پائے اور ہر چیز کو تنقید کا نشانہ بنایئے۔ اور بالکل تاک تاک کے ایسی ایسی باتوں پر تنقید کیجئے جس پر تنقید کرتے ہوئے بڑے بڑے لوگ سوچیں۔
اس نسخہ کیمیا کی بہت شاندار دوائی کٹ حجتی ہے۔ یعنی بات بے بات بحث کرنا۔ اس کا اہتمام بھی بہت ضروری ہے غیر ضروری بحث میں نہ الجھنے والے سنجیدہ اور متین لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ اگر آپ اب بھی اپنی شخصیت کا خانہ خراب کرنے میں ناکام ہیں تو کوئی بات نہیں۔ بس ہر وقت بحث کرنے کیلئے کمر کس کے رکھئے۔ نت نئے بالکل انوکھے اور بلکہ ایسے ایسے دلائل تلاش کر کے لایئے جن کا کوئی سر پیر نہ ہو۔ خبردار بحث کرتے وقت ذہن کا استعمال قدرے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے اس لئے بحث کے وقت عقل کی گفتگو سے سخت پرہیز کریں کچھ بے وقوف لوگ کہتے ہیں کہ بحث میں الجھنا نہیں چاہئے مگر آپ ہماری یہ بات گرہ میں باندھ لیجئے کہ بحث برائے بحث کے بغیر آپ کی شخصیت کا خانہ خراب ہونا قطعی ممکن نہیں اچند بے وقوف لوگ آج کے نئے اور ترقی یافتہ دور میں بھی یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی گزارنے کیلئے ترجیحات کا تعین کرنا بہت ضروری ہے۔ آپ کو چونکہ ان احمقوں سے الگ "عقل والوں" کی دنیا میں رہنا ہے اس لئے یہ بے حد ضروری ہے کہ آپ اس قسم کی فضول دواؤں سے بالکل پرہیز کریں یہ بے پڑھے لکھے لوگوں کی بڑ ہے۔

اپنا اور اپنی شخصیت کا خانہ خراب کرنے کیلئے بہت ضروری ہے کہ آپ شتر بے مہار کی طرح جس طرف کو منہ آئے چل دیں۔ آپ کی کامیابی کیلئے بہت ضروری ہے کہ آپ بھی ہمارے ملک کی حکومتوں کی طرح پہلے کام کو آخر میں اور آخری کام کو سب سے پہلے کریں۔ ترتیب نام کی کوئی چیز آپ کے قریب بھی پھٹکنے نہ پائے۔ ترجیحات کا تعین پاگل کی بڑ ہے۔ اگر آپ نے غلطی سے بھی یہ کر لیا تو پھر یاد رکھئے کہ آپ کی شخصیت بلکہ آپ کا اپنا خانہ خراب ہونے میں کچھ کسر باقی رہ سکتی ہے۔ بہت احتیاط کیجئے۔ تیسری کارگر دوا ہے فضول دوست اور دوست بناتے وقت بہت زیادہ احتیاط کریں۔ اس بات کا بہت خیال کریں آپ کے دوست بالکل فضول ہونے چاہئیں۔ یعنی وہ فضول باتوں میں وقت ضائع کرتے ہوں بے کار قسم کے کھیل کھیلتے ہوں۔ بالکل واہیات کتابیں اور رسالے پڑھتے ہوں۔ ہرگز ہرگز بھی کسی غیر معمولی صلاحیت کے حامل نہ ہوں بلکہ اگر ذرا سا شک بھی پڑ جائے کہ اس دوست میں کوئی اچھی بات ایسی ہے جو کسی متعدی بیماری کی طرح آپ کو لگ سکتی ہو تو ایسے دوستوں سے تو دور ہی بھلے۔

بھئی دیکھئے تاہم تو اپنی شخصیت کا خانہ خراب کرنا چاہتے ہیں نا!!

بے ادبی اکھڑ پن اور بڑوں سے بے جا سوال جواب کرنا ایک اور آزمودہ نسخہ ہے۔ بڑوں کی تو خاص طور سے بے ادبی کریں۔ کوئی اگر آپ کا کام کر بھی دے۔ تو ہرگز بھی اس کا شکریہ ادا نہ کریں اور آپ خود بغیر کسی وجہ کے ہر شخص سے شکریئے وصول کرنے کی امید رکھیں۔ کبھی بھی وعدہ پورا نہ کریں۔ ہمیشہ سچ سے پرہیز کریں۔ اگر کوئی آپ کی دعوت کر دے تو اس کی دعوت میں بہت دیر سے جائیں۔ اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ اگر دعوت دوپہر کے کھانے یعنی لنچ کی ہے تو رات کے کھانے یعنی ڈنر پر پہنچیں۔ غیر ذمہ داری بھی بہت ضروری چیز ہے مثلاً اگر صبح سویرے سبزی لینے گھر سے نکل ہی گئے ہیں تو کوئی بات نہیں رات سے پہلے گھر واپس نہ آئیں۔ دھوپ میں سبزی خراب ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ دوائی نمبر ایک میں بتایا گیا ہے کہ اگر آپ کو اداکاری بالکل بھی نہ آتی ہو تو نہ صرف بھرپور اداکاری کریں بلکہ اس کا باقاعدہ اعلان کریں اور بار بار کریں کہ آپ سے اچھا اداکار تو آج تک پیدا ہی نہیں ہوا۔ یاد رکھئے تمیز داری سے مکمل پرہیز بہت ضروری ہے ورنہ آپ کا علاج ناممکن ہو جائے گا۔ مکمل بدتمیزی اور بے پناہ اکھڑ پن اور بے جا ضد کا مکمل مظاہرہ کرتے رہیں۔ کامیابی آپ کے قدم چومے گی!! یہ نسخہ کیمیا جو ہم نے آپ کی خدمت میں مفت پیش کر دیا ہے اس کو بے وقعت نہ سمجھئے۔ یہ نسخہ برسوں کا آزمایا ہوا ہے بلکہ ہمارے ملک کے بڑے بڑوں نے اس نسخے کو استعمال کر کے اپنے ساتھ ساتھ ملک کی شخصیت کو بھی "چار چاند" لگائے ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ نسخہ اور اس کا باقاعدہ استعمال آپ کی شخصیت کو ترقی معکوس کے آسمانوں پر پہنچا دے گا۔ اگر یہ نسخہ کارگر ثابت نہ ہو تو ہمیں فوری طور پر لکھئے تاکہ آپ کیلئے کسی اور عمدہ نسخے کا بندوبست کیا جائے۔ بہرحال ہمیں پورا یقین ہے کہ یہ نسخہ آپ کی شخصیت کا خانہ خراب کرنے میں بہت کارگر ثابت ہوگا۔

کچھ بے وقوف لوگ کہتے ہیں بحث میں الجھنا نہیں چاہیے



اللہ تعالیٰ نے ہمارے سارے کام ہی سیدھے کر دیئے

واربرٹن میں قائم ہونے والے 63ویں پھول کلب کے افتتاحی پروگرام کی روداد

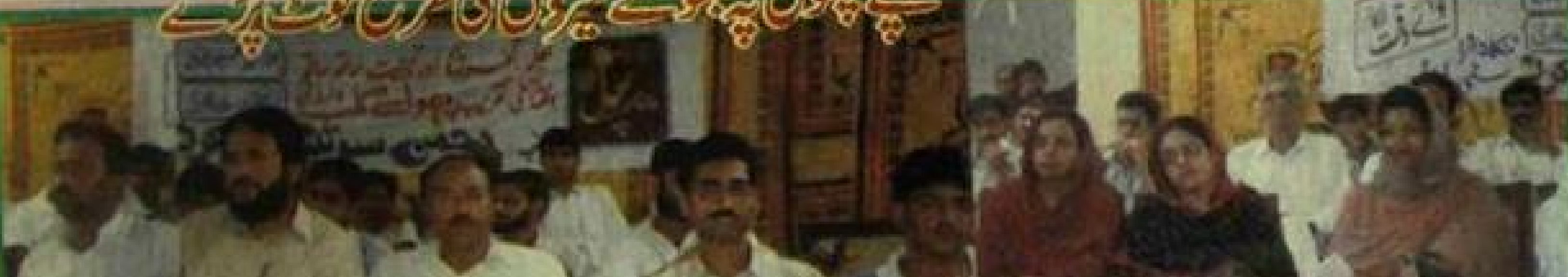
اہتمام و انتظام = محمد یٰسین قمر + محمد عابد گوندل
رپورٹ = محمد عابد قادری + محمد نعیم رضوی
کمپیئرنگ = عثمان خادم (لاہور)
فوٹوگرافی = غلام مصطفیٰ تبسم، پریس رپورٹر نوائے وقت
خصوصی تعاون = نیو رحمٰن سویٹس اینڈ بیکرز ننکانہ روڈ واربرٹن
دیگر اشتراک = اعوان جنرل سٹور واربرٹن، حفیظ جنرل سٹور واربرٹن بٹ ٹینٹ سروس واربرٹن قندھاری بک ڈپو واربرٹن

●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●

جوں جوں 8 اکتوبر نزدیک آتی جا رہی تھی ہماری خوشی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور دل کی دھڑکنیں پہلے کی نسبت تیزی دکھا رہی تھیں کیونکہ 8 تاریخ کو پھول کلب واربرٹن کی افتتاحی تقریب ہونی تھی جس کے لئے ہم نے سارے انتظامات 7 اکتوبر کی شام کو مکمل کر لئے تھے لاہور سے آنے والے مہمانوں میں سید غضنفر علی، عثمان خادم، عبدالصمد مظفر، عتیق احمد، رابعہ عظمت بشریٰ عظمت گنزیٰ سلیم، حلیم آپی (صدر پھول گرلز کلب پاکستان) اور پھول پیرنٹس کونسل کے چودھری محمد سلیم شامل تھے جو کہ اختر بھیا کی نمائندگی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ مقامی مہمان جن میں پروفیسر محمد نعیم اختر، چودھری بشیر احمد اعوان چودھری غیاث الدین سب انسپکٹر لاہور اور گورنمنٹ ہائی سکول کے سینئر ہیڈ ماسٹر چودھری مختار احمد نبیل کی نمائندگی ظفر اقبال عارف صاحب نے کی۔ پروگرام کا آغاز اللہ کے بابرکت نام سے کیا گیا جس کی سعادت شیخ شہزاد احمد نے حاصل کی

کمپیئر عثمان خادم نے حضور ﷺ پر عقیدت کے پھول نچھاور کرنے کے لئے محمد فیاض کو دعوت دی جس نے ہادی برحق حضور تخلیق کائنات ﷺ کی شان اقدس میں بہت اچھے طریقے سے نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ حمد و نعت کیلئے پرائم سکول کی ننھی سی بچی میمونہ کو دعوت دی گئی اس کے بعد تقریب کے چیف آرگنائزر محمد یٰسین قمر رحمانی نے لاہور سے آنے والے معزز مہمانوں اور مہمانان گرامی کو بہت اچھے الفاظ جو کہ ایک نظم کی صورت میں تھے ویلکم کیا پرائم سکول کے ایک چھوٹے سے بچے عبدالرحمٰن کو سٹیج پر بلایا گیا۔ جب اس بچے نے اللہ تعالیٰ کے پاک اسمائے مبارک سنانے شروع کئے تو سبھی اسے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگے۔ آرمی پبلک سکول کے محسن افضل نے بھی ملی نغمہ سنایا۔ پرائمری سکول کے کاشف رضا نے ملی ترانہ سنایا۔ عبداللہ ماڈل سکول کے اظہر اور ساتھیوں نے ڈرامہ پیش کیا۔ تقریری مقابلے کا عنوان 6 ستمبر کے حوالے سے دفاع پاکستان رکھا گیا تھا۔ میزبان سکول گورنمنٹ ہائی سکول سٹی کے حاجی عمر زبیر کو دعوت تقریر دی گئی۔ تقریری مقابلے کے لئے جیوری کے فرائض آپی حلیم کوثر (صدر پھول گرلز کلب پاکستان) شیخ لطیف شاہد (صدر پھول کلب مانگا منڈی) اور مقامی نوجوان علی رضا ادا کر رہے تھے۔ اس کے بعد آرمی پبلک سکول کے ہی حسنین فرید صابری کو دعوت خطاب دی گئی۔ گورنمنٹ پرائمری سکول کے جمشید امین اور لقمان کو ملی نغمہ سنانے کے لئے دعوت دی اور انہوں نے خوب داد وصول کی۔ نظم پیش کرنے کے لئے عدیل اقبال اور فیصل صدیق کو دعوت دی گئی گورنمنٹ پرائمری سکول نمبر 1 کے بچے ندیم اور عبدالرحمٰن نے بہت ہی اچھا ڈرامہ پیش کیا۔ مہمان خصوصی واربرٹن کی جانی پہچانی شخصیت پروفیسر نعیم اختر نے کہا کہ آج صبح ہی میں ایک دس سالہ بچے سے ملا اس سے مل کر مجھے بہت خوشی بھی ہوئی اور شرمندگی بھی۔ خوشی اس لئے کہ اس بچے نے بہت بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے تھے پرائم سکول کے پرنسپل ریحان گل تشریف لائے انہوں نے آتے ہی پھول کلب کی ٹیم کو مبارکباد دی اور آنے والے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ آرمی پبلک سکول کے ایڈمنسٹریٹر اور مہمان گرامی ملک بشیر احمد اعوان نے کہا مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے شہر کے جوانوں نے بچوں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا ہے اور انہیں پھول کلب کی صورت میں تفریح کا پلیٹ فارم مہیا کیا اور ان میں بولنے اور لکھنے کا ٹیلنٹ پیدا کیا ہے۔ میزبان کے سکول کے ٹیچر ظفر اقبال عارف جو سینئر ہیڈ ماسٹر مختار احمد نبیل صاحب کی نمائندگی کر رہے تھے کو دعوت دی گئی۔ انہوں نے بھی پھول کلب واربرٹن کی ٹیم کو خراج تحسین پیش کیا۔ عثمان بھائی نے ہمارے مہمان سکول عبداللہ ماڈل سکول کے پرنسپل اور سفائر ماڈل نمبرہ کے انچارج سہیل تاج کو سٹیج پر بلوایا انہوں نے پھول کلب قائم کرنے پر ہم سب ساتھیوں کو مبارکباد پیش کی محمد نعیم رضوی صدر پھول کلب واربرٹن نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج ہم بہت خوش ہیں کہ واربرٹن میں بھی پھول کلب قائم ہو گیا جنرل سیکرٹری محمد عابد قادری نے خطاب کرتے ہوئے مہمانان گرامی خصوصی طور پر لاہور سے آنے والی پھول ٹیم کا شکریہ ادا کیا۔





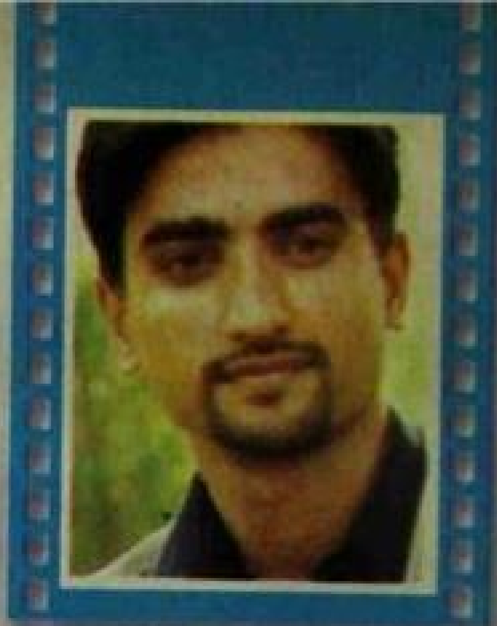
بچے پھول پہ بھوکے شیروں کی طرح ٹوٹ پڑے



واربرٹن کی تاریخ میں بچوں کا یہ سب سے بڑا پروگرام تھا

دنیا بدلی عادت نہ بدلی





> کپوچن بندر انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا اور وہ کچھ کر دکھایا جو وہ کبھی جنگلوں میں کرتا تھا

محمد امین عرف منی بھائی پروفیشنل ڈیزائنر اور شوقیہ فوٹو گرافر ہیں ان کے بنے ہوئے کبھی کبھی پیارے ڈیزائن آپ پھول میں بھی دیکھتے ہیں۔ اچھی تصویر بنانے کا شوق انہیں اکثر کہیں نہ کہیں لے جاتا ہے ایسے ہی ایک دن چڑیا گھر جا پہنچے کپوچن بندر انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا اور وہ کچھ کر دکھایا جو وہ کبھی جنگلوں میں کرتا تھا پنجرے میں تو کم کم ہی ایسا ہوتا ہے کپوچن کے ہاتھ اتفاق سے ایک چڑیا آ گئی جسے اس نے پکڑا اور کھا گیا۔ اس شکار کے مختلف سین آپ ان تصاویر میں دیکھ سکتے ہیں جو اس وقت منی بھائی نے جلدی جلدی بنا ڈالیں دیکھا آپ نے کیسے کپوچن چڑیا کو پکڑ کر مزے لے لے کر کھا رہا ہے۔ ایسا ہی مزا منی بھائی کو بھی تصاویر بناتے ہوئے آیا ہو گا کیا ہوا اگر چڑیا گھر میں رہتے ہیں عادتیں تو وہی رہیں گی دنیا بے شک بدل بھی جائے یہی کہتے ہوئے وہ دفتر آ گئے دنیا بدلی پھر عادت نہ بدلی۔



بری موت

ڈاکٹر (مریض سے) اگر تم سگریٹ کی جگہ روزانہ دودھ پینا شروع کر دو تو جلد صحت یاب ہو جاؤ گے۔

مریض: ڈاکٹر صاحب میرے ایک دوست نے دودھ پینا شروع کیا تو وہ بہت بری موت مرا۔

ڈاکٹر: وہ کیسے؟

مریض: وہ دودھ پی رہا تھا کہ بھینس اس کے اوپر بیٹھ گئی۔

دو کوٹ

سخت گرمی میں ایک آدمی دو کوٹ پہن کر گھر کی دیواریں پینٹ کر رہا تھا۔ کسی راہ گیر نے پوچھا اتنی سخت گرمی ہے آپ دو کوٹ کیوں پہنے ہوئے ہو؟ اس نے جواب دیا "ڈبے پر ہدایات لکھی ہوئی ہے کہ دو کوٹ ضروری ہیں" (ثناء امجد لاہور)

علاج

مریض ڈاکٹر کے پاس گیا اور اس سے کہا "میں اپنی صحت کے بارے میں بہت فکر مند ہوں۔ ڈاکٹر نے اس کا طبی معائنہ کرنے کے بعد کہا "آپ ہر روز دس کلو میٹر پیدل سفر کریں اور ایک ہفتے کے بعد مجھے بتائیں۔" سات روز کے بعد اس ڈاکٹر کو مریض کا فون آیا۔ ڈاکٹر نے پوچھا بتائیں کچھ فرق محسوس ہوا؟

جواب ملا: "پتا نہیں، البتہ میں اس وقت اپنے گھر سے ستر کلو میٹر دور پہنچ چکا ہوں بتایئے اب کیا مشورہ ہے؟" (عامر عزیز گنجیال گاؤں مغل کشمیر)

اللہ

لیاقت میموریل ہال میں غلام فرید صابری قوال کا پروگرام تھا۔ پروگرام کی کمپیئرنگ مشہور کمپیئر دلدار پرویز بھٹی مرحوم کر رہے تھے ۔ وہ درمیان میں لطیفے بھی سناتے جا رہے تھے صابری صاحب کو محفل میں بیٹھ کر اپنی قوالی کے انداز میں باآواز بلند "اللہ" کہنے کی عادت تھی لیکن ان کے اس طرح بار بار اللہ کہنے سے دلدار بہت اپ سیٹ ہو رہا تھا۔ کیونکہ لوگوں کی توجہ ایسے ہٹ جاتی تھی۔ ایک بار ان کے کسی لطیفہ کے عین درمیان میں صابری صاحب نے زور سے اللہ کہا، دلدار نے فوراً لطیفہ روک کر ان سے کہا "اللہ کو اتنا بھی یاد نہ کریں صابری صاحب، اس نے اگر یاد کر لیا تو بہت پچھتائیں گے۔ (سبطین احمد شاہد سیال خانیوال)

کیا خوبی ڈھونڈی

ہمارے محلے میں ایک صاحب کا انتقال ہو گیا وہ صاحب اس قدر کھردرے اور خشک تھے کہ انہیں کوئی بھی آدمی پسند نہیں کرتا تھا۔ انہوں نے کبھی کسی سے ڈھنگ سے بات ہی نہیں کی تھی ہمیشہ سخت لہجہ میں بات کرتے تھے جبکہ کوئی بھی آدمی ان سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتا تھا اور نہ ہی کوئی ان کے ہاں آنا چاہتا تھا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو رسم و رواج کے مطابق ضروری تھا کہ مرحوم کی خوبیاں بیان کی جائیں تمام لوگ خاموش بیٹھے تھے کسی کے ساتھ مرنے والے نے کوئی اچھا سلوک کیا ہوتا تو کوئی ان کی خوبی بیان کرتا۔ آخر کار محلہ میں رہنے والے ایک حجام ہمت کر کے بولے آپ جانتے ہیں کہ کم از کم مرحوم کی داڑھی کے بال سخت نہیں تھے۔

(انعام الحق عزیز جڑانوالہ)

"بچے ہمارے عہد کے"

فلم چل رہی تھی ایک سین میں ہیرو نے ہیروئن کے منہ پر زبردست تھپڑ رسید کیا۔ اور وہ زمین پر گر کر رونے لگی۔ تو ہال میں سے ایک بچے کی آواز گونجی سی .... یہ جوابی تھپڑ کیوں نہیں مار رہی جیسا کہ آپ کرتی ہیں۔ (ملک آصف شہزاد رائے ونڈ)

دوسری غلطی

ایک مزدور تنخواہ کا لفافہ لے کر خزانچی کے پاس آیا اور بولا جناب اس میں پچاس روپے کم ہیں خزانچی نے کہا پچھلے مہینے لفافے میں سو روپے زیادہ تھے تب تم میرے پاس نہیں آئے۔

مزدور نے کہا، تب میں نے سوچا یہ آپ کی پہلی غلطی ہے جسے میں نے برداشت کر لیا لیکن اب دوسری غلطی برداشت نہیں کی جا سکتی۔ (محمد یونس کمال ننکانہ)

بوڑھا طوطا

ترنا

ابو نصر فارابی کو مجبوراً ایک ستر سالہ بوڑھے کو پڑھانا پڑا جو کند ذہن اور غبی ہونے کے ساتھ ساتھ ذہانت کے تمام سوتوں کو عدم استعمال سے خشک کر چکا تھا۔ ابو نصر فارابی بوڑھے کو پڑھاتے پڑھاتے تنگ آ جاتے آخرکار پھر پڑھانے لگتے کسی نے فارابی سے پوچھا تم اسے کس توقع پر پڑھاتے ہو؟

فارابی نے جواب دیا بالکل اسی توقع پر جیسے کسی حبشی کو سفید کرنے کی نیت سے نہلایا جائے۔

(مرسلہ شیر رحمت بلوچ تربت مکران)

انداز شکریہ

ایک انگریز سیاح جنوبی فرانس میں بلند پہاڑی پر چڑھ رہا تھا کہ راستے میں ایک سبزی فروش ملا۔ جو گاڑی میں جتے گدھے کو ہانک رہا تھا مگر گدھا بمشکل



آپ کے چہرے کی قدر بڑھے گی

قدم اٹھا رہا تھا سیاح نے ایک ہاتھ سے گاڑی کو دھکیلنا شروع کیا اور اس کی مدد سے وہ بہت جلد چوٹی پر پہنچ گیا وہاں پہنچ کر سبزی فروش نے سیاح کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کیا جناب کا ممنون ہوں دراصل صرف ایک گدھے کی مدد سے یہاں تک پہنچنا ناممکن تھا۔ (محمد عبدالخالق عابد قادری منڈی وار برٹن)

سمجھداری

☆ایک ماں نے اپنے چھ سال کے بچے کی انگلی پر پٹی باندھتے ہوئے بولی کیا ہوا تھا؟

بیٹا: مجھے ہتھوڑی سے چوٹ لگ گئی خاصا خون بھی نکلا

ماں: تم روئے نہیں؟

بیٹا: میں سمجھا آپ باہر گئی ہوئی ہیں۔

(روما ئلہ راشد راولپنڈی)

ٹکٹ

ایک صاحب کتے کی زنجیر تھامے ریلوے سٹیشن کے ٹکٹ کاؤنٹر پر پہنچے اور کھڑکی کے اندر جھانک کر پوچھا۔ "کیا مجھے کتے کا ٹکٹ لینا پڑے گا؟"

کاؤنٹر کلرک نے ان کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ نہیں جناب ایسی بھی کیا بات ہے آپ انسانوں کے ٹکٹ پر بھی سفر کر سکتے ہیں۔

(سیدہ ثمائلہ ربانی چوکی)

سزا

کلاسیکی موسیقی کے ایک پروگرام میں جیل سے آئے ہوئے کچھ قیدیوں کو سامعین میں شامل دیکھ کر ایک صاحب بہت حیران ہوئے۔ انہوں نے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص سے کہا "اب تو ہمارے قیدیوں کو بڑی سہولتیں ملنے لگی ہیں" وہ شخص بولا "سہولت"؟ آپ نے ان قیدیوں سے بھی پوچھا یہ پروگرام ان کی سزا میں

شامل ہے۔ (سلمان عدیل وڑائچ چناکھ گوجرانوالہ)

گول ہوگیا

☆۔۔۔ایک شریر لڑکا آلو بخارا اچھال رہا تھا۔ سڑک پر چلتے ہوئے ایک شخص نے جمائی لینے کے لئے منہ کھولا ادھر لڑکے نے آلو بخارا اچھالا تو اس کے منہ میں چلا گیا یہ دیکھ کر لڑکے نے شور مچایا گول ہوگیا گول ہوگیا۔ (محمد عمران منڈی ککنن پور)

ریس

ایک جگہ بلیوں کی ریس ہو رہی تھی بہت تندرست اور صحت مند اور تندرست بلیاں حصہ لے رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ریس شروع ہوئی تو ہر بلی آگے نکلنے کی کوشش کررہی تھی لیکن افریقہ کی لاغر بلی تمام بلیوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے نکل گئی اور فرسٹ آگئی۔ انعام دیتے وقت کسی نے کہا جناب افریقہ میں تو قحط پڑتا ہے یہ لاغر بلی کس طرح جیت گئی۔ بلی کے مالک نے اطمینان سے کہا: جناب یہ ہمارے ملک کی بلی نہیں شیر ہے۔ (مجیب ظفر قلعہ دیدار سنگھ)

سادگی

ایک انتہائی قدیم اور بوسیدہ عمارت کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک صاحب نے ایک راہ گیر سے پوچھا۔ سنا ہے اس کھنڈر میں سینکڑوں سالوں سے جن اور بدروحیں رہتی ہیں وہ صاحب انتہائی سادگی سے بولے پتہ نہیں۔ آپ کسی اور سے پوچھ لیجئے مجھے تو خود مرے ہوئے دو سال ہو چکے ہیں۔ (محمد یونس کمال ننکانہ صاحب)

آفر

بھکاری ایک آدمی سے بابو جی ایک روپیہ دے دیں۔

آدمی: تمہیں بھیک مانگتے شرم نہیں آتی میرے ساتھ دکان پر بیٹھ جاؤ تمہیں پانچ روپے روز دوں گا بھکاری منہ بناتے ہوئے تم میرے ساتھ بیٹھ جاؤ میں تمہیں دس روپے دوں گا۔ (محمد شاہد سرفراز شریف سندھ)

وزن

ایک خاتون پھل فروش کی دکان پر پہنچیں اور کہنے لگیں...... "تم نے میرے بیٹے سے دو کلو آموں کے دام وصول کر لئے۔ لیکن جب میں نے آم تولے تو وہ صرف ایک ہی کلو نکلے......"

دکاندار نے مسکراتے ہوئے جواب دیا...... محترمہ! ذرا اپنے بیٹے کو بھی تول کر دیکھ لیں۔"

(عدنان حسین عابدی کراچی)

"مفت"

بیگم (شوہر سے) دیکھو جی میں تمہارے لئے کیا لائی ہوں۔

شوہر (خوش ہو کر) ارے کرتے کا کپڑا یہ میرے لئے کیوں لائی ہو۔

بیگم: جب پانچ ساڑھیاں خریدنے پر یہ کپڑا مفت مل رہا تھا تو کیوں نہ لیتی۔ (مبشر علی خان کبیروالا)

لڑائی

ایک شخص ایک شربت والے کے پاس گیا اور کہا یار ایک گلاس شربت کا دینا میری لڑائی ہونے والی ہے۔ شربت والے نے ایک گلاس اسے دیدیا وہ آدمی شربت پی گیا اس نے ایک اور گلاس کے لئے کہا یار ایک گلاس شربت اور دینا میری لڑائی ہونے والی ہے۔ شربت والے نے ایک اور گلاس دیدیا جو وہ جھٹ سے پی گیا جب وہ ہی الفاظ آدمی نے تیسری بار دہرائے تو شربت فروش نے چڑ کر کہا آخر تمہاری لڑائی ہونی کس سے ہے۔ تو آدمی بولا تمہارے ساتھ کیوں کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔

تحفہ

ایک چھوٹی لڑکی نے جس کا باپ جج تھا پیار سے پوچھا "ابا جان میری سالگرہ میں آپ مجھے کیا تحفہ دیں گے۔" ؟ باپ جو کسی مقدمے کا فیصلہ لکھنے میں مصروف تھا بولا "چودہ سال قید بامشقت اور پچاس ہزار جرمانہ" (ایم ندیم اینڈ اظہر چیچہ وطنی)

اندازہ

باپ کو بچے کے بارے میں سکول ٹیچر کا خط ملا تو اس نے غصے سے بچے کو بلا کر کہا۔ "تمہیں معلوم ہے تمہارے ٹیچر نے اس خط میں کیا لکھا ہے۔؟ "جی نہیں" بیٹے نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "اس نے لکھا ہے کہ وہ شاید زندگی بھر تمہیں کچھ نہ سکھا سکے"

بچے نے منہ بنا کر بڑی معصومیت سے جواب دیا "مجھے تو پہلے سے معلوم تھا یہ ٹیچر کسی قابل نہیں ہے۔" (مرسلہ تہمینہ ناز سرور گوجرانوالہ)

ہمدردی کے دو بول

ایک شہر میں ایک شخص نیا آیا تھا وہاں اس کا کوئی دوست یا شناسا نہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو بالکل اکیلا محسوس کر رہا تھا۔ ایک دن وہ کھانا کھانے کے لئے کسی ہوٹل میں پہنچا اور بیرے سے کہا۔

"میرے لئے دو تلے ہوئے انڈے اور ساتھ میں ہمدردی کے دو بول لانا"

بیرا چلا گیا تھوڑی دیر بعد اس نے دو تلے ہوئے انڈے لا کر اس شخص کے سامنے رکھ دیئے۔

اس شخص نے کہا انڈے تو تم نے لا دیئے ہیں مگر ہمدردی کے بول کہاں ہیں۔

اس پر بیرے نے اس شخص کے کان میں کہا "آپ یہ انڈے مت کھائیے کیونکہ یہ چیل کے انڈے ہیں۔" (سیدہ مدیحہ رضوی لاہور کینٹ)

جواب

ایک عورت کو اس کے شوہر نے ایک طوطا تحفے میں دیا عورت یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ طوطے کی دونوں ٹانگوں سے ایک ایک پتلی سی زنجیر بندھی ہوئی ہے عورت نے شوہر سے ان زنجیروں کے بارے میں دریافت کیا۔ "اگر تم بائیں زنجیر کو آہستہ سے کھینچو گی تو طوطا تمہیں صبح بخیر کہے گا اور اگر تم دائیں زنجیر کو تھوڑا سا جھٹکا دوگی تو یہ کہے گا آپ کیسی ہیں مادام ؟" شوہر نے وضاحت کی۔ اور اگر میں بیک وقت دونوں زنجیریں کھینچوں گی تو؟

"میں منہ کے بل گر پڑوں گا احمق عورت" طوطے نے جلدی سے جواب دیا۔

گاجر بنانا

بھئی تم نے ٹی وی پر وہ پروگرام دیکھا تھا جس میں گاجر کی کھیر بنانا سکھائی گئی تھی۔ ایک سہیلی نے دوسری سے پوچھا۔ ہاں دیکھا تھا مگر مجھے تو پسند نہیں آیا۔ وہ کیوں؟ ارے کھیر تو سب کو بنانی آتی ہے بات تو جب تھی جب وہ گاجر بنانا سکھاتے۔ سہیلی نے اکتاہٹ سے جواب دیا۔ (بشیر رحمت بلوچ۔ تربت مکران)

یہ عالم شوق کا

آپ نے یہ کار کس طرح انعام میں جیتی؟

میں ایک کمپنی کے دلیے کے ڈبے خریدتا رہا۔ اس نے انعامی اسکیم کا اعلان کیا تھا۔ آخر کار ایک ڈبے میں کار کے انعام کا کارڈ نکل ہی آیا۔

"اچھا" اچھی کار ہے مگر آپ نے اس میں بستر کیوں لگا رکھا ہے۔ گھر میں سونے کے لئے جگہ ہی کہاں بچی ہے۔ وہاں تو فرش سے چھت تک دلیے کے ڈبے بھرے ہوئے ہیں۔ (غلام مرتضیٰ۔ ننکانہ صاحب)

پھول گرلز کلب کے گلدستے میں 26 واں شہر

جڑانوالہ میں پھول گرلز کلب کا افتتاحی پروگرام

رپورٹ و اہتمام: مہوش عابد
معاونین: نازیہ حنیف، رابعہ خالد، سمیرا شفیق، ہمایوں ۔۔۔ تصاویر: ملک نعیم وفا

(پہلے تو کسی کو بھی یقین نہیں تھا کہ پروگرام ہو گا کیونکہ بہتوں کا خیال تھا کہ ایک یا دو بچیاں کیا کر لیں گی۔ اس لئے ہم نے بھی زیادہ سکولوں کو بلانے سے گریز کیا۔ دراصل پہلے بھی بہت سی لڑکیاں پروگرام کروانا چاہتی تھیں مگر کسی نہ کسی وجوہات کی بناء پر یہاں کلب کا قیام ممکن نہ ہو سکا۔ میری کئی سہیلیاں تو پروگرام کے دوران بھی انگلی کو دانتوں سے کاٹتی رہیں کہ یہ خواب ہے کہ حقیقت)



پھول کی جو خوبی مجھے اچھی لگی کہ یہ بچوں کو کچھ کر دکھانے کا موقع دیتا ہے

کسی کو یقین نہیں تھا کہ بھیا طبیعت خراب ہونے کے باوجود اتنی دور آجائیں گے

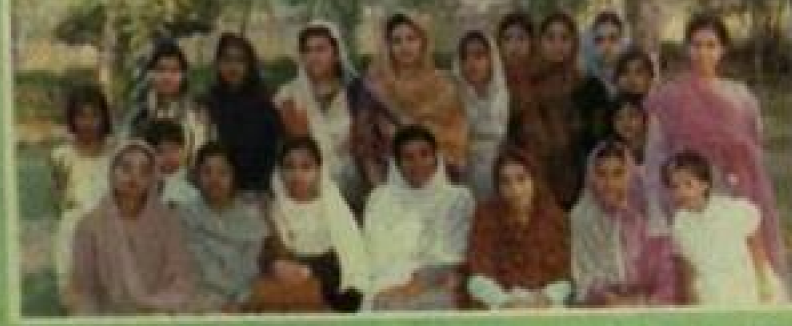
سکول والے انہیں دیکھ کر سکولوں سے اپنے بچے لے آئے





افتتاحی تقریب میں پانچ سکول شرکت کر رہے تھے جو کہ یہ ہیں۔ فاران پبلک سکول، علامہ اقبال پبلک سکول، یونائیٹڈ پبلک سکول، مسلم گرامر سکول اور شاہین پبلک سکول۔ ان سکولوں کے درمیان تلاوت، نعت، ملی نغمے، ٹیبلو، ڈرامہ اور خاکے کے مقابلے تھے۔ ہر شعبہ میں 2 انعامات تھے۔ کسی کو یقین ہی نہیں تھا کہ ایڈیٹر بھیا ہمارے شہر آجائیں گے۔ جڑانوالہ لاہور سے 3 گھنٹے کی دوری پر ہے اور سڑک کا برا حال ہے۔ پھر بھیا کی طبیعت بھی خراب تھی اور وہ ایک آدھ دن پہلے اسلام آباد سے آئے تھے۔ جب سکولز کے پرنسپلز نے ہمارے ایڈیٹر بھیا کو دیکھا تو پھر سبھی اپنے اپنے سکولز کے بچوں کو لے آئے۔ پہلے تو کہہ رہے تھے کہ ہاں "لاہور والے اتنے فارغ بیٹھے ہیں کہ تمہارے بلانے پر آئیں گے مگر ہمارے ایڈیٹر بھیا اتنے اچھے ہیں کہ انہیں پیار سے اور خلوص سے بلایا جائے تو وہ اپنی جان پہ کھیل کر بھی آجاتے ہیں۔" پروگرام کے تین جج صاحبان بھی تھے۔ پروفیسر علی رضا، دوسرے وحید گورونی تھے جو کہ شہر میں گونگے بہرے اور ذہنی طور معذور بچوں کا سکول چلاتے ہیں۔ تیسرے رانا عبدالوحید صاحب۔ تقریب کی مہمان خصوصی مسز ملک خادم جیلانی (سٹی مجسٹریٹ جڑانوالہ) تھیں۔ سب سے پہلا مرحلہ تلاوت قرآن پاک کا تھا۔ اس مرحلے میں سب سے پہلے علامہ اقبال پبلک سکول کے بلال نیازی نے تلاوت کی سعادت حاصل کی۔ پھر فاران پبلک سکول کے عادل نے تلاوت کی۔ ان کے بعد شاہین پبلک سکول کی طرف سے لقمان رشید اور آخر میں یونائیٹڈ پبلک سکول سے عائشہ غوث نے تلاوت کی سعادت حاصل کی۔ اس مرحلے کے اختتام پر دوسرا نعت رسول مقبولؐ کا مرحلہ تھا اور اس کے لئے نعت "فاصلوں کو تکلف ہے ہم سے اگر" پہلے سے منتخب کی ہوئی تھی۔ اس مرحلے کا آغاز فاران پبلک سکول کے رضوان نے کیا اور بڑے پیارے انداز سے نعت پڑھی۔ تلاوت اور نعت کے بعد تیسرا مرحلہ ملی نغمات کا تھا۔ چوتھا مرحلہ ٹیبلوز کا تھا۔ لیکن اس سے پہلے شو کی آرگنائزر مہوش عابد کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی۔ سب سے پہلے انہوں نے جج حضرات، چیف گیسٹ اور لاہور سے آنے والے خصوصی مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ جنہوں نے ہمارے پروگرام میں تشریف لا کر ہماری حوصلہ افزائی کی۔ جو نئی بچیاں پھول گرلز کلب کی ممبر بننا چاہیں وہ مجھ سے فون 312189 پر رابطہ کر سکتی ہیں۔ پھر کہا کہ پھول کی جو خاصیت مجھے پسند آئی وہ یہ ہے کہ پھول بچوں میں خود اعتمادی پیدا کرتا ہے۔ انہیں کچھ کر دکھانے کا موقع دیتا ہے اور اس سلسلے میں کافی حد تک کامیاب رہا ہے۔ کیونکہ ہمارے معاشرے میں ایسے افراد کثرت سے موجود ہیں جو دوسرے کی نسبت بہت اچھا سوچ سکتے ہیں اور کام کرنے کی بہترین صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ چوتھا مرحلہ ٹیبلوز کا شروع ہوا۔ اس میں سب سے پہلے مسلم گرامر سکول کے بچوں نے "ماں کا خواب" نظم پر بہت اچھا ٹیبلو کیا۔ ٹیبلو میں جن بچوں نے حصہ لیا وہ تمام سفید کپڑوں میں ملبوس تھے اور چھوٹے چھوٹے بچے ہاتھوں میں دیئے پکڑے بڑے کیوٹ لگ رہے تھے۔ اس کے بعد شاہین پبلک سکول نے بڑے اچھے انداز میں ٹیبلو پیش کیا اور حاضرین نے بھی دل کھول کر داد دی۔ ٹیبلو کے مرحلہ میں سبھی خوش تھے کہ دیکھنے اور سننے کو اچھی چیزیں ملیں۔ اس کے بعد کمپیئر صاحبہ نے پھول گرلز کلب پاکستان کی صدر آپی تسلیم کوثر سے گزارش کی کہ وہ سٹیج پر آئیں اور اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ آپی تسلیم سٹیج پر تشریف لائیں اور کہا کہ پھول گرلز کلب کے گلدستے میں 26واں پھول جڑانوالہ سے مہوش عابد نے سجایا ہے۔ انہوں نے بچوں کو اتنا اچھا پروگرام پیش کرنے پر مبارکباد دی۔ ساتھ ہی انہوں نے بتایا کہ پھول کا بنیادی مقصد نئی نسل میں مثبت تبدیلیاں پیدا کرنا ہے۔ اگلے مرحلے کا آغاز یونائیٹڈ پبلک سکول کے بچوں قاسم اسلم، شیراز علی، سعدیہ اسلم اور نفیس الحسن نے ڈرامہ "مچھو والا" سے کیا۔ جس پر حاضرین نے حاتم طائی بن کر داد دی اور اس کے بعد شاہین پبلک سکول کی طرف سے بھی ڈرامہ پیش کیا گیا اور بچوں کی پرفارمنس پر حاضرین نے دل کھول کر داد دی اور انہوں نے دل کھول کر

بقیہ صفحہ نمبر 103





DISE FOR THE CHILDREN



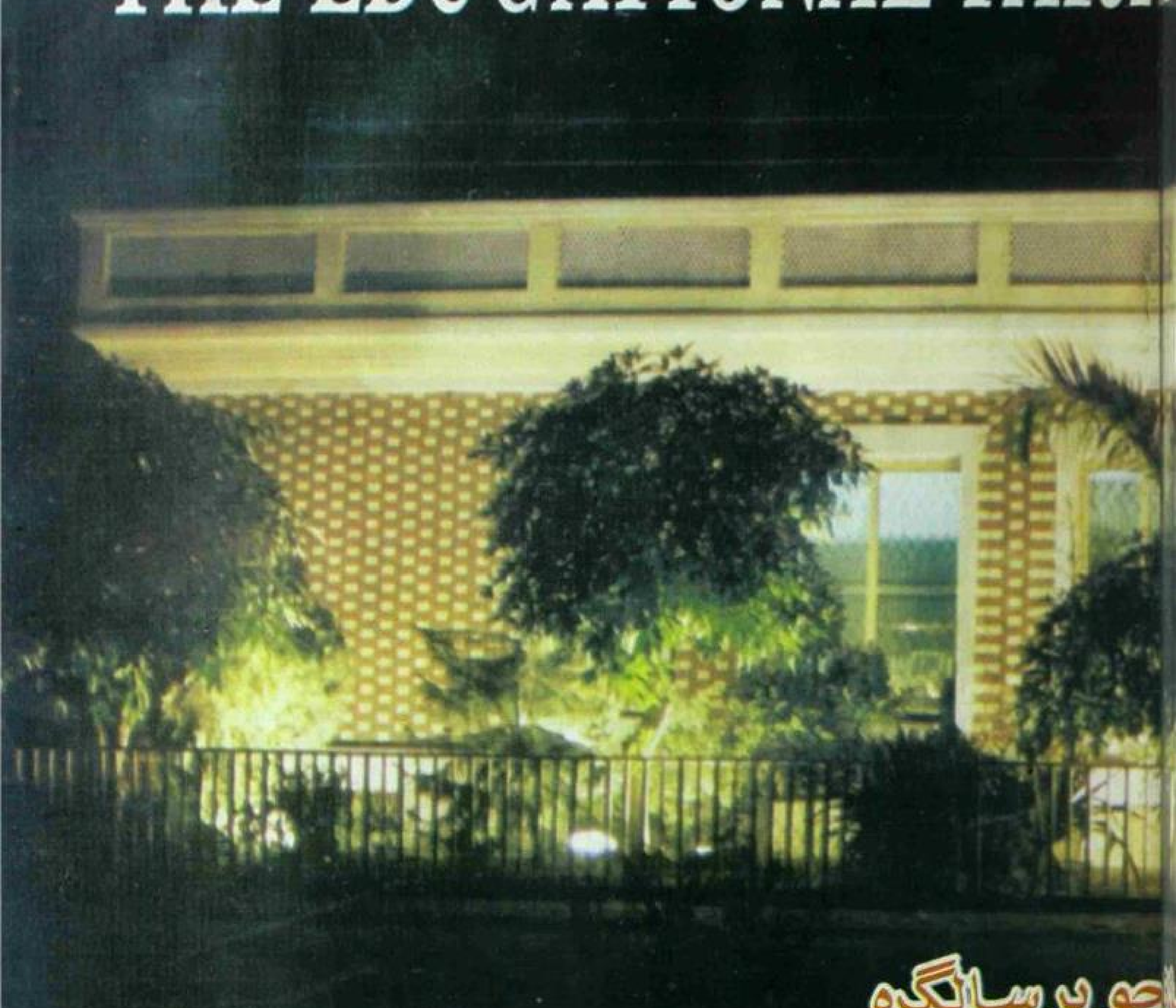
پرائیڈ پبلک سکول کی پا

تحریر و تاثرات ...... محمد اعظم یاد

پیارے بچو! ساتھیو! آپ کو ہر سال پرائیڈ پبلک سکول کی سیر کروائی جاتی ہے اور اس لئے کروائی جاتی ہے کہ جب اس سکول کا آغاز ہوا تھا تو اس کے ڈائریکٹرز نے دعویٰ کیا تھا کہ ہم سکول کو اکیسویں صدی کا ایک مثالی ادارہ بنائیں گے۔ بچوں کو سکول A گریڈ کا دیں گے۔ فیس مناسب لی جائے گی جبکہ سہولتیں اعلیٰ ترین دی جائیں گی۔ میں ہر سال جا کر اس سکول کا مشاہدہ کرتا ہوں اور ہر چیز کو تیزی آنکھ سے دیکھتا ہوں اور جب ہر چیز کو پہلے سے بہتر اور خوبصورت پاتا ہوں اور تعلیمی معیار میں اضافہ دیکھتا ہوں تو سر سے یہ ضرور کہتا ہوں کہ سر جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا۔ میں بچوں کے ذریعے لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ کم فیس میں بہت شاندار سکول دیکر اور اعلیٰ تعلیمی روایات قائم کر کے معاشرے کی خدمت بھی کی جا سکتی ہے۔ چوتھی سالگرہ پر سکول نے سپورٹس ڈے منعقد کروایا اور مجھے بھی مدعو کیا۔ سالانہ پرائیڈ کپ ٹائیگر تائیکوانڈو چیمپئن شپ کی اس تقریب میں جب میں پہنچا تو سرسبز گراؤنڈ میں پیارے اور ہنستے مسکراتے مختلف سکولوں کے بچے ہاتھوں میں رنگ برنگے جھنڈے اور بینر پکڑے نظر آئے۔ سکول کی پرنسپل مسز خدیجہ برہان بہت مصروف نظر آ رہی تھیں۔ میں نے جا کر سلام کیا اور چوتھی سالگرہ پر مبارکباد دی۔ میڈم نے آج کی تقریب کے حوالے سے کہا کہ آج میں بہت خوش ہوں کہ ہمارے سکول میں رسہ کشی پی ٹی شو جالی ریس، سیک ریس، بیڈمنٹن کے مقابلے ہیں جبکہ اصل تقریب پرائیڈ کپ ٹائیگر تائیکوانڈو چیمپئن شپ 2000ء ہے۔ دیکھتے ہیں آج یہ کونسا سکول جیتتا ہے۔ مقابلے میں چھ سکول حصہ لے رہے ہیں۔ سٹیج پر شیلڈیں اور کپ سجے ہوئے تھے۔ میں میڈم ... طرف نکل گیا کہ ... لیتے ہیں۔ کلاس روم ... پرائیڈ کے کلاس روم ... اور دیدہ زیب نظر آ ... ورک سے آراستہ تھے ... بورڈ پر بچوں کی تصاویر ... تھیں۔ ایک بورڈ پر ... ڈاکٹر اسماعیل سعید صاحب ... گیا۔ میں نے واپس جا

ar Niaz Baig) Lahore. PH:5419311

THE EDUCATIONAL PARA



چویں سالگرہ

PPS PRIDE PUBLIC SCHOOL

ویکر اور اکیڈمک بلاک کی
ب لوگ ہی خوبصورت بنا
منے نظر آتے ہیں لیکن
ں کی نسبت زیادہ خوبصورت
تے جو کہ بچوں کے آرٹ
ں پر سافٹ بورڈ اور وائٹ
ش (اردو میں) لکھی ہوئی
وٹی کراچی کے وائس چانسلر
تصویریں دیکھ کر میں رُک
یڈم سے اُن کے بارے میں

پوچھا تو اُنہوں نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب جب ستمبر میں لاہور تشریف لائے تھے تو اُنہوں نے پرائیڈ پبلک سکول کو ماڈل سکول کے طور پر وزٹ کیا تھا جو کہ سکول کیلئے ایک اعزاز ہے۔ میڈم نے مزید بتایا کہ اساتذہ کو جدید تعلیمی اُمور سے روشناس کروانے کیلئے سکول انتظامیہ نے اس سال انسٹیٹیوٹ آف مینجمنٹ اینڈ لیڈر شپ کے ساتھ باقاعدہ سے ٹیچرز ٹریننگ ورکشاپ کا آغاز کیا ہے۔ جس سے سکول کے تعلیمی معیار میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ اُنہوں نے ایک بورڈ کی طرف سے اشارہ کیا جس پر سوزو واٹر پارک ٹیچرز اور سلطے پاکستان پرائیویٹ کے کئے گئے وزٹس کی

بچوں کی تصویریں نظر آ رہی تھیں۔ میڈم نے بتایا کہ ہم بچوں کیلئے اس طرح کے تفریحی اور معلوماتی دورے بھی کرواتے رہتے ہیں۔ میری نظر کمپیوٹر لیب پر پڑی اور میں اندر چلا گیا جہاں پر سکول کی دوسری سہ ماہی کے رزلٹ کیلئے کمپیوٹر پر ڈیٹا تیار کیا جا رہا تھا۔ جو کہ 2 دسمبر 2000ء کو والدین ڈے پر ٹیچر میٹنگ میں والدین کو دیا جائے گا تاکہ وہ بھی بچوں کے تعلیمی اُمور کے بارے میں آگاہ رہیں۔ میں ذاتی مصروفیات کی وجہ سے زیادہ رُک تو نہ سکا لیکن سکول انتظامیہ کی روایتی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوتا ہوا واپس پھول آفس کی طرف رواں دواں ہو گیا۔

1-Km, Main Raiwind Road,(Thok



کچھوا۔ کچھ ایسا سست بھی نہیں

سید غضنفر علی

آپ نے کچھوے اور خرگوش کی کہانی تو سنی ہی ہوگی جس میں کچھوے کی مستقل مزاجی اور خرگوش کے غرور کا ذکر تھا۔ اسی کہانی میں آپکو اچھی طرح یاد ہوگا کہ کس طرح کچھوے نے خرگوش کو ہرا کر بدلا لیا۔ خیر یہ تو ایک خیالی کہانی تھی۔ اس میں سبق تھا کہ جدوجہد کرنے والا ایک نکمے انسان سے کس طرح آگے ہوتا ہے۔

انسان کچھوے کا گوشت ہی نہیں تیل بھی نکال لیتا ہے

لیکن کچھوے کا سمندری زندگی سے کیا تعلق ہے اور کیا واقعتاً کچھوا بہت تیز ہے۔ ہم جہاں تک جانتے ہیں کہ کچھوا بہت ہی آہستہ حرکت کرنے والا جانور ہے اور اس کی آہستگی اور کم رفتاری ضرب المثل ہے۔ کیا یہ سچ ہے۔ جہاں تک کہانی میں ہے کہ کچھوا کم رفتار ہوتا ہے وہاں پر یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ رفتار میں تیز بھی ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ رفتار میں بہت تیز بھی ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے پرندوں سے تشبیہ دی گئی ہے مگر یہ صرف پانی میں ممکن ہے! اس کی رفتار دشمن سے بچاؤ کیلئے ہو یا رزق حاصل کرنے کیلئے یہ بہت تیز تیرتا ہے۔ یہ جانور پانی اور خشک جگہ دونوں پر رہ سکتا ہے۔ ان کی شکل وصورت اور وزن میں خاصا فرق پایا جاتا ہے۔ بعض کچھوے کی لمبائی 2.5 میٹر اور وزن 816 کلو گرام ہوتی ہے۔ امریکی کچھوے 30 سینٹی میٹر کے ہوتے ہیں۔

کچھوے انڈے دیتے ہیں مگر بچے نہیں۔ رات کے وقت سمندر کے قریب آ کر اپنے انڈے ریتلی زمین میں چھپا دیتے ہیں۔ 100 انڈے رکھنے کے بعد انہیں مٹی میں دفن کر دیتے ہیں یہ انڈے کا وزن پنگ پونگ کے بال جتنا ہوتا ہے۔ ریتلی زمین میں دبا کر ان پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ڈالتے اس وجہ سے کہ کہیں یہ انڈے ٹوٹ نہ جائیں۔ جب بھی کوئی انڈہ ٹوٹے تو اس میں سے بچے نکل کر سمندر میں چلے جاتے ہیں۔ اکثر بیشتر یہ چھوٹے کچھوے پرندوں اور سفاک مچھلیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کچھوے کے قدرتی شکاری بھی ہوتے ہیں مثلاً انسان کچھوے کو شکار کر کے اس کا گوشت اور اس کی جلد میں سے تیل نکال لیتے ہیں۔ سب سے بڑا عجوبہ اس کی کمر کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ کچھوے سخت سے سخت حالات میں بھی رہنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ عموماً یہ سخت ٹھنڈک والے اور سخت گرم علاقوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ یورپی کچھوا اینٹوں میں گڑھا بنا کر اس میں رہتا ہے۔ شدید ترین سردی میں ان بنائے ہوئے گھروں میں رہتا ہے اور پھر اپریل میں ان میں سے نکلتے ہیں جب موسم معتدل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح امریکی کچھوا صحراؤں میں رہتا ہے۔ جنوب مشرقی امریکہ میں یہ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جب گرمی کی لہر شدید ہو تو یہ کچھوے زمین میں ایک سرنگ بناتے ہیں اور سرنگ ایک پتھر میں جا کر ختم ہوتی ہے جس میں ان کے گھر ہوتے ہیں

دیکھا آپ نے؟...... کچھوا کس طرح جدوجہد کرتا ہے مگر مستقل مزاجی کے ساتھ اپنے لئے زندگی کے حالات کو بناتا ہے اور مصروف رہتا ہے۔

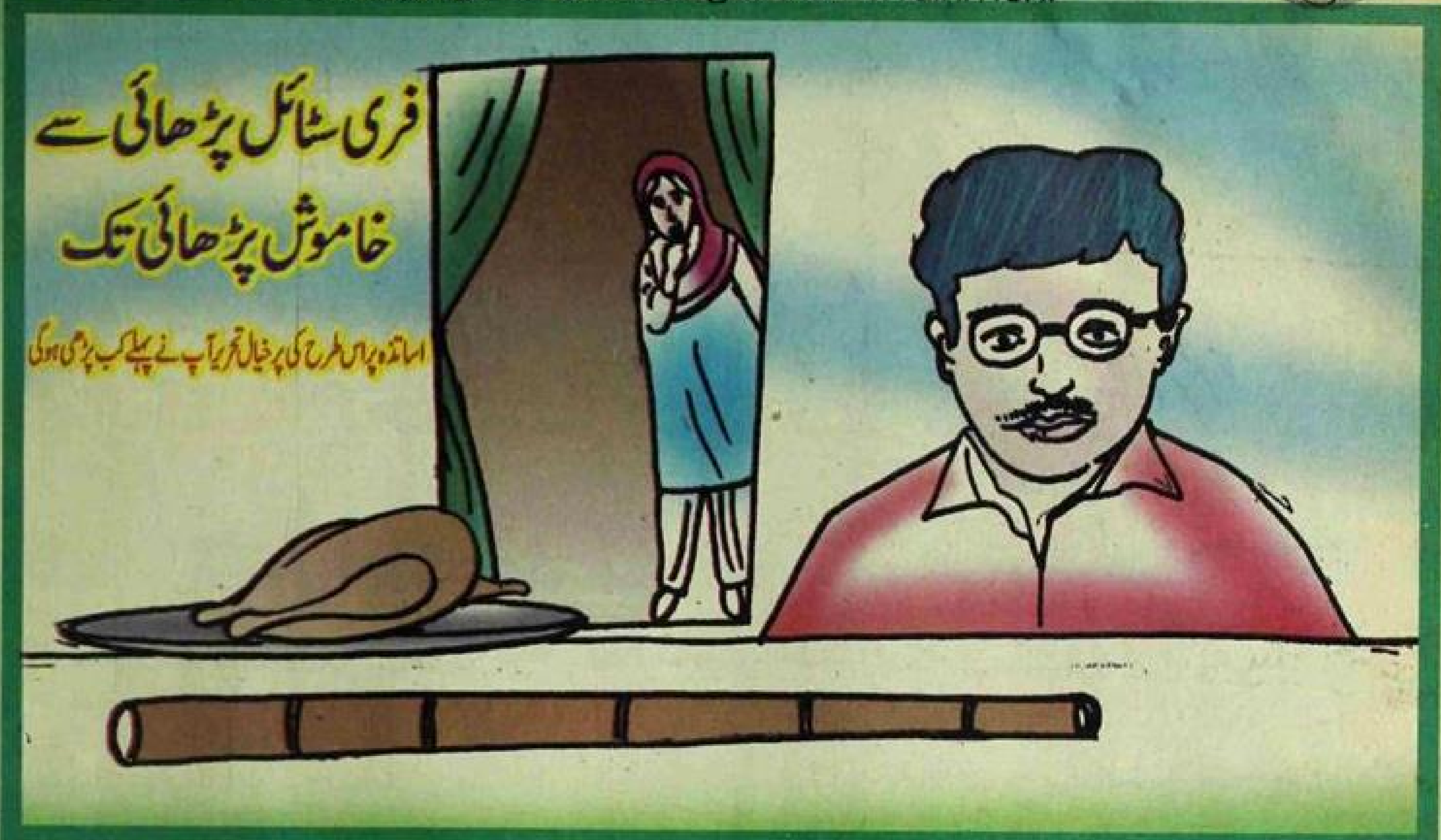






فری سٹائل پڑھائی سے خاموش پڑھائی تک

اساتذہ پر اس طرح کی پرخیال تحریر آپ نے پہلے کب پڑھی ہوگی



یہ شرارت ایک استاد نے ہی کی ہے اس کا گناہ ان کے سر اور ثواب ہمارے ذمے رہا

تنویر حسین

جب ہم طالب علم تھے ہمارے استاد ہمیں زبان، ہاتھ، پاؤں، کیکر اور شیشم کے ڈنڈوں سے تعلیم دیتے تھے۔ استاد صاحب کسی طالب علم سے پوچھتے کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے یا سورج زمین کے گرد چکر لگاتا ہے تو طالب علم کی غلط بیانی پر اسے حکم دیا جاتا کہ وہ سکول کے گرد کم از کم سات چکر ضرور لگائے۔ جب طالب علم ہانپتا کانپتا کلاس میں آتا تو استاد صاحب کہتے "تم زمین ہو اور سکول سورج" پس ثابت ہوا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ جس طالب علم کو اسلامیات کا سبق یاد نہ ہوتا اس سے استاد صاحب سر دبواتے اور جو حساب میں کمزور ہوتا اس سے ٹانگیں اور پاؤں کی انگلیاں دبواتے اور گنواتے۔ بہت زیادہ شرارتی لڑکے کو استاد صاحب اپنی بھینسوں گائیوں کو چارہ ڈالنے اور نہلانے بھیج دیتے اور ہمیں کہتے کہ بشیرا! بھینسوں گائیوں کے سینگوں اور دموں سے خوب سبق سیکھے گا۔ جس طالب کو اچانک سبق بھول جاتا تو استاد صاحب کسی دوسرے طالب علم سے کہتے کہ وہ اسے ناک سے پکڑ کر ایک زناٹے دار کرما گرم تھپڑ کے ساتھ بھولا ہوا سبق یاد دلائے۔ اس طرح استاد شاگرد کے درمیان قربت بھی بہت تھی اور استادی شاگردی کا رشتہ بھی بہت مضبوط ہوتا تھا۔ اس رشتے کو مزید مضبوط کرنے کیلئے طلبہ سے اینٹ اور پتھر بھی اٹھوائے جاتے۔ اسے فری اسٹائل پڑھائی کہا جاتا ہے۔ آج بڑے بڑے سکولوں میں شاگردوں کی بجائے استادوں کے لئے زیادہ پابندیاں اور سختیاں ہیں۔ استاد کی زبان کسی طالب علم کو گدھا کہنے کو ترستی ہے۔ شاگردوں کو آپ آپ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ تم، تو اور تیرے جیسے الفاظ استاد کی ڈکشنری سے غائب ہوتے جا رہے ہیں۔ حالانکہ انگریزی میں "YOU" نے ہر چھوٹے بڑے اور ادنیٰ و اعلیٰ کو ایک ہی صف میں کھڑا کر رکھا ہے۔ اب بڑے خاندان کے کسی چھوٹے چشم و چراغ کو پکارنے کے لئے استاد کو کم از کم "یو آ زیبل چائلڈ" کہنا پڑتا ہے۔ "استاد گاؤن زیب تن کریں۔ پتلون کے بغیر استاد کی شخصیت پتلی ہوتی ہے۔ مئی کے مہینے میں اگر استاد کوٹ وغیرہ پہن لیں تو ان کی شخصیت کو کم از کم تو چار چاند لگ سکتے ہیں"۔

ہم نے ایک بڑے سکول کے پرنسپل اور اسلامیات کے استاد کو آگے پیچھے دوڑتے دیکھا۔ ہم نے سوچا کہ اپنے اپنے کام سے جا رہے ہوں گے۔ اسلامیات کے استاد کو پرنسپل صاحب نے سنیئے، ٹھہریئے، رکیے کے الفاظ سے کمرہ جماعت کے باہر ہی رکوالیا۔ "جناب! آپ اپنے پاؤں پر ذرا غور فرمائیں" پرنسپل صاحب نے کہا: "محترم! میں آپ کو کلاس میں نہیں جانے دوں گا۔ آپ ہوائی چپل پہن کر کلاس نہیں لے سکتے"۔

بہت سے استاد اپنی نوکریوں سے محض اس لئے پاؤں دھو بیٹھتے ہیں کہ ان کے پاؤں کو کسی قسم کی بوٹ جرابوں کی پابندی گوارہ نہیں تھی۔ اس طرح ہمیں ایک استاد جو بڑے سکول سے تازہ تازہ فارغ ہوئے تھے نے بتایا کہ وہ اپنی استادی سے صرف اس لئے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں کہ انہوں نے ایک بیرسٹر صاحب کے لڑکے کو نظریہ پاکستان والا سوال یاد نہ کرنے پر



استاد صاحب ہمیشہ دھمکی دیتے ہیں چپ کریں نہیں تو پڑھانا شروع کردوں گا



والدین کا موقف تھا ہماری سات پشتوں میں کوئی مرغا نہیں بنا یہ انہونی اب کیسے ہوگئی

اپنے دائیں اور بائیں ہاتھ کا مزا چکھا دیا تھا۔ اسی طرح ہمیں ایک استاد صاحب نے بتایا کہ انہوں نے ایک طالب علم کو کیمسٹری کے فارمولے یاد نہ کرنے کی پاداش میں ساری کلاس کے سامنے سٹیج پر مرغا بنا دیا۔ دوسرے دن اس طالب علم کے والدین اپنے خاندان کا شجرہ نسب لے کر سکول پہنچ گئے۔ والدین کا موقف تھا کہ ان کی سات پشتوں میں کوئی فرد تعلیمی سلسلے کے دوران مرغا نہیں بنا۔ یہ انہونی کیسے ہوگئی؟...... انہوں نے یہ مرغا کیس پرنسپل صاحب کی عدالت میں پیش کر دیا اور برملا کہا "ہم مرغا کھا سکتے ہیں، مرغا رکھ سکتے ہیں لیکن مرغا بن نہیں سکتے۔"

چنانچہ استاد صاحب کا اسی روز بے باکی سے جاب بے باق کر دیا گیا۔ استاد صاحب سکول سے نکل کر سیدھے بازار گئے اور 60 روپے فی کلو کے حساب سے برائلر خریدا۔ گھر جا کر اپنی زوجہ محترمہ سے مخاطب ہوئے "لو پکڑو، اسی برائلر نے ہمیں نوکری سے فارغ کروا دیا ہے"۔

اسی طرح ایک استاد محترم نے ایک معزز گھرانے کے چشم و چراغ کو الو کا پٹھا اور الو کا چرخہ کہہ دیا۔ یہ شکایت سکول کے سربراہ تک پہنچی۔ والدین اور ان کے طرف دار سکول آئے۔ لائبریرین کے ذریعے مذکورہ بالا اصطلاحات کے مفاہم و مطالب کے لئے فیروز اللغات، نسیم اللغات اور فہیم اللغات وغیرہ منگوائی گئیں۔ الو کے معنی مع تصویر کے واضح تھے لیکن پٹھے اور چرخے کے معنی نہ مل سکے۔ بچے کے والد صاحب نے پرنسپل صاحب سے کہا کہ آج اگر اس ادارے میں بی اے بی ایڈ استاد نے مجھے ان الفاظ سے پکارا ہے تو کل ان کی زبان پر کوئی اس سے بھی غبی (پاکستانی مفہوم) اور کریہہ الصوت جانور سواری کر سکتا ہے۔ اس طرح استاد صاحب بچوں کو سبق دیتے دیتے اپنے عہدے سے سبکدوش ہوگئے۔

کسی زمانے میں سکولوں کی دیواروں برآمدوں اور کمروں میں بہت سی ہدایات برائے طلبہ و طالبات لکھی ہوتی تھیں۔ خاموشی بہت بڑی عبادت ہے۔ اپنی زبان پر قابو رکھیں، مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے محفوظ رہیں، استاد روحانی باپ ہے اس کا ادب کریں، محنت خوب کریں اس سال سو فیصد نتیجہ دینا ہے، باادب بانصیب، بے ادب بے نصیب۔

آج کل اسی طرح کی ہدایات استادوں کے لئے ہیں مثلاً بچے فطرت کا پھولوں جیسا تحفہ ہیں۔ ان کے سامنے سانس بھی نہ لیں مرجھا جائیں گے۔ کوشش کریں کہ پورے پیریڈ میں خاموش رہیں کیونکہ بچے لکھنو کے بانکوں سے کسی طرح بھی کم نہیں اور پچھلے ٹائم اکیڈمیوں میں پڑھتے بھی ہیں اس لئے انہیں سردرد نہ ہو جائے، پہلے تولیں پھر بولیں، بچوں کا ادب کریں۔

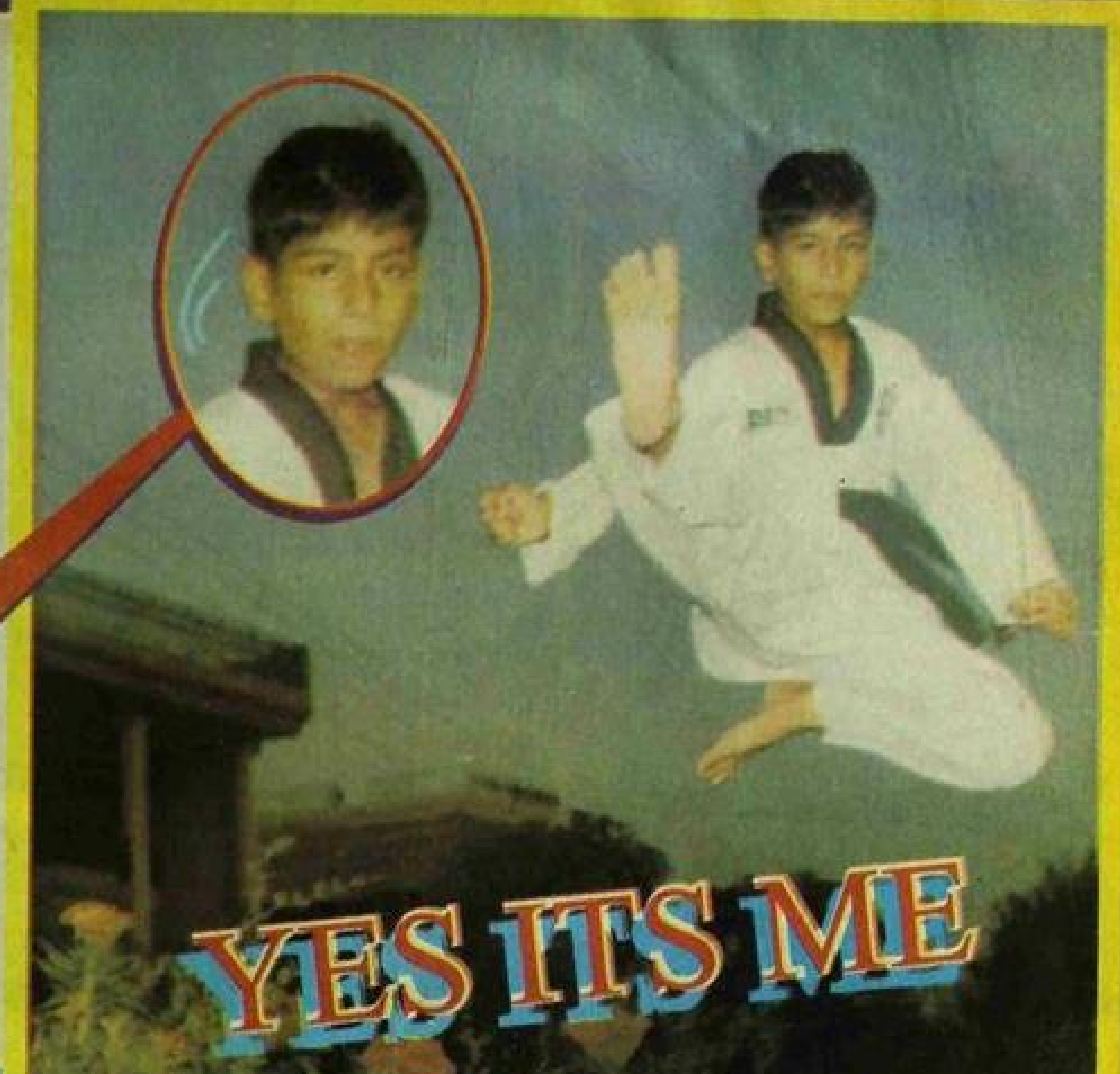
اس لئے آج کل استادوں کے رویے میں بہت سی تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ پہلے کرکٹ کے کھلاڑی اور تماشائی ہی چیونگم چباتے تھے۔ اب استاد صاحبان بھی پڑھانے سے پہلے چیونگم اور پان وغیرہ منہ میں رکھ لیتے ہیں تاکہ طالب علموں اور ان کے درمیان تعلقات خوش گوار رہیں اور یہ تعلقات ٹیوشن کو فروغ دیں۔ میر تقی میر نے دراصل یہ شعر استادوں ہی کے لئے لکھا ہے

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

ایک استاد صاحب کو موجودہ تعلیمی نظام کا سانپ اس حد تک سونگھ چکا ہے کہ وہ کلاس میں بڑے صبر و سکون سے بیٹھ جاتے ہیں۔ جونہی لڑکے شور کرنے لگیں وہ باآواز بلند فرماتے ہیں۔ "چپ کریں، نہیں تو میں پڑھانا شروع کر دوں گا" بچے فوراً کہہ اٹھتے ہیں "سر! آپ نہ پڑھائیں ہم چپ کر جاتے ہیں"۔

ہمارے استاد ہمیں زبان ہاتھ پاؤں سے لیکر، کیکر اور شیشم کے ڈنڈوں سے تعلیم دیتے تھے





هواؤں کی سیر

یہ تصویر 1998ء میں سبزہ زار پارک میں اس وقت بنائی گئی جب میں کراٹے کی پریکٹس کر رہا تھا۔ اتوار کا دن تھا اور کلب بند تھا ابو اور ان کے دوست بھی موجود تھے میں نے جب فلائنگ کک لگائی تو انکل غلام رسول نے اسے اپنے کیمرے میں محفوظ کر لیا۔ اب تو خیر بلیک بیلٹ تھرڈ ڈان ہوں اس وقت سیکنڈ ڈان تھا۔ (فہیم اسلم ..... سبزہ زار لاہور)

ننھی صدر

ارے آپ نے مجھے پہچانا نہیں میں مائدہ ہی ہوں۔ چودہ اگست ہی کو تو میں نے پھول کے دو عہدے سنبھالے ہیں۔ یعنی صدر اور نائب صدر اس لئے تو ہاتھ کے اشارے سے سب کو منع کر رہی ہوں کہ مجھ سے ملنے سے پہلے ذرا سنبھل کر ملیے۔ دراصل چودہ اگست کو جب ہم اپنے فنکشن سے واپس آئے تو اپنی ننھی بھانجی کے اصرار پر اسے بیج لگائے اور جھنڈا بھی پکڑایا تب جا کر اسے سکون آیا۔
(مائدہ ارشد وزیر آباد)





چھوٹی سی بڑھیا

یہ جو پیاری سی بچی ہے ناں یہ میری دوست کی چھوٹی بہن خدیجہ ہے۔ جس کو تصویریں بنوانے کا بہت شوق ہے جب کسی کے ہاتھ میں کیمرہ دیکھتی ہے تیار ہو کر بیٹھ جاتی ہے۔ یہ بھی ایک ایسے ہی دن کی بات ہے جب اس نے میرے ہاتھ میں کیمرہ دیکھا تو بولی کہ میں بڑھی اماں بن کر تصویر بنواؤں گی۔ آپ کو کیسی لگی یہ تصویر؟ (طاہرہ مریم ..... اسلام آباد)

آپ کو بھی یہ تصویر اچھی لگے گی

دیکھا آپ نے میں کیسے ہریالی کے درمیان پودا بنی کھڑی ہوں اور آپ کو مزید حیرت ہوگی کہ اس پر تو پھول پھل بھی لگے ہیں موسم اچھا ہو یا نہ ہو سبزہ ہمیشہ اچھا ہی لگتا ہے مجھے تو اپنی یہ تصویر بہت بھاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی پسند آئے گی۔ (ثنا ارشد جھنگ)





ریمبو بننے کی کوشش

ہوا کچھ یوں کہ ایک دن ہم گھر میں صفائی کر رہے تھے۔ میں نے اپنے سر پر رومال باندھا ہوا تھا اور ریمبو لگ رہا تھا۔ میرا ایک کزن جس کا نام افتخار ہے وہ بھی میرے ساتھ صفائی کر رہا تھا وہ آہستہ سے اندر گیا اور کیمرہ لے آیا اور میری تصویر بنا دی ہم نے ریمبو بننے کی کوشش کی تھی آپ بھی کر دیکھیں۔ (سعید احمد قریشی ..... جھنگ)

"کیوں حیران رہ گئے نا"



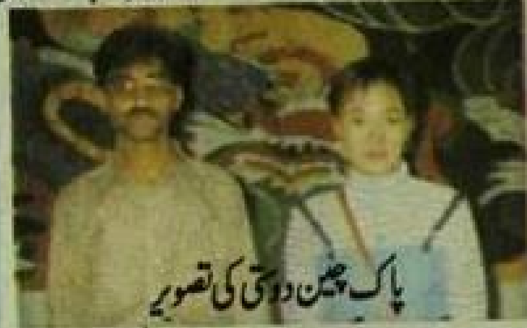
یہ تصویر 1989ء کی ہے اور تصویر میں آپ بظاہر جو دو ستوری شرمائی ہیں مگر بچیاں نہیں ہیں بلکہ ماہدولت (جنید قاسم) اپنے دو سال بڑے کزن نبیل طارق کے ہمراہ لڑکیوں کا روپ دھارے ہوئے ہیں۔ کیوں حیران رہ گئے نا؟ بائیں جانب میں یعنی جنید اور دائیں جانب نبیل ہیں جو کہ آج کل آسٹریا Austria میں میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ (جنید قاسم ..... چیچہ وطنی)



کھانے کے سٹائل

یہ تصویر میری باجی کی سالگرہ کی ہے۔ جب ہم سب زور و شور سے کھانے میں معروف تھے جب اچانک تصویر بنائی گئی۔ مگر دیکھیں! ہم نے پھر بھی کتنے مزے مزے کے سٹائل مارے ہیں ناں۔ (ہرے کپڑوں والی میں اور پیلے کپڑوں والی میری بہن ہے۔) (قرۃ العین ۔ بہاولپور)

صدر پھول کلب مانگا منڈی)

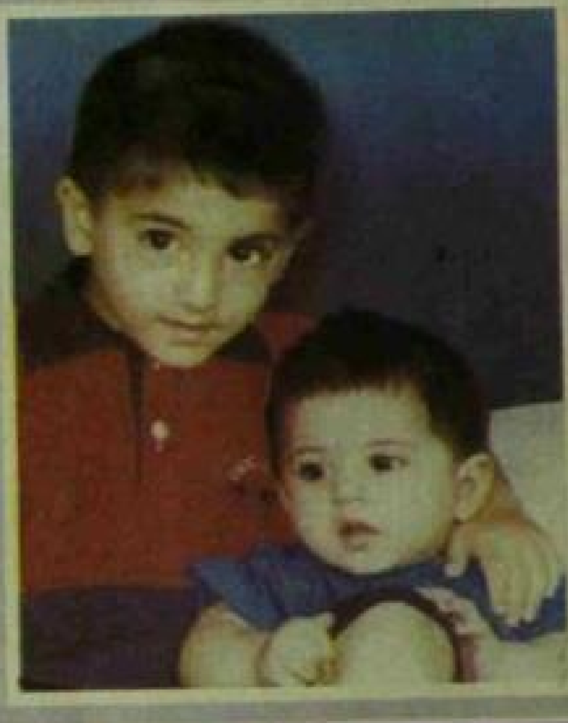


پاک چین دوستی کی تصویر

میڈم چنگ چو چو سے ملاقات ہوئی۔ ماہنامہ پھول اور پھول کلب کا تعارف کروایا تو بہت خوش ہوئیں اتنی خوش کہ فوراً میرے ساتھ تصویر بنوائی اور عہد کیا کہ جس طرح پاک چین دوستی سدا سلامت رہے

بہنیں تو ایسی ہی ہوتی ہیں

بہن بھائی چھوٹے ہوں یا بڑے آپس میں ہمیشہ ہی پیار محبت سے رہتے ہیں۔ میں اور لائبہ تو ایسے ہی رہتے ہیں۔ آپ بھی رہتے ہوں گے۔ دیکھ لیں میں ابھی سے اسے کتنا پیار کرتا ہوں۔ بڑی ہو گی تو اور بھی کروں گا بہنیں تو ہوتی ہیں ایسی ہی پیار کرنے والی خدا کرے کہ ہم ہمیشہ ایسے ہی رہیں۔ دانیال بٹ، لاہور



"ہنسنا ہم سے سیکھیں"

یہ تصویر جو آپ دیکھ رہے ہیں اچانک بنی ہوئی ہے ہم لوگ امی سے اٹھکیلیاں کر رہے تھے کہ اچانک بھائی نے تصویر بنا ڈالی درمیان والی کالے سوٹ والی امی ہیں۔ امی کے ساتھ بائیں جانب زاہدہ ہے اور زاہدہ کے ساتھ جو تھوڑا سا ہنس رہی ہے وہ میں ہوں یعنی نجمہ اور شازیہ بھی میرے ساتھ ہے اور سیدھی جانب باجی عظمیٰ۔ (نجمہ نذیر احمد ..... سانگھڑ)



میں اچھی ہوں یا میرے بھیا

یہ میری اور میرے بھیا عمران کی تصویر ہے جو ہم نے عید کے موقع پر بنوائی تھی۔ ہم نے سوچا کہ تصویر بنوانی ہے تو خاص سٹائل بنانا پڑے گا۔ آپ بتائیں کہ میں اچھی لگ رہی ہوں یا میرے بھیا! (سیمی نور خان ..... بھکر)



واہ کیا بات ہے

مرتبہ: سیدہ طاہرہ کراچی

اخلاق حسنہ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک آدمی نے باہر سے دروازے پر دستک دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ شخص قوم کا برا آدمی ہے۔ جب وہ اندر آیا تو آپ ﷺ اس سے کشادہ پیشانی اور نرم کلام سے پیش آئے۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت آپ ﷺ نے اس آدمی کا آنا سنا اس وقت اس کی نسبت ایسا ایسا کہا۔ جب آپ ﷺ اس کے سامنے ہوئے تو کشادہ پیشانی رکھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عائشہؓ! تو نے مجھے کب کسی سے بداخلاقی یا بدخلقی سے پیش آتے دیکھا؟ میں تو اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں۔

(مرسلہ: غزالہ گلشن محمودکوٹ شہر)

مٹھاس کا راز

میں نے انگور کی بیل پر پتھر پھینکا ایک خوشہ زمین پر گر پڑا۔ کھایا تو بے حد میٹھا تھا۔ میں نے ٹہنی سے پوچھا۔ انگور میں یہ مٹھاس کیونکر پیدا ہوئی؟

اس نے جواب دیا

دھوپ کی سختی صبر سے جھیلی اپنا سر ہمیشہ جھکائے رکھا، بس یہی وجہ ہے کہ لوگ قدر کرتے ہیں۔

(مرسلہ: بسیرا عبدالقیوم کہیال۔ ایبٹ آباد)

تنہائی

عمران بن خطان بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو ذرؓ کے پاس آیا تو میں نے انہیں مسجد میں کالی کملی لپیٹے تنہا بیٹھے دیکھا۔ میں نے عرض کیا "اے ابوذرؓ! یہ تنہائی کیسی ہے؟" انہوں نے فرمایا "میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ برے ہم نشین سے تنہائی بہتر ہے۔ اور نیک ہم نشین تنہائی سے بہتر ہے۔ اچھی بات بتانا خاموشی سے بہتر ہے اور بری بات بتانے سے خاموشی بہتر ہے۔

(مرسلہ: ملیکہ سعید۔ فیصل آباد)

خیالوں کی مہک

☆......اس شخص کو کبھی موت نہیں آتی جو زندگی بخشتا ہے۔ (حضرت علی)

☆......اس کی ہمت پر قربان جو نیک کام خلوص سے کرتا ہے۔ (شیخ سعدیؒ)

☆......شکست ہی انسان کو ناقابل شکست بناتی ہے۔ (ہنری وارڈ بیچر)

☆......تمام چیزوں سے سادگی کی نقل کرنا سب سے مشکل کام ہے۔ (سطنیز)

☆......کام کرنے سے ہی آپ کام سیکھتے ہیں (ارسطو)

☆......مشکل ایسا عذر ہے جسے تاریخ بھی تسلیم نہیں کرتی (سموئیل جانسن)

☆......جب لوگوں کو اچھا کام کرتے دیکھو تو اس میں شریک ہو جاؤ۔ (حضرت عثمانؓ)

☆......ناامید نہ ہو اس سے زندگی کم ہوتی ہے۔ (سقراط)

(مرسلہ: محمد اشیاق سلیمی قبولہ شریف)

نصیحت

حضرت لقمانؑ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا۔ بیٹا جس وقت تم یہ بات محسوس کرو کہ لوگ ذکر خداوندی میں مشغول ہیں تو تم ان کی مجلس میں شریک ہو جاؤ" اگر تم عالم ہوئے تو تمہارا علم تمہیں نفع پہنچائے گا اور اگر تم جاہل ہوئے تو وہ تم کو کچھ سکھلائیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ خداوند کریم ان پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائیں تو تم کو کچھ حصہ ملے گا اور جس وقت تم اس طرح کے لوگوں کو دیکھو جو ذکر خداوندی میں مشغول نہیں ہیں تو تم ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھو اور نہ ہی ان کی مجلس میں شریک ہو کیونکہ اس صورت میں تمہارا علم تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچائے گا اور اگر تم جاہل ہوئے تو تمہاری سرکشی میں اضافہ ہوگا اور ممکن ہے کہ خداوند تعالیٰ ان کی جانب ناراضگی سے دیکھیں اس طرح تم بھی ان کے ساتھ مبتلا ہو جاؤ گے۔

(مرسلہ: محمد افضل بٹ واربرٹن)

راز

ایک خلقت میدان میں جمع تھی۔ میدان کے ایک سرے پر جنازہ نماز کیلئے تیار تھا۔ ہندوستان کے ایک بہت بڑے بزرگ اور ولی انتقال فرما چکے تھے۔ ہر طرف لوگوں کا ایک جم غفیر تھا۔ ہر شخص غم واندوہ کی تصویر بنا ہوا تھا۔ یکایک جنازہ کے قریب ایک شخص نے کھڑے ہو کر انتقال فرمانے والے بزرگ کی وصیت پڑھنی شروع کی "میری نماز جنازہ وہ شخص پڑھائے جس نے اپنی زندگی میں خود کوئی نماز قضا نہ کی ہو۔"

وصیت سن کر ہزاروں کے مجمع پر سکوت چھا گیا۔ تین مرتبہ یہی وصیت دہرائی گئی مگر سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کافی دیر گزر گئی لیکن اتنے بڑے مجمع میں کوئی شخص اس شرط کو پورا کرتا نظر نہ آتا تھا۔ آخر ایک شخص کھڑا ہوا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا جنازے تک پہنچا۔ جنازہ پڑھانے کے بعد اس شخص نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور صرف ایک ذومعنی جملہ کہا: مرنے والے مر گئے لیکن دوسروں کا راز فاش کر گئے۔ انتقال فرمانے والے بزرگ کا نام خواجہ بختیار کاکی تھا اور نماز جنازہ پڑھانے والے بادشاہ وقت شمس الدین التمش تھے۔

ہم کیسے پاگل ہوتے تھے
ہم کیسے پاگل ہوتے تھے۔
اک پھول کو چھونے کی خاطر
کانٹوں سے زخمی ہوتے تھے۔
جو جھولی میں آگرتے تھے انہیں
چھونے سے ڈر جاتے تھے۔
ہم کیسے پاگل ہوتے تھے۔
کہ دھندلے آئنوں میں اپنا ہم
عکس سا ڈھونڈا کرتے تھے۔
اور کرچیاں ٹوٹے آئنوں کی
مٹھی میں دبا کر رکھتے تھے۔
ہم کیسے پاگل ہوتے تھے۔
جب سڑک پر چلنا ہوتا تھا، ہم کشتی
لے کر چلتے تھے
اور بیچ بھنور جانے کے لئے، ہم پیدل
نکلا کرتے تھے۔
ہم کیسے پاگل ہوتے تھے۔
جب بارش برسا کرتی تھی، ہم
چھتری میں چھپ جاتے تھے۔
اور جلتی دھوپ میں ننگے پاؤں،
ہم چھت پر اچھلا کرتے تھے۔
ہم کیسے پاگل ہوتے تھے۔
جب ساری دنیا سوتی تھی، ہم چاند
سے کھیلا کرتے تھے۔
جب ساری دنیا اٹھ جاتی، پھر ہم
تھک کر سو جاتے تھے۔
ہم کتنے پاگل ہوتے تھے۔ ہم
کیسے پاگل ہوتے تھے۔
ہم آج بھی ویسے پاگل ہیں

(سیدہ طاہرہ)

علمی مزاح

چوری مولانا اشرف علی تھانوی کے پاس ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند سے ایک شخص شکایت لیکر آیا کہ وہاں چوری کے کچھ واقعات پیش آئے ہیں اور بعض لوگ طلباء پر چوری کا الزام لگاتے ہیں۔ مولانا یہ سن کر

فرمانے لگے "بھئی طلباء اور وہ بھی اسلامی علوم کے طلباء یہ تو کبھی چور نہیں ہو سکتے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض چوروں نے طالب علمی شروع کر دی ہو اور یہ فعل ان لوگوں کا ہی ہو سکتا ہے۔

معصوم قاتل

امریکہ کا صدر ابراہام لنکن کہتا ہے: مجھے وہ آدمی کبھی نہیں بھولے گا جس نے اپنے باپ کو قتل کر دیا تھا۔ عدالت میں موت کی سزا ملنے کے بعد اس نے میرے پاس رحم کی اپیل ان الفاظ میں کی کہ مجھے معاف کر دیا جائے کیونکہ میں یتیم ہوں۔ (مرسلہ: ارم فاطمہ لاہور)

پابندی وقت

ایک دفعہ ایک تقریب پاکستان بننے کے بعد ہوئی۔ قائداعظم وقت پر پہنچ گئے مگر ابھی وزیراعظم لیاقت علی خان اور چند دیگر وزراء غیر حاضر تھے۔ قائداعظم نے فرمایا۔ ہال سے تمام فالتو کرسیاں ہٹا لی جائیں۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ جب تمام اہم عہدیدار پہنچے تو تقریب شروع تھی اور فالتو کرسیاں ندارد' وہ تمام حضرات پوری تقریب کے دوران شرمندگی سے کھڑے رہے۔ تقریب کے بعد انہوں نے قائداعظم سے معافی مانگی اور آئندہ وقت پر پہنچنے کا وعدہ کیا۔ قائداعظم نے فرمایا: مت بھولو کہ آپ ایک ایسی قوم کے فرد ہیں جو نومولود ہے۔ اگر آپ اسی طرح کرتے رہے تو اسے ناقابل بیان نقصان پہنچے گا۔ (مرسلہ مظفر خان موسیٰ خیل)

سکندر اور ارسطو

آدھی دنیا فتح کرنے والا سکندر اعظم کہا کرتا تھا کہ میرا باپ مجھے آسمان سے زمین پر لایا لیکن میرے استاد نے مجھے زمین سے آسمان تک پہنچا دیا۔

ایک دفعہ سکندر اعظم اپنے استاد ارسطو کے ساتھ گھنے جنگل سے گزر رہا تھا کہ راستے میں ایک بہت بڑا برساتی نالہ آ گیا۔ بارش کی وجہ سے اس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ استاد اور شاگرد کے درمیان بحث ہونے لگی کہ یہ خطرناک نالہ پہلے کون پار کریگا۔ سکندر کا اصرار تھا کہ پہلے وہ جائے گا اور ارسطو کا کہنا تھا کہ پہلے وہ جائے گا۔ آخر ارسطو نے سکندر کی بات مان لی۔ پہلے سکندر نے نالہ پار کیا اور پھر ارسطو نے نالہ پار کر کے ارسطو نے اپنے شاگرد سکندر سے پوچھا: "کیا تم نے مجھ سے آگے چل کر میری بے عزتی نہیں کی؟ سکندر نے ادب سے جواب دیا "نہیں استاد محترم! میں نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اگر ارسطو زندہ رہے گا تو ہزاروں سکندر تیار ہو جائیں گے لیکن سکندر ایک بھی ارسطو تیار نہیں کر سکتا۔"

(مرسلہ: ہما کنول جگہ نامعلوم)

اکیسویں صدی کے محاورے

☆......تھرڈ ڈویژن پاس' نہ گھر کا نہ گھاٹ کا

☆......ریگولر اسٹوڈنٹ روئے' پرائیویٹ سوئے۔

☆...... ٹیچر کو دیکھ کر اسٹوڈنٹ رنگ پکڑتا ہے۔

☆......سائنس سے گرا آرٹس میں اٹکا

☆......ٹیوشن کامیابی کی ماں ہے۔

☆......ڈوبتے طالب علموں کو خلاصوں کا سہارا

☆......الٹا شاگرد استاد کو ڈانٹے

☆......طالب علم کی کمر پر کتابوں کا انبار

بلا

ایک دفعہ مرزا غالب مکان بدلنا چاہتے تھے۔ ایک مکان وہ خود دیکھ کر آئے اس کا دیوان خانہ تو پسند آ گیا مگر محل سرا خود نہ دیکھ سکے۔ گھر آ گئے اسے دیکھنے کیلئے بیگم کو بھیجا وہ دیکھ کر آئیں تو ان سے پسند ناپسند کا حال پوچھا۔ انہوں نے کہا اس میں تو لوگ بلا بتاتے ہیں۔ مرزا نے کہا "کیا دنیا میں آپ سے بڑھ کر بھی "بلا" ہے۔

(مرسلہ: طاہرہ جبین تونسہ شریف)

برجستہ

لندن میں پنڈت نہرو کے اعزاز میں دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ اس میں ڈیوک آف ونڈسر' سر عبدالقادر اور دیگر اہم شخصیات شریک تھیں۔ کھانے کے دوران ڈیوک آف ونڈسر نے چھری اور کانٹے سے کھاتے ہوئے سر عبدالقادر پر چوٹ کی۔

"سر عبدالقادر! کیا تمہارے مسلمان اب بھی ہاتھوں سے کھانا کھاتے ہیں؟"

"جی ہاں! بالکل اسی طرح جس طرح حضرت عیسیٰ کھایا کرتے تھے۔"

سر عبدالقادر نے برجستہ جواب دیا۔ ڈیوک آف ونڈسر جھینپ کر خاموش ہو گئے۔

(عائشہ نذیر۔ وزیر آباد)

عزرائیل کا دکھ

اللہ تعالیٰ نے عزرائیل (ملک الموت) سے پوچھا

"اے عزرائیل! کیا کسی مرنے والے پر تجھ کو کبھی رحم آیا ہے؟

عزرائیل نے عرض کیا: الٰہی مجھے تو ہر ایک کی موت پر دکھ ہوتا ہے لیکن تیرے حکم سے سرتابی کرنا ناممکن ہے ورنہ میں عرض کرتا کہ کسی جوان کی موت کی بجائے میری روح قبض کی جائے۔

حق تعالیٰ نے فرمایا: تجھے سب سے زیادہ رحم کس پر آیا اور تیرا دل کس کی موت پر بہت زیادہ دکھی ہوا؟

عزرائیل نے عرض کی: ایک دن ایک کشتی طوفانی سمندر میں بہہ رہی تھی میں نے تیرے حکم سے اس کو توڑ دیا پھر تو نے مجھے حکم دیا کہ اس کشتی پر موجود تمام لوگوں کی روح قبض کر لے مگر ایک بچہ اور عورت کو چھوڑ دے۔ میں نے تیرے حکم کی تعمیل کی اور اس عورت اور بچے کو تختے پر چھوڑ دیا۔ سمندری موجیں اس تختے کو بہا کر ساحل پر لے گئیں۔ پھر تو نے مجھے اس عورت کی روح قبض کرنے کو کہا اور اس بچے کو تنہا کر دیا۔ اللہ تو خود جانتا ہے کہ جب میں نے ماں کو بچے سے جدا کیا تو میرا دل کس قدر دکھا تھا۔ میں نے بڑے بڑے دکھ اور صدمے دیکھے ہیں لیکن اس معصوم بچے کو بے یارومددگار چھوڑنے کا غم میرے ذہن پر نقش ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عزرائیل! میں نے اپنے فضل سے ایک موج کو حکم دیا کہ اس بچے کو قریبی جنگل میں ڈال دے۔ یہ جنگل گل وریحان اور پھل دار پودوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں شیریں اور مصفا پانی کے چشمے بہہ رہے تھے۔ ہر طرف خوش الحان پرندے چہچہا رہے تھے۔ اس کا بستر چنبیلی کے پھولوں کا تھا۔ ہر نعمت اس کو میسر تھی۔ ہر قسم کے خوف وخطر میں خود میں اس کا ضامن تھا۔ میں نے سورج کو حکم دیا کہ اپنی تپش سے اس کے آرام میں خلل مت ڈالو۔ ہوا کو حکم دیا کہ اس پر سے آہستہ سے گزر۔ بادل کو حکم دیا کہ اس پر مت برس' ایک مادہ چیتے نے اس وقت بچے جنے تھے۔ میں نے اس کو حکم دیا کہ اس بچے کو بھی دودھ پلا۔ چنانچہ اس نے دودھ پلایا اور اس کی نگہداشت میں چند سال کے بعد وہ تنو مند جوان بن گیا۔

جانتے ہو یہ بچہ کون تھا؟ اللہ تعالیٰ نے عزرائیل سے پوچھا "یہ نمرود تھا جس نے آگے چل کر خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور میرے خلیل کو آگ میں ڈالا تھا۔"



انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا

انتخاب:۔ کرن گوریجہ جڑانوالہ

سقراط حکیم نے کیا خوب لطیفہ کہا ہے کہ اگر تمام اہل دنیا کی مصیبتیں ایک جگہ لاکر ڈھیر کردیں اور پھر سب کو برابر بانٹ دیں تو لوگ جواب اپنے تئیں خود کو بدنصیب سمجھ رہے ہیں وہ اس تقسیم کو مصیبت اور پہلی مصیبت کو غنیمت سمجھیں گے۔

ایک اور حکیم اس لطیفہ کے مضمون کو اور بھی بالاتر لے گیا ہے۔ کہتا ہے کہ اگر ہم اپنی اپنی مصیبتوں کو آپس میں بدل بھی سکتے تو پھر ہر شخص اپنی پہلی مصیبت کو اچھا سمجھتا۔

میں ان دونوں خیالوں کو وسعت دے رہا تھا کہ نیند آگئی۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ آسمانوں کے مالک کے دربار سے ایک اشتہار جاری ہوا ہے۔ خلاصہ جس کا یہ ہے کہ "تمام اہل عالم اپنے اپنے رنج والم اور مصائب اور تکالیف کو لائیں اور ایک جگہ ڈھیر لگائیں" چنانچہ اس مقصد کیلئے ایک بہت وسیع میدان تجویز ہوا اور لوگ آنے شروع ہوئے۔ میں بیچوں بیچ کھڑا تھا اور اس تماشے کا لطف اٹھا رہا تھا کہ ایک کے بعد ایک آتا ہے اور اپنا بوجھ سر سے پھینک جاتا ہے۔ لیکن جو بوجھ گرتا ہے مقدار میں اور بھی بڑا ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مصیبتوں کا پہاڑ بادلوں سے بھی اونچا ہو گیا۔

ایک شخص سوکھا سہا' دبلاپے کے مارے فقط ہوا کی حالت ہو رہا تھا۔ اس انبوہ میں نہایت چالاکی اور پھرتی سے پھر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک آئینہ تھا جس میں دیکھنے سے شکل نہایت بڑی معلوم ہونے لگتی تھی۔ وہ ایک ڈھیلی ڈھالی پوشاک پہنے تھا جس کا دامن دامن قیامت سے بندھا ہوا تھا۔ اس پر دیوزادوں اور جناتوں کی تصویریں کڑھی ہوئی تھی اور جب وہ ہوا سے لہراتی تھیں تو ہزاروں عجیب وغریب صورتیں اس پر نظر آتی تھیں۔ اس کی آنکھ وحشیانہ تھی مگر نگاہ میں افسردگی تھی اور نام اس کا وہم تھا۔ ہر شخص کا بوجھ بندھواتا اور لدواتا تھا اور مقررہ مقام پر لے جاتا تھا۔ میں نے جب اپنے ہم صورت بھائیوں کو بوجھ کے نیچے گڑگڑاتا دیکھا اور ان مصیبتوں کے انبار کے بارے میں سوچا تو بہت گھبرایا اور دل میں ایسا ترس آیا کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ اس عالم میں بھی چند شخصوں کی حالت ایسی نظر آئی کہ دل میرا بہل گیا۔ صورت بہلاوے کی یہ ہوئی کہ ایک شخص پرانے سے چکن کے چغہ میں ایک بھاری سی گٹھڑی لئے آتا ہے جب وہ گٹھڑی انبار میں پھینکی تو معلوم ہوا کہ افلاس کا عذاب تھا۔ اس کے پیچھے ایک اور شخص دوڑا آتا تھا۔ مارے بوجھ کے ہانپتا تھا اس نے بھی بوجھ سر سے پھینکا اور معلوم ہوا کہ اس کی بیوی بہت بری تھی اس نے وہ بلا سر سے پھینکی ہے۔

بہت بڑھیاں دیکھیں کہ اپنی جھریاں پھینک رہی تھیں چند نوجوان اپنی کالی رنگت کچھ موٹے موٹے ہونٹ اکثر نے ایسے میلے دانت پھینکے کہ جنہیں دیکھ کر شرم آتی تھی۔ مگر مجھے حیرت یہی تھی کہ اس پہاڑ میں سب سے زیادہ جسمانی عیب تھے۔ ایک شخص کو دیکھتا ہوں کہ اس کی پیٹھ پر بھاری سے بھاری اور بڑے سے بڑا بوجھ ہے مگر خوشی خوشی اٹھائے چلا آتا ہے۔ جب پاس آیا تو معلوم ہوا کہ ایک کبڑا ہے اور اس انبار میں کبڑے پن کو پھینکنے آیا تھا کہ اس کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی مصیبت نہیں۔ اس انبار میں انواع واقسام کے اور امراض بھی تھے جن میں بعض اصلی تھے اور بعض ایسے تھے کہ غلط فہموں نے خواہ مخواہ انہیں مرض سمجھ لیا تھا۔ میں فقط ایک ہی بات پر حیران تھا کہ اتنے بڑے انبار میں کوئی بیوقوفی یا بداطواری پڑی ہوئی نظر نہ آئی۔ میں یہ تماشے دیکھتا اور دل میں سوچتا تھا کہ اگر کوئی ہوس ہائے نفسانی ضعف جسمانی اور عیوب عقلی سے کوئی نجات پانی چاہے تو اس سے بہتر موقع نہ ہاتھ آئے گا۔ ایک شخص گناہوں یک بجائے عاقبت اندیشی پھینک گیا۔

جب تمام بنی آدم اپنے اپنے بوجھوں کا وبال سر سے اتار چکے تو میاں وہم جو اس مصروفیت میں سرگرداں تھے مجھے الگ کھڑا دیکھ کر سمجھے کہ یہ شخص خالی ہے۔ چنانچہ اس خیال سے میری طرف جھکے ان کو اپنی طرف آتے دیکھا تو میرے حواس اڑ گئے۔ مگر انہوں نے جھٹ اپنا آئینہ میرے سامنے کیا۔ مجھے اپنا منہ اس میں ایسا چھوٹا معلوم ہوا کہ بے اختیار چونک پڑا۔ برخلاف اسکے بدن اور قدوقامت ایسا چوڑا نظر آیا کہ جی بیزار ہو گیا اور ایسا گھبرایا کہ چہرے کو نقاب کی طرح اتار پھینکا اور خاص خوش نصیبی اس بات کو سمجھا کہ ایک شخص نے اپنے چہرے کو بڑا اور ناموزوں سمجھ کر اتار پھینکا تھا۔ یہ چہرہ حقیقت میں بہت بڑا تھا یہاں تک کہ فقط اس کی ناک میرے سارے چہرے کے برابر تھی۔

ہم اس انبوہ پر آفات پر غور کر رہے تھے کہ اس عالم ہیولانی کی ایک ایک بات کو تاک تاک کر دیکھ رہے تھے کہ آسمانوں کے بادشاہ کی بارگاہ سے حکم ہوا کہ اب سب کو اختیار ہے جس طرح چاہیں اپنے اپنے رنج وتکلیف تبدیل کر لیں اپنے بوجھ لے کر گھروں کو جائیں۔ یہ سنتے ہی میاں وہم پھر مستعد ہو گئے اور بڑی تیزی سے اس انبار عظیم سے بوجھ باندھ باندھ کر تقسیم کرنے لگے۔ ہر شخص اپنا بوجھ سنبھالنے لگا وہ دھکم دھکا ہوئی کہ بیان سے

باہر۔ چنانچہ اس وقت جو چند باتیں دیکھیں وہ بیان کرتا ہوں۔

ایک بوڑھا آدمی کہ نہایت معزز اور محترم معلوم ہوتا تھا' درد قولنج سے جاں بلب تھا اور لاولدی کے سبب سے اپنے مال و دولت کیلئے ایک وارث چاہتا تھا۔ اس نے درد کو پھینک کر ایک خوبصورت نوجوان لڑکا کو لیا۔ مگر لڑکے کو نافرمانی اور سرشرم کے باعث تنگ آ کر اس کے باپ نے چھوڑا تھا۔ چنانچہ اس نالائق نوجوان نے آتے ہی جھٹ بڈھے کی داڑھی پکڑ لی اور سر توڑنے کو تیار ہو گیا۔ اتفاقاً برابر ہی لڑکے کا حقیقی باپ نظر آیا اور وہ درد قولنج کے مارے لوٹنے لگا تھا۔ چنانچہ بڈھے نے کہا کہ برائے خدا میرا درد مجھے دے دو اور اپنا لڑکا واپس لے لو۔ میرا پہلا عذاب اس سے ہزار درجے بہتر تھا۔ مگر یہ مشکل ہوئی کہ اب یہ مبادلہ پھر نہ ہو سکتا تھا۔

ایک بے چارہ جہازی غلام تھا اس نے قید زنجیر اور جہازی محنت سے تنگ آ کر اس عذاب کو چھوڑا تھا اور جھولے کے مرض کو لے لیا اسے دیکھا کہ اب دو قدم چل کر بیٹھ گیا ہے اور سر پکڑے بسورر ہا ہے۔

غرض اسی طرح کئی شخص تھے جو اپنے کیے پر پچھتا رہے تھے مثلاً کسی بیمار نے افلاس لے لی تھی۔ وہ اس سے اب ناراض تھا کسی کو بھوک نہ لگتی تھی وہ اب زیادہ بھوک کے مارے پیٹ کو پیٹ رہا تھا۔ عورتیں بے چاری اپنے ادل بدل کے عذاب میں گرفتار تھیں۔ کسی نے سفید بالوں کو تو چھوڑا تھا مگر اب پاؤں میں پھوڑا ہو گیا تھا کہ لنگڑاتی اور ہائے ہائے کرتی چلتی تھی۔

کسی کی پہلے کمر بہت پتلی تھی اس نے پتلی کمر کو چھوڑا اب بڑی سی توند نکالے چلی جاتی تھی۔ غرض ان میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جسے پہلے نقص کی نسبت نیا نقص گراں نہ معلوم ہو رہا ہو۔ ان سب کی حالتوں کو دیکھ کر میری سمجھ میں یہ آیا کہ جو مصیبتیں ہم پر پڑتی ہیں وہ حقیقت میں ہماری سہار کے مطابق ہوتی ہیں یا یہ بات ہے کہ سہتے سہتے ہمیں ان کی عادت ہو جاتی ہے۔

مجھے اس بڈھے کے حال پر نہایت افسوس ہوا جو ایک بجیلا جوان بن کر چلا تھا مگر پیٹ میں پتھری ہو گئی اور اب سیدھی طرح نہ چل سکتا تھا۔ اس سے زیادہ اس نوجوان کے حال پر افسوس آتا تھا جو اب لکڑی ٹیکتا' گرتا پڑتا چلا جاتا تھا۔

جب سب کے مبادلے بیان کئے ہیں تو اپنے مبادلے سے مجھے صاف نہیں گزر جانا چاہئے۔ چنانچہ اس کی صورتحال یہ ہے کہ بڑے چہرے والے یار میرے چھوٹے چہرے کو لے کر ایسے بدنما معلوم ہونے لگے کہ جب میں نے ان کی طرف دیکھا تو اگرچہ میرا ہی چہرہ تھا مگر میں ایسا بے اختیار ہنسا کہ میری اپنی بھی صورت بگڑ گئی اور صاف معلوم ہوا کہ وہ بے چارہ میرے ہنسنے پر شرما گیا۔ مگر مجھے بھی اپنے حال پر کوئی فخر نہ تھا۔ کیونکہ جب میں اپنی پیشانی سے عرق ندامت پونچھنے لگا تو وہاں تک ہاتھ نہ پہنچ سکا۔ چہرہ اتنا بڑا ہو گیا تھا کہ ہاتھ رکھتا کہیں تھا اور جا پڑتا کہیں تھا۔ ناک اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ جب چہرے پر ہاتھ پھیرا تو کئی دفعہ ہاتھ نے ناک سے ٹکر کھائی۔ میرے پاس دو آدمی اور بھی تھے جن کے حال پر تمسخر کرنا واجب تھا۔ ایک تو وہ شخص تھا کہ جو ٹانگوں کے موٹاپے کے باعث بڑی مشکل سے چلتا تھا۔ اس نے ایک لمنگو سے مبادلہ کر لیا تھا کہ جس میں پنڈلی معلوم ہی نہ ہوتی تھی۔ ان دونوں کو جو دیکھتا ہنستا تھا۔ ایک تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا دو بلیوں پر چلا جاتا ہے۔ سر کا یہ عالم تھا گویا ہوا میں اڑا جاتا تھا اور دوسرے کا یہ حال تھا کہ چل ہی نہ سکتا تھا۔ کمال کوشش سے قدم اٹھاتا تھا مگر یہ حال تھا کہ دونوں طرف دو دو دائرے کھینچتے چلے جاتے تھے۔ میں نے اس عجیب الخلقت کی حالت غریب کو دیکھ کر کہا "میاں اگر دس قدم سیدھے چلے جاؤ تو سوا دمڑی کی ریوڑیاں کھلاتے ہیں"

غرض وہ سارا انبار عورتوں مردوں میں تقسیم ہو گیا مگر لوگوں کا حال دیکھنے سے ترس آتا تھا یعنی جان سے بیزار تھے اور اپنے اپنے بوجھوں میں دبے ہوئے اوپر تلے دوڑتے پھرتے تھے۔ سارا میدان گریہ وزاری' نالہ و فریاد' آہ و افسوس سے دھواں دھار ہو رہا تھا۔ آخر آسمان کے بادشاہ کو بے کس آدم زاد کے حال دردناک پر رحم آیا اور حکم دیا کہ اپنے اپنے بوجھ اتار پھینکیں۔

پہلے والے بوجھ ہی انہیں مل جائیں۔ سب نے خوشی خوشی ان وبالوں کو سر سے اتار کر پھینک دیا۔ اتنے میں دوسرا حکم آیا کہ "وہم۔ جس نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا وہ شیطان نابکار یہاں سے دفع ہو جائے" اس کی جگہ ایک فرشتہ رحمت آسمان سے نازل ہوا۔ اس کی حرکات و سکنات نہایت معقول و باوقار تھیں چہرہ بھی سنجیدہ اور خوشنما تھا۔

اس نے بار بار اپنی آنکھوں کو آسمانوں کی طرف اٹھایا اور رحمت الٰہی پر توکل کر کے نگاہ کو اسی کی آس پر لگا دیا۔ اس کا نام صبر و تحمل تھا۔ ابھی وہ اس کوہ مصیبت کے پاس آ کر بیٹھا ہی تھا کہ وہ کوہ خود بخود سمٹنا شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ گھٹتے گھٹتے ایک ثلث رہ گیا۔ پھر اس نے ہر شخص کو اصلی اور واجبی بوجھ اٹھا اٹھا کر دینا شروع کیا اور ہر ایک کو سمجھاتا گیا کہ نہ گھبراؤ اور بردباری سے اٹھو۔ ہر شخص لیتا تھا اور اپنے گھر کو راضی۔ رضا مند چلا جاتا تھا ساتھ ہی اسکا شکریہ ادا کرتا تھا کہ آپ کی عنایت سے مجھے انبار لا انتہا میں سے اپنا بار مصیبت چننا نہ پڑا۔

(نیرنگ خیال از مولانا محمد حسین آزاد)

"سوا سیر"

ایک صاحب کو چلتے پھرتے میں ٹکرانے کی عادت تھی اور چلتے چلتے جس سے ٹکرا جاتے اسے کہتے "او گدھے کہیں کے دیکھ کر نہیں چل سکتے۔" ایک دن کہیں جا رہے تھے کہ سامنے سے آتے گدھے سے ٹکرا گئے۔ جب کچھ کہنے ہی لگے تو سامنے کھڑے گدھے کو دیکھ کر چپ ہو گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولے "آپ تو آپ ہیں آپ کو کیا کہوں!"

(سید کاشف عباس' مظفر گڑھ)

"دور حاضر"

ماں اپنے لاڈلے بیٹے سے کہنے لگی' بیٹا! تمہارے ابو جب امریکہ جائیں گے تو میں ان سے کہوں گی کہ وہاں سے ایسی چیز لائیں جو میرے بیٹے کا ہر کام کر دے بٹن دبایا تو جوتے پالش' بٹن دبایا تو یونیفارم استری' بٹن دبایا تو لحاف منہ پر' بٹن دبایا تو بیگ کندھے پر' اس طرح میرے بیٹے کو کوئی کام نہیں کرنا پڑے گا۔ بیٹا: لیکن امی!........ بٹن کون دبائے گا۔

(ثناء ضمیر' لاہور)

کوشش اچھی تھی

مرتب شبر علی چنگیزی

اندر کا انسان (محمد تنویر شیر از ملکوال) دہشت گرد (عبیدالرحمن روحیلہ پٹھان ڈیرہ غازی خان) (صفحے کے دونوں جانب پڑھنے کی نوبت بھی نہ آئی) منصف (جہانگیر شکر گڑھ خاص ضلع نارووال) صفحے کے دونوں جانب پڑھنے کی نوبت بھی نہ آئی)

تم بھی......؟ (عمران ممتاز ملتان) منشی جی نے تصویر کھنچوائی (نسیم اختر میانوالی (صفحے کے دونوں جانب) جناب یہ مشہور کہانی تو ہر بچہ بچپن میں ہی پڑھ ڈالتا ہے کچھ اپنے سے لکھیں تو شاید بات بنتے دیر نہ لگے۔ تقریر کا شوق (نوشین شوکت علی گوجرانوالہ) (صفحے کے دونوں جانب اور ناقابل اشاعت بھی) یقیناً خون رنگ لائے گا (شائستہ امید چوکی صفحے کے دونوں جانب اور ناقابل اشاعت بھی) چند اچھے بچے کہانی شائع نہ ہونے پر مرنے کی باتیں نہیں کیا کرتے اور پھول ساتھی تو بالکل بھی نہیں آپ پہلے بہت سا اچھا مطالعہ کریں پھر کوئی اچھا سا مرکزی خیال سوچ کر مختصری تحریر ہمیں لکھ بھیجئے کہ جسے شائع کرتے ہوئے ہمیں اور پڑھتے ہوئے آپکو خوشی ہو ٹھیک ہے نا۔ محنت میں عظمت ہے (محمد عمر حیات سرکانی بستی گڈو پور ڈیرہ غازی خان) ناقابل اشاعت انجانی راہوں کا مسافر (قاضی وقاص احمد منڈی فیض آباد) پرانے دور کے ایک سیاسی وزیر سے انٹرویو (سعدیہ سجاد سرگودھا) مسکرائیے آپکی فیس ویلیو بڑھے گی۔ (عدنان حسن عابدی کراچی) جناب فیملی فرنٹ ڈرامے ٹی وی تک ہی اچھے لگتے ہیں۔ اور پھر شاید پھول کے مزاج کو آپ اب تک سمجھ نہیں پائے ارے راہی (انتخاب سلطان جلال الدین فیصل سلطان باہو) عظیم (سیدہ سائرہ اصغر گوجرانوالہ) جھوٹ کی سزا (عبدالرحمن فوجی اوستہ محمد) نیا جذبہ (نام و پتہ نامعلوم) جب ہمیں تحریر ملی نام و پتہ نہیں تھا۔ ندامت (فائزہ عنبر بمقام ڈاکخانہ رولیہ تحصیل کھاریاں) اور شیر مر گیا (اظہار حبیب شرقپور) فیصلہ (سین محمود چودھری شکر گڑھ) غصہ اور جوتا (سکندر حیات خان محلہ راجہ پارک شہر ٹوبہ ٹیک سنگھ) صفحے کے دونوں جانب پڑھنے کی نوبت آتی بھی کیسے) تقدیر کے کھیل (محمد وسیم صدیقی خانیوال) نیا جذبہ (نام و جگہ نامعلوم) بے نام (تانیہ ملک تلہ گنگ) چندا جس طرح کی شکستہ ہینڈ رائٹنگ میں آپ نے کہانی لکھی ہے پڑھنے کو بالکل دل نہیں چاہا پھول عدالت (ملک فریال احسان کوٹلی لوہاراں شرقی ضلع سیالکوٹ) یہ ہوئی نا بات۔ ورلڈ ریکارڈ (ممتاز حبیب صابر مردان) لاہور کا جغرافیہ بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے؟ (صائمہ عروج لاہور) 31 اکتوبر ایک یادگار دن (نسرین عصری دلیوالی) اصلی دولت (نعیم جاوید صدیقی کالکی منڈی) ساجدہ کی بھینس (لبنیٰ نور چکوال) شہزادی کے تین بال (انتخاب عمر بلوچ تربت) صفحے کے دونوں جانب اور ناقابل اشاعت۔ محنت میں برکت ہے

(محمود اسلم خانیوال) تو کیا ہوا (خوش بخت منظور ملتان) میری پہچان (عبیدالرحمن خان جام پور روڈ ڈیرہ غازی خاں) دعا کی برکت (بشیر احمد اڈا بہاولپور) صفحے کے دونوں جانب پڑھنے کی نوبت بھی نہ آئی) گلاب شہزادی (سحرش عبدالغفار بہاولپور) صفحے کے دونوں جانب جاسوس کہانی ماسٹر علی (علی حسن اسلم سبزہ زار سکیم لاہور) صفحے کے دونوں جانب، پڑھنے کی نوبت بھی نہ آئی۔ غم کی یاد بھلا دے رہا! (صباحت افضل جی او آر لاہور) نقش قدم (جب تحریر نظر سے گزری تو نامکمل تھی آخری صفحات غائب تھے) اس لئے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ تحریر کس کی تھی) ہم نے ٹیسٹ کی تیاری کی (فلک مدثر اٹک شہر) قرارداد (صفحے کے دونوں جانب پڑھنے کی نوبت بھی نہ آئی) سید صفوان خالد راولپنڈی، شفیق احمد مہربان لوگ (آنسہ ناہید سیالکوٹ) تحریر میں مزاح کا کچھ مزا نہیں آیا ویسے آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے بس منفرد موضوع ہمراہ لائیے۔ ادھورے کام (مونا سکندر سیالکوٹ کینٹ) یہ تحریر پہلے بھی کہیں پڑھی پڑھی سی ہے شاید کراچی کے کسی ماہنامہ میں۔ کہانی پر درج نہ تھا۔ (اسماء مریم چنڈورہ راولپنڈی) یہ ہوئی نا بات نامکمل تحریر، (معرفت ارشد بک ڈپو منگلا ہملٹ میرپور) یہ ہوئی نا بات (عمر شریف فاروق اعظم روڈ لاہور) یہ ہوئی نا بات (ظفر اقبال راولاکوٹ آزاد کشمیر) اولڈ سٹوڈنٹ آسیہ کرن چشتیاں) محبت کا کرشمہ (عائکہ رفیق سیٹلائٹ ٹاؤن بہاولپور) تحریر بے حد طویل تھی۔ اور پھول کے مزاج کی بھی نہ تھی۔ کہتے ہیں جس کو خالق (احمد کفیل بھٹہ میر پور چوک قائداعظم روڈ ڈیرہ غازی خاں) یہ پاکستان ہے یا (نادیہ رفیق ڈسکہ کلاں) یہ ہوئی نا بات (حکیمی ادریس گجرات) ہماری دسترس میں کیا نہیں ہے؟ (مضمون نورین شوکت لاہور) ضد کا نتیجہ (نور کہروڑ پکا) قانونی مشورے (وقار احمد اسلام آباد) بندر اور بندریا (گلنار قیصر فیصل آباد) آپ کا یہ مہینہ کیسا رہے گا (ابن آدم پسروری پسرور سیالکوٹ) عمراں لنگھیاں پھباں بھار...... (ماہ منیر مصری شاہ لاہور)

رنگ لائے گا شہیدوں کا لہو (عابد شاہ مندوخیل ژوب) کاش ایسا نہ ہوتا (حمیرا اکرام اعوان وزیر آباد) صفحے کے دونوں جانب پڑھنے کی نوبت بھی نہ آئی۔ ہمدردی (مریم راؤ اختر قصور عمرانہ صبا لاہور) صفحے کے دونوں جانب، ملاقات (نام و جگہ نامعلوم) صفحے کے دونوں جانب، آخر کب تک......؟ (قرۃ العین خان لاہور) کالج کا پہلا دن (علینہ اقبال رانا سمہ سٹہ) صفحے کے دونوں جانب پڑھنے کی نوبت آتی بھی کیسے چندا ماموں دور کے (محمد طاہر عمیر کمالیہ) قصور (عرفان اختر احسن کلاسوالہ) جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں (عظمیٰ ارشد شکر گڑھ) آسان حل (عدیلہ خان نیو ملتان) وہ کس کی آواز تھی (محمد اعجاز راز غازی گھاٹ) سچ (اسماء امامۃ الکبریٰ راولپنڈی کینٹ)

بدنصیب کون (سمیرا شفیق گوجرانوالہ) خونخوار برفانی جانوروں کا شکار (شیخ عاطف فاروق عاطف بھلوال) وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا (قیصر الدین عادل ہاشمی، آر ٹی ایس ایل ایچ سی) ہن سمجھ آ گئی اے (اعجاز طاہر رضوان ڈبلیو ٹو ڈی) بلا عنوان (حافظہ خوش بخت منظور ملتان) مخلص دوست (قاضی مجاہد عباس غازی پور) جنگ بدر کبریٰ (وقاص شفقت گوجرانوالہ) غوری میزائل ایک عظیم کارنامہ (خاور سلیم رانا ہیرال شکر گڑھ) کرن (اکرم بشیر لاہور کینٹ) صفحے کے دونوں جانب آئندہ تحریر کی فوٹو اسٹیٹ نہیں چلے گی۔ کردار یہ (فیصل نذیر چواسیدن شاہ) نصیحت (وجیہ سحر پنڈ دادن خان ضلع جہلم) آہنی عزم (سعیہ بتول ڈیفنس لاہور) مضامین سے کچھ ہماری زیادہ بنتی نہیں اف یہ مہمان (زینب بشیر بیکن ہاؤس سکول جوہر ٹاؤن) عظیم قربانی (شیخ عاطف فاروق عاطف بھلوال) سچی کہانی (قاسم محمود پاک ٹاؤن وزیر آباد) کنواں (نور محمد جمالی اوستہ محمد جعفر آباد بلوچستان) ملی نغمہ اپنے پیارے وطن سے ہم کو پیار ہے (نواز ساحر گوجرانوالہ) نیند بھی کیا چیز ہے (خلیل احمد روجھو، بیلہ بلوچستان) ساڈی وی لے چل نال وے (حمیرا افتخار راولپنڈی) دھیان (مستقیم خان ونگڑی پشاور) عروج کی سیڑھی (توقیر چودھری شکر گڑھ) فضلو میاں (نام و جگہ نامعلوم) احتساب حقیقی (محمد عمار بیگ لاہور) اس موضوع پر کچھ عرصہ قبل تحریر شائع ہو چکی ہے) اے کاش (مہر خان ڈیرہ غازی خان) بکھرے ہمارے عہد کے (اخوت اویس ملتان کینٹ) بیباک (صفحے کے دونوں جانب محسن عامر رضا، نوازش نگر شور کوٹ جھنگ) لالچ کا انجام (صفحے کے دونوں جانب پڑھنے کی نوبت بھی نہ آئی شکیل احمد ساغر جلالپو پیروالا) انصاف (تہمینہ ایوب سیالکوٹ) یادوں کی بارات (ڈاکٹر اویس اکمل شادوال مین روڈ لاہور) کامیابی (محمد عدنان آصف فاروق آباد شیخوپورہ) یاد ماضی (محمد ابوبکر صدیق چوک قریشی) ایک انسان کی سوچ وقت کے ساتھ بدلتی ہے (مہوش عابد جڑانوالہ) آرمی، امتحان اور احقر (محمد منصور ڈیرہ غازی خان) شامت (سیدہ مہوش منور ڈیرہ نواب احمد پور شرقیہ) دل کے معاملے (میمونہ مدثر شارجہ) آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے بس پہلے بہت سا اچھا مطالعہ کریں پھر کسی منفرد موضوع پر اچھی سی مختصر تحریر بھجوائیں) کہانی کا نام معلوم نہ ہو سکا شروع اور آخر کے صفحات غائب تھے۔ ہیرو کوئی فضلو تھا (نام و جگہ نامعلوم) ایک کہانی (عبدالرزاق کھوکھر ڈجکوٹ) صفحے کے دونوں جانب لکھا تھا پڑھنے کی نوبت بھی نہ آئی) الفاظ (ذیشان نور بہاولنگر) کوئی اچھی سی مختصر سی تحریر بھجوائیں۔ مضامین سے ہماری کچھ زیادہ بنتی نہیں) الٹی ہو گئیں سب تدبیریں (دیبا جدون جناح آباد ایبٹ آباد) فرض کر و یہ سب نہ ہو (نگہت سلطانہ گوجر خان)

مرتب منصور حسین

لکھنا آسان ہے۔ اچھا لکھنا بہت مشکل ہے۔ مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں خیالات کے گھوڑے دوڑاتے رہیے۔ راستے میں کئی سوچیں ہاتھ باندھے ملیں گی کسی منفرد سوچ کو من میں بسایئے اور قلم اٹھایئے اور ایسا منفرد اور اچھوتا لکھئے جو بالکل مختلف نظر آئے اور اس میں حقیقت کے پھول رنگ بھی بھرے ہوں اور ہاں جتنا مختصر لکھیں گے اس کی باری بھی اتنی ہی جلدی آئے گی۔ صاف اور خوشخط لکھائی بلندی اوصاف کی نشانی ہوتی ہے۔ پرابلم ہی پرابلم (مونا سکندر سیالکوٹ کینٹ) دھرتی ماں (جویریہ یامین ملتان)

عالم اور مالدار شخص (حافظ صفی اللہ) اپنی ہی لگائی آگ میں (فوزیہ مجید) بلاعنوان (عاصمہ مبارک فیصل آباد) قلم اور نفسیات (عاصمہ مبارک فیصل آباد) اللہ میاں کے نام (منیر احمد سیالکوٹ) پہلی جماعت اور پہلا دن (سارہ فیض واہ کینٹ) سنیے (محمد عامر اعوان اٹک) خطرناک ایجاد (محمد عثمان خاں لاہور) استاد (صفدر خان کیانی کراچی) احترام ضرور مگر (مونا سکندر سیالکوٹ کینٹ منا (وقاص زاہد) کیا یہ وہی پاکستان ہے (کاشفہ رضا بہاولپور) پردیس (عبیدالرحمن روحیلہ ڈیرہ غازی خان) موضوع پرانا ہے اے ماں حافظ محمد سلیم ربانی' واہ ہماری کالج بس (ماجانہ سعید فیصل آباد) دوستی کی معراج (غوثیہ حسین خان کراچی) ارے بھئی صفحات کی کنجوسی نہ کریں۔ بڑے صفحے پر صاف اور خوشخط ارسال کریں۔ صحافت کی دنیا میں (خوش بخت منظور) حقیقت کی دنیا میں آئیں تو زیادہ بہتر ہے۔ انٹرویو پاکستان (عابد قادری منڈی وار برٹن پاکستان کا مستقبل اور گرتی لاشیں (ملک ندیم عباس ملتان) آپ میں لکھنے کی خوبیاں ہیں۔ لیکن ذرا منفرد لکھیں تو بہتر ہے۔ قصہ ایک جوان کا صفحے کی دونوں جانب (لکھاری کا نام نہیں) نیکی کا صلہ صفحے کی دونوں جانب (تہمینہ جاوید کا لیکی منڈی ننھے دادی اماں کے (فریحہ صفدر فیصل آباد) سوکھے پتے (تنویر شہزاد) کنجوسی نہ کریں بلکہ فل پیپر پر ارسال کریں۔ آلو (اسماعیل بشیر انصاری) ڈیرہ غازی خان) کام چور (نصرت جبیں۔ ڈیرہ غازی خان) ذرا منفرد لکھیں تو بات بن سکتی ہے۔ ذرا سنبھل کے (اسماعیل بشیر لغاری) ڈی جی خان اکیسواں خواب (جی ایم عاقل لودھراں) شرفن ڈی (نواں صابری لاہور) آپ مزید اچھا لکھیں آپ میں لکھنے کی خوبی ہے۔ ساتھ (اسد عباس حیدری) ایک لائن چھوڑ کر صاف اور خوش خط لکھیں شارٹ کٹ (صرف ایک لائن ہی نہیں چھوڑنی صفحے کے بھی ایک طرف لکھنا ہوتا ہے۔ فن کا خیال (سرمد نذیر احمد' جگہ کا نام بھی لکھا کریں) لکھ بنا سکھ (محبوب حسین منہاس) پونچھ مزید بہتر لکھئے) یہ ہے میری کہانی (الطاف حسین کراچی) ابو ہمارے بھائی ہیں باقی سب نائی ہیں (مطہرہ بشریٰ لاہور) پچھتاوے کی آگ (سیدہ شہلا گل بخاری لودھراں) رحم دل شہزادے کی کہانی (رابطہ بشیر صفحے کے دونوں جانب اور ٹرین آ گئی نوشاد (جگہ کا نام نہیں لکھا فوٹوسٹیٹ قابل اشاعت نہیں شاہکار (راحیلہ سلیم چشتی۔ قصوروار کون (نام نہیں لکھا) کوئی چیز مشکل نہیں۔ (آصف محمود طاہر عثانوالہ خاکوں سے خاکے ملا کر لکھیں تو زیادہ بہتر ہے۔ آئیڈیل کی تلاش (محمد صدیق رضا ساہیوال) حقیقت (الطاف حسین کراچی) خدمت کمیٹی (صائمہ اکرام صادق آباد عدنان یونس بہاولنگر وراثت (سائرہ اشرف جگہ کا نام نہیں) ایک عبرت انگیز واقعہ (بانو سکندر آباد) حنا آپی (سید امتیاز علی لاہور ٹھنڈی چھاؤں (عمیرہ لطیف فیصل آباد) سکائی لینڈ واٹر پارک (عائشہ صدیقہ) تاریخی لمحات (یاسر ملک کشمیر) میاں مٹھو نصرت حسین) مسلسل نظم (نصرت جبیں) بھئی ابھی مختلف شاعروں کو پڑھیں پھر لکھیں کشمیر سے ہمدردی (انجم ریاض ننکانہ صاحب) شکر ہے (عقیل مراد مرتب) مقدر (ظفر اقبال تبسم صفحے کے دونوں جانب ناقابل اشاعت) پہلا قدم (نوشیلہ حفیظ جگہ کا نام بھی لکھا کریں) میرا ضمیر (بشیر احمد بھٹی بہاولپور) کسی نئے موضوع پر لکھیں مجرم کا پتہ نہیں (آمنہ شہباز ساہیوال) فوٹوسٹیٹ قابل اشاعت نہیں ہوتی۔ راہنما گفٹ (محمد ارشد چغتائی فیصل آباد) کسی نئے موضوع پر لکھیں جولاہا (شیر نواز گل پشاور) خوشگوار یادیں (خرم شہزاد اعوان ملتان) حباہ جادوگر (روبینہ زیب) اور جواب مل گیا (ثانیہ ملک تلہ گنگ) آپ میں لکھنے کی خوبی ہے مزید بہتر سوچیں تو بات بن سکتی ہے۔ دھوکہ باز (ندیم رضا لاہور صفحے کے دونوں جانب) ظلم کا انجام حافظ علی احمد ضیا جوہر آباد) فل سکیپ صفحہ استعمال کریں تو بات بن سکتی ہے۔ کشمیر نے مجھ سے کہا (نعیمہ حکیم ٹھٹھہ صادق آباد) پہچان (مستقیم خان مہمند گھڑی پشاور) اجنبی دیس میں (قاضی راشد محمود کوٹ سلطان) شوق اور شوقین نومی (حافظ آباد) مزید محنت کریں لکھنے کی خوبی موجود ہی ہے آپ میں۔ پیارے اللہ جی کے نام خط (فوزیہ قمر بہاولپور) ذرا خطوں سے باہر نکل آئیں تو بہتر ہے۔ آخر کب تک (سیدہ حنا نورین کراچی) مسکراتی حقیقت (ایاز اعوان چکوال) شہزادہ نور اور ظالم دیو (اسما ملک ٹوبہ ٹیک سنگھ) صفحے کے دونوں جانب لکھی تحریر تو پڑھی ہی نہیں جاتی آپ چھپنے کے خواب دیکھ رہی ہیں جادو کی ہنڈیا (علی جاوید لاہور) صفحے کے ایک طرف لکھیں تو ہنڈیا اڑ سکتی ہے۔ آخری بار (حنا خان نیازی کوٹ ادو) چھٹی کی درخواست (محمد منظور حق قمر مظفرگڑھ) کہانی لکھیں۔ درخواستیں تو پہلے ہی بہت پڑی ہیں۔ رحمدل ڈاکو (منور قادری صحراب پور) یہ سب تمہارا کرم ہے آقا (محمد صادق جمیل حسین ٹوبہ ٹیک سنگھ) میں لکھتا رہوں گا۔ (علی حیدر اوکاڑہ) بھئی ضرور لکھتے رہیں لیکن اچھا بھی لکھیں یہ آگ وہ بھی آگ (توقیر فلک ناز شکرگڑھ) سچی کہانی (صابرہ سعدیہ بدین سنگھ) نمکین شہزادی (مقبول احمد خیر پور

انعامی کوپن

پتہ ماہنامہ پھول-4 شاہراہ فاطمہ جناح لاہور

اس ماہ کے جملے

1- مجھے اپنے رنگ میں رنگ خدا۔
2- یہ بھی ایک ایسے دن کی بات ہے۔
3- ہم نے اپنے لفظوں میں لکھا ہے۔
4- ایک لمبی آہ بھری اور بولا
5- گانیاں والی جاچکی تھیں۔

یہ رہے صفحات کے نمبر

1.......2..........3.........

4.......5..........

نام.................. عمر.................

گھر کا پتہ.........................

....

کوئز کی دنیا

(1) پاکستان اور انگلینڈ کے درمیان لاہور ٹیسٹ میں کس کھلاڑی کو مین آف دی میچ کا انعام دیا گیا؟
(i) یوسف یوحنا (ii) ثقلین مشتاق (iii) انضمام الحق
(2) پھول کا ماں نمبر کس سال شائع ہوا؟
(i) اپریل 98ء (ii) اکتوبر 99ء (iii) جنوری 96ء
(3) امریکہ کے نومنتخب صدر کا نام بتائیں؟
(i) الگور (ii) بش (iii) کلنٹن
(4) جنگ بدر کس اسلامی مہینے میں ہوئی؟
(i) رمضان (ii) شعبان (iii) رجب

نوٹ: کوئز کی دنیا کے جوابات کوپن پر ہی دیں۔ علیحدہ کاغذ استعمال نہ کریں۔

انعامی خط...... 1

ٹائٹل پہ نہتا مگر پہاڑ جیسا دل رکھنے والا مجاہد اور میزان کشمیریوں کے دکھوں کی عکاسی کرتا ہے۔ البتہ خون کے قطرے اصلی نہیں لگتے۔ کرنیں ماریہ مجید کا انتخاب بہت ہی زبردست ہے۔ کرنیں جو دل کی تاریکیوں میں روشنی پھیلاتی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے "اے ایمان والو کہو تو میں تمہیں ایسی تجارت بتلا دوں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دلا دے۔ اللہ اور اس کے رسول

پھول زندگی پر مثبت اثرات یوں ڈالتا ہے جیسے امی سر میں تیل

پر ایمان لاؤ اور اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔" پھول کی انفرادی خصوصیت ہے کہ اس کا خاص نمبر "خاص الخاص" ہوتا ہے۔ "رؤف خالد" کی باتیں بھی اچھی لگی۔ دوسروں کیلئے لڑنا ان کی عادت اچھی لگی۔ کم ازکم کچھ لوگ تو ہیں جو دوسروں کیلئے ہمدردی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ شاعر حضرات بھی کشمیریوں کی حوصلہ افزائی میں کامیاب رہے۔ کشمیر کے چند محب وطن شاعروں کا تذکرہ اچھا لگا۔ ہر کشمیری مصنف کو، شاعر کو، بچے کو، بوڑھے کو، ماں کو، بہن کو محب وطن کہنا چاہئے کیونکہ ان کی دھڑکنوں سے وطن کی بات چلتی ہے۔ "ہم اہل وفا ہیں" مائرہ مجید کی زبردست کاوش ہے۔ آج کشمیر کا ہر بچہ محاذ ہے۔ جس کیلئے اپنی جان کی کوئی اہمیت نہیں پیش نظر ہے تو صرف کشمیر "بلوگڑا" موضوع کے اعتبار سے بہت مختلف کہانی ہے۔ "موت کی کھائی" ایک مجاہد کی زندگی اللہ کی راہ میں وقف ہوتی ہے اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ایسے نوازتا ہے کہ انسانی عقل سوچ نہیں سکتی۔ "مسکراہئے" میں آپ تھی تے ٹھس کری کی پہلے تو سمجھ نہیں آئی جب آئی تو ہم ہندوؤں کی ذہنیت کا اندازہ لگا رہے تھے اور گھر والے ہنس رہے تھے۔ "اکتوبر کی شام" زبردست پیغام ہے ہمارے بھائیوں کو ہر دم ہماری دعاؤں کی، مدد کی ضرورت ہے۔ انشاءاللہ۔ "رنگ لائے گا شہیدوں کا لہو" "شاہین" ناول سے اقتباس یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ اب وہی وقت ہے جو ہم سے قربانی مانگ رہا ہے۔ "خوبصورت چہرہ" صمد نے بالکل درست تصویر بنائی کیونکہ "خوبصورت وہ ہے جس کے اعمال اچھے ہیں۔" اور اللہ کو مجاہدین کے اعمال اچھے لگتے ہیں۔ سری نگر تاریخ کے آئینے میں معلوماتی فیچر اچھا لگا۔ "شان شہید کشمیر" اچھی جا رہی ہے۔ حوصلوں کی داستان بیان کرکے ڈاکٹر انکل جہاد بالقلم میں بھرپور حصہ لے رہے ہیں۔ ٹرسٹ سکول کے بچوں کے خیالات سے بہت خوشی ہوئی مجھ کو میں داد دینا چاہوں گی۔ فہد بھائی، اقراء اور جمال مصطفیٰ بھائی۔ ایک روپیہ جمع کرنیوالی بات دل کو لگی ہے۔ آپ ادھر سے شروع کریں۔ چندہ اکٹھا کرکے ہم ادھر سے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تنویر حسین نے کیا خوب بھارت کے بھگوانوں کی درگت بنائی ہے۔ بھئی بھارت نہ سدھرا ہے نہ سدھرے گا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور ہم نے ان کے دلوں پر مہریں لگا دی ہیں۔" "ٹیلی ٹوک کالم" اس دفعہ مسکرانے میں مدد دینے میں یوں کامیاب رہا کہ ہم ایک جواب پڑھتے اور زیر لب مسکرا لیتے۔ ڈاکٹر فیاض احمد کی باتیں بھی اچھی لگیں۔ "انعامی خطوط" واہ واہ کیسے شاندار ہیں؟ "پھول اخبار" بالکل صحیح رائے دی ہے ساتھیوں نے کیونکہ پھول زندگی پر مثبت اثرات یوں ڈالتا ہے جیسے امی سر میں تیل۔ یوں ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے کہ یک دم سر کی دنیا بدل جاتی ہے۔ اسی طرح پھول امی کا پیار کے ساتھ مالش کرنا کی مانند پیار سے زندگی تبدیل کر دیتا ہے۔ "الحدیث" جو کہ مسلمانوں کو اچھے اور سچے مسلمان بنانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے کیونکہ پیارے رسول ﷺ خود اتنے پیارے تھے۔ ان کے اعمال ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ (عائشہ سدرہ علی، فقیر والی)

انعامی خط...... 2

پھول شمارہ اس دفعہ تھوڑا لیٹ ملا۔ سرورق دیکھتے ہی اندازہ ہو گیا کہ کشمیر نمبر ہے۔ پھول کی ہر ادا نرالی ہے ہمیشہ نیا کام اور نیا پیغام اس کا مقصد رہا ہے اور اس کی یہی انفرادیت۔ کرنیں ہمیشہ کی طرح نور بکھیرتی چلی گئیں قرآن کریم کی منتخب آیات جو کہ جہاد کے متعلق تھیں دل میں اتر گئیں۔ بے شک یہ کتاب زندگی کے ہر موڑ پر ہدایت و راہنمائی کا سرچشمہ ہے لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے اسے طاقوں میں تو سجا دیا لیکن کبھی دل میں بسانے کی کوشش نہیں کی۔ اس کیلئے کسی نہ کسی کو پہلا قطرہ بننا ہو گا شاید ہم پھول والے ہی اس بارش کا پہلا قطرہ ہیں۔ لیکن ابھی ایسے اور قطروں کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ احمد فراز کی نظم اپنی جگہ ایک کشمیر نامہ تھی۔ آواز دوست سے اقتباس بھی بہت زیادہ پسند آیا۔ اداریہ ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ واقعی الٹے سیدھے مشورے تو ہر کوئی دے لیتا ہے لیکن مدد کے لئے بہت کم لوگ آگے بڑھتے ہیں۔ بات صرف اصلیت جاننے اور اس کو سمجھنے کی ہے حوصلہ بڑھانے اور قدم سے قدم ملانے کی ہے دیپ سے دیپ جلیں گے تو روشنی بڑھے گی اور اندھیرا ختم ہو گا لیکن ہم تو اس چراغ کو بھی بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ "اسے جانا تھا" کشمیر کے ہر گھر کی کہانی ہے جہاں مائیں بہنیں بیٹیاں بیویاں اپنے عزیزوں کو جنت حاصل کرنے کے لئے بھیجتی ہیں وہ اس جنت کی طرف بڑھتے قدموں میں اپنا اپنا قدم ملانے کے لئے بھیجتی ہیں تاکہ وہ اس جنت کو حاصل کر سکیں۔ "مسلے دھوکا نہیں دیتے" اچھی تحریر تھی لیکن بالکل اسی طرح کی تحریر تھوڑا عرصہ پہلے "ہم جیت گئے نہ" کے نام سے پھول میں چھپ چکی

ظلم سے کبھی کوئی نہیں دبا جیت ہمیشہ جذبے اور ہمت کی ہوتی ہے

ہے۔ رؤف خالد سے انٹرویو ایویں سا تھا ایسا انٹرویو تو ہم پھول میں پہلے بھی پڑھ چکے ہیں۔ انگار وادی بغیر کسی سر پیر کے بھی اچھی لگی۔ کشمیر کے حوالے سے نظمیں ساری کی ساری اچھی تھیں لیکن بہترین تحریر کشمیر کے چند شاعروں کا تذکرہ لگی۔ "ہم اہل وفا ہیں" اچھی تحریر تھی۔ موت کی کھائی اور بلوگڑا بھی بہت اچھی اور کشمیر نمبر کے حوالے سے زبردست تحریریں تھیں۔ ویری ناگ بھی اچھی لگی۔ کیونکہ سب مجاہدین ایک ہی مقصد کیلئے برسرپیکار ہیں اور ان کا ایک ہی دشمن سے سامنا ہے اس لئے اللہ کے راستے کا ہر مجاہد ہمارے سر کا تاج اور ہماری آنکھوں کا نور ہے۔ "اسیور کیمپ کا دورہ" مجاہدین اور ان کے گھر والوں کے تاثرات پڑھ کر رقت طاری ہو گئی۔ ظلم سے کبھی کوئی نہیں دبا جیت ہمیشہ جذبے اور ہمت کی ہوتی ہے۔ کشمیر پوسٹر کشمیر کی طرح لہو لہو تھا پتہ نہیں یہ لہو کب گلابوں میں بدلے گا اور کشمیریوں کو آزادی نصیب ہو گی۔ مشرق کا وینس سری نگر کے بارے میں ایک معلوماتی تحریر تھی۔ پڑھ کر دل اسے دیکھنے کیلئے مچل مچل گیا۔ تنویر حسین کی تحریر پڑھ کر جیسے دل کو سکون سا ملا، خاص طور پر ان کا بھگوانوں پر تبصرہ بڑے مزے کا تھا۔ انسان واقعی بہت راحت محسوس کرتا اور اپنی مصیبت کو اس وقت بہت آسانی کے ساتھ سہہ جاتا ہے جب وہ اپنے دشمنوں کو اپنے سے بدتر حالت میں پاتا ہے۔ پاکستان میں پلانٹ کلوننگ متعارف کروانے والے ڈاکٹر فیاض احمد کی پھول فورم میں موجودگی اس بات کا ثبوت ہی تو ہے کہ پھول ہر اچھی چیز اور معلومات اپنے پھول ساتھیوں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ انعامی خط بس ٹھیک ہی تھے جواد اشرف نے بالکل ٹھیک کہا کہ اعظم بھائی آج کل کسی چیز کو تیزی آنکھ سے نہیں دیکھ رہے۔ اعظم بھائی غیر حاضری کچھ لمبی نہیں ہوتی جا رہی۔ پھول اخبار ہمیشہ کی طرح مزے مزے کی رپورٹوں سے مزین تھا لیکن پھول سروے زیادہ مزے کا لگا۔ بیگم ناصر سلوی کی قول آخری کے بغیر بھی اچھی لگی۔ (شبنم شمس، ساہیوال)

انعامی خط...... 3

نومبر کی یکم تاریخ ہو چکی تھی اور پھول جو پہلے 30 یا 31 کو ہی مل جاتا تھا اب کی بار نہیں مل رہا تھا۔ یکم نومبر کو جونہی اخبار کھولا پھول کے اشتہار پر نظر پڑی۔ ایکدم خوشی محسوس ہونے لگی مگر جب ٹائٹل غور سے دیکھا تو خوشی کہیں مل گئی۔ کشمیر خون کے آنسو رو رہا تھا۔ پھول ٹائٹل ہی اداس کر گیا۔ سوچا اندر کا کیا حال ہو گا۔ لیکن بے تابی تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی کہ جلد ملے اور دیکھا جائے کیسا ہے۔ اسی دن تقریباً 8 بجے ہاکر جب پھول دے کر گیا تو سب سے پہلے ورق گردانی شروع کی۔ ایسا لگا ٹائٹل، تحریریں، رپورٹس، اداریہ اور بیڈ ٹائم سٹوری سبھی خون کے آنسو رو رہے ہیں۔ کشمیر لہو لہو ہے۔ اس کا ذرہ ذرہ جہاد میں مصروف ہے۔ کشمیر آزادی کے لئے تڑپ رہا ہے۔ جہاں آزادی اور جہاد کی جڑیں اتنی مضبوط ہوں کہ بچے کا ہاتھ بھی بندوق پر ہو وہاں چھ سات لاکھ فوجی کیا کر سکتے ہیں۔ وہ آزادی کا راستہ نہیں روک سکتے کشمیر آزاد ہو کر رہے گا۔ مشرقی تیمور میں تو اقوام متحدہ کو حق خود ارادیت کی پکار سنائی دے گئی مگر کشمیر میں اسے یہ آواز سنائی نہیں دیتی۔ یہ نہیں بلکہ وہ سننا ہی نہیں چاہتا۔ حقیقت میں جہاں اس کا مفاد ہو وہاں ہی ایکشن لیتا ہے۔ اسے جانا ہی تھا اور ہم اہل وفا ہیں ایک ہی مرکزی کردار کی حامل دونوں تحریریں خوب تھیں۔ دونوں بیٹوں نے باپ کی غداری کو اپنی وفاداری سے بدل دیا۔ کہتے ہیں کہ بیٹے اکثر باغی ہو جاتے ہیں غداری کر جاتے ہیں لیکن یہاں تو معاملہ الٹ نکلا۔ شاذ ہی۔ تحریر کچھ کمس کمیر سی تھی۔ لگتا نہیں آپ کے قلم نے یہ تحریر کی ہو۔ رؤف خالد کے انٹرویو کا بے حد شکریہ۔ بلوگڑا۔ نور محمد صاحب تحریر میں تو ایسا ممکن ہو گیا مگر حقیقت میں ایسا شاید کبھی نہ ہوا ہو۔ وہ بھی BBC کا نمائندہ۔ انہیں اتنا ہی درد تھا تو خریدتے وقت ہی کوئی ایسا جذبہ دکھاتے۔ انہیں اس وقت بلوگڑوں کا خیال نہ آیا۔ انسانیت نظر نہ آئی۔ انہوں نے ذرا سی دیر کو بھی یہ نہ سوچا کہ یہ بکنے والے بکنا بھی چاہتے ہیں یا نہیں۔ اے کشمیریوں، تمہاری آزادی کا سورج ضرور طلوع ہو گا۔ خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ کشمیریات کے طالب علم کی بات ذرا نہیں اچھی لگی کہ ہمارے آنے سے آپ کی سرکولیشن بڑھے گی۔ اسے شاید پھول کے جذبوں کا علم نہ تھا۔ شان شہید کو بلا تبصرہ ہی رہنے دیتی ہوں وہ ویسے بھی میرے تبصرے کی محتاج نہیں۔ اسیور کیمپ۔

کشمیر میں اسے یہ آواز سنائی نہیں دیتی

شہیدوں، غازیوں، مجاہدوں کی لازوال داستانوں کا عکس اس کا ایک ایک کردار دلوں کو ہلا کے رکھ دینے والا، دردناک، قابل رحم بھیا جی کیا سرحد کے اس پار رہنے والے آنکھیں نہیں رکھتے۔ پھول پوسٹر میں دل دہلا دینے والے مناظر۔ کوئی بے رحم، مردہ دل والا ہی اسے دیکھ کر نہ رویا ہو گا اور وہ پاس سے بندھے ہوئے آزادی کے متوالے مجاہد کے ہاتھ پاؤں ---- اس کی ماں نے بھی یہ منظر دیکھا ہو گا۔ PHRD سلسلہ بے حد اچھا ہے۔ پھول لیڈروں کو سب سے منفرد ہونا چاہئے۔ "حالات حاضرہ سے آگاہ کرنے والا سلسلہ" ٹیلی ٹوک کالم میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ فیاض احمد صدیقی کی باتیں بہت معلوماتی تھیں۔ پھول کے بارے میں میری بھی یہی رائے تھی مگر ارسال نہ کر سکی۔ شفا کی رپورٹنگ بے حد اچھی کرتی ہیں۔ "پیچ" کے آٹھویں کالم کے END تک پہنچتے ہی میری بھی چیخ نکل گئی۔ الحدیث کے ذریعے سید نظر زیدی آخرت کے لئے ڈھیروں اجر اکٹھا کر رہے ہیں۔ آخر میں کشمیری مجاہدین کے نام

عزم راسخ ہو تو دیتی ہے صدا خود منزل
حوصلہ ہو تو کوئی راہ بھی دشوار نہیں

(نجمہ، راولپنڈی)

☆— میری گزارش ہے کہ پھول کے صفحات بڑھائے جائیں اور کہانیوں میں اضافہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ مجھے پورے پھول رسالے میں صرف "واہ کیا بات ہے" ہی پسند آتا ہے۔ (اقصیٰ کرن۔ فورٹ عباس)

☆— "قربانی کی بانہوں میں" عاطف نے سچ کہا ہے کہ "بھارت مسلمانوں پر ہی نہیں بلکہ اپنی فوج پر بھی ظلم کر رہا ہے۔" کشمیر کا پوسٹر دیکھ کر بہت دکھ ہوا ہمارے کشمیری "بہن بھائی" آزادی کی خاطر کس طرح قربانیاں دے رہے ہیں۔ (اقصیٰ احمد۔ لاہور)

☆— پھول کشمیر پر شائع دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ کہانیوں میں انگار وادی' اسے جانا تھا' مسلے دھوکہ نہیں دیتے۔ (سائرہ ارشاد علی سرویا جٹ۔ ہرنگ منڈی)

☆— میری بھی یہ خواہش تھی کہ پھول بھی کشمیر نمبر شائع کرکے جہاد کشمیر میں حصہ لے۔ اس دفعہ میری یہ خواہش بھی پوری ہو گئی۔ سب سے پہلے ٹائٹل پر نظر پڑی۔ جس میں ایک ننھا منا پیارا سا بچہ ہاتھ میں بندوق اٹھائے آنکھوں میں عزم لئے نظر آیا وہ عزم تھا آزادی حاصل کرنے کا۔ (بینش ارم تلہ گنگ)

☆— ٹائٹل بھی بہت اچھا ہے اور اندر سے بھی سارا شمارہ بہت اچھی تحریروں سے بھرا پڑا ہے۔ ساری کی ساری کہانیاں شاعری اور فیچرز بہت اچھے ہیں۔ کرنیں کا نیا سٹائل پسند آیا۔ (شائستہ عطا۔ فیصل آباد)

☆— آرایم راہی کی کہانی "موت کی گھاٹی" بہت منفرد اور زبردست تھی۔ آج شاید ہی کشمیر میں کوئی گھرانہ ایسا ہو گا جس نے کوئی قربانی نہ دی ہو اور ان قربانیوں کی فصل کاٹنے کے دن قریب ہیں۔ سلیم قمر قلمی جہاد میں ایک معتبر نام جو قلم سے جہاد کا حق ادا کرتے ہیں۔ ان کی تحریر پڑھ کر اشرف ڈار کی یاد تازہ ہو گئی کہ جسے چھلاوے کا نام دیا گیا تھا اور جس دن شمس الحق کی شہادت کی خبر آئی اس دن تو ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ بھارتی کتنے اشرف ڈار اور شمس الحق ختم کریں گے کہ آج ہر نوجوان شمس الحق اور اشرف ڈار بن چکا ہے۔ (سلمیٰ سعید ناروال)

☆— رؤف خالد کی باتیں پسند آئیں۔ بقیہ سلسلے انگار وادی' اکتوبر کی شام' کشمیر کے شاہ' کشمیر کے شیر' موت کی گھاٹی' ہم اہل وفا ہیں۔ بہت ہی خوبصورت رہے۔ (ثوبیہ بخاری۔ چک 113/10-R)

☆— شکر ہے انعام پانے میں سب سے پہلے اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ آٹھ سالوں میں پہلی بار ایسا ہوا ہے۔ انگار وادی میں انگلش کے ساتھ اردو لکھ کر آپ نے بہت اچھا کیا ایسا ہی کیا کریں۔ (شاہین کوثر۔ چھانگا مانگا)

☆— میرا نام رخسانہ شبیر ہے شہر ڈیرہ غازی خان میں رہتی ہوں اور فرسٹ ائر کی طالبہ ہوں شروع سے کہانیاں لکھنے کا شوق ہے اور پڑھنے کا بھی۔ میرا اور پھول کا ساتھ کافی پرانا ہے۔ پہلے پہل تو پھول کی تصویریں بہت اچھی لگیں پھر کہانیاں۔ پھول میں میری واحد تحریر 99ء میں شائع ہوئی تھی اس کے علاوہ خطوط بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ (رخسانہ شبیر۔ ڈی جی خان)

☆— خوبصورت ٹائٹل جو کہ کشمیر کے بارے میں ہے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ہمیں تو اسی خاص نمبر کا انتظار تھا۔ بہت زیادہ اچھا لگا۔ (منیبہ صدیق جہانگیرہ آباد)

☆— "پھول" نے ہمیں ہمت ہارنا نہیں سکھایا بلکہ اس نے ہمیں ہر مشکل کا مقابلہ ہمت سے کرنا سکھایا ہے۔ دسمبر میں میری (12 دسمبر) سالگرہ اور میرے ننھے بھائی نعمان کی 6 دسمبر کو سالانہ کے ساتھ ساتھ سالگرہ کی خوشی دوگنی ہو جائے گی۔ (غزالہ تبسم راولا کوٹ۔ آزاد کشمیر)

☆— نورمحمد جمالی کی "خوبصورت چہرہ" پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ کیا ایسی کہانی بھی کوئی لکھ سکتا ہے؟ بہت زبردست کہانی تھی۔ لاہور کیمپ کے مہاجروں کی داستانیں پڑھ کر رونا آ گیا۔ ٹرسٹ سکول کے بچوں کے خیالات پڑھ کر بے انتہا خوشی ہوئی اور ان پر بے حد پیار آیا۔ تنویر حسین نے تو کمال کر دیا وہ کشمیر کو شیر سمجھ کر پی جانا چاہتے ہیں۔ ایسے زبردست جملے لکھے ہیں کہ بے اختیار ہنسی نکل گئی۔ (سدرہ شیریں۔ لاہور)

☆ آپ سے ملاقات اور پھول آفس جانے کا میرا پہلا موقع تھا مگر آپ لوگوں نے جس قدر محبت اور پیار کا مظاہرہ کیا اس سے جی چاہتا ہے کہ بار بار لاہور جایا جائے اور آپ سے ملاقات ہو۔ بھیا حویلیاں میں' میں انشاءاللہ بہت جلد پھول کلب کا افتتاحی شو منعقد کروا لوں گا۔ (زاہد اقبال صدر پھول کلب حویلیاں)

☆— خاص نمبر نے واقعی کمال کر ڈالا۔ ہمارے تو آپ نے دل جیت لئے۔ نجمہ ثاقب کی تحریر اسے دن تھی۔ شاذ بٹ نے بھی کمال کی کہانی لکھی خاص کر سرورق کا آئیڈیا اور پھر دوسرے صفحے پر چھوٹی نظم جس نے بھی لکھی اور جس نے تصویر بنائی وہ انعام کا مستحق ہے۔ (اے ڈیم خٹک تیری کرک)

☆— سٹوری "اسے جانا تھا" اچھی کہانی تھی انسان کا ضمیر زندہ ہو تو اسے کبھی نہ کبھی سیدھے راستے پر لے ہی آتا ہے۔ "مسلے دھوکہ نہیں دیتے" بھی اچھی تھی۔ رؤف خالد کا انٹرویو شائع کرنے پر بہت شکریہ یہ بھی ہمارے ایک قسم کے مجاہد ہیں۔ اگر ہم کشمیر کو آزاد کرانا چاہتے ہیں تو ہمیں بیک وقت کئی محاذوں پر بڑی بے جگری سے لڑنا ہو گا۔ (سیرا جاوید باجوہ۔ فیصل آباد)

☆— شفاء علی پھول میں اقبال میوزیم کی رپورٹ لے کر آئیں جو کہ میرے لئے ایک بڑی حیرت کا سبب بنی۔ وہ اس لئے کہ میں نے قریباً لاہور کی تمام تاریخی عمارات دیکھی ہیں لیکن اقبال میوزیم کا بالکل علم نہیں تھا آپ نے جس انداز میں اقبال کے گھر کی نقشہ کشی کی ہے دل چاہتا ہے کہ اڑ کر لاہور پہنچیں اور اقبال میوزیم کو جی بھر کر دیکھیں۔ (شاہد علی نارووال)

☆— عرو بر تک پہنچ کر لوٹ آئے
اس گھر تک پہنچ کر لوٹ آئے
چاند کی سیر کا ارادہ تھا
ہم ادھر تک پہنچ کر لوٹ آئے
گاؤں کی زندگی سے اکتا کر
ہم شہر تک پہنچ کر لوٹ آئے
جس پہ لکھا تھا نام ہم نے علی
اس شجر تک پہنچ کر لوٹ آئے غضنفر علی لاہور

☆— PHRD کا سلسلہ بہت شاندار ہے۔ پھول اپنے انقلابی کاموں اور سلسلوں سے لوگوں کو سیدھی راہ دکھانے اور انہیں مفید شہری بنانے میں اپنا جو حصہ ڈال رہا ہے اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ میں تو یہ کہوں گی کہ پھول کے تمام اقدامات تاریخ ساز ہیں۔ (ایچ خان۔ بھکر)

☆— واہ کیا بات ہے ایک سے بڑھ کر ایک تحریریں پڑھنے کو ملیں۔ اس سلسلے کو ہمیشہ جاری رکھیں یہ سلسلہ جتنا بڑھے گا اس شیرینی میں اور زیادہ اضافہ ہو گا۔ سچ کہانی نے ہمارے اعصاب کو جھنجھوڑ ڈالا ہر وقت کہانی پڑھتے ہیں پھر بھی دل کہتا ہے دوبارہ پڑھوں اس کہانی کی تعریف کیلئے میں کہاں سے جملے کو ڈھونڈوں مجھے سمجھ نہیں آتی۔ (شبیر احمد شہزاد ترنڈہ محمد پناہ)

☆ بیلہ نام سٹوری اور ہم اہل وفا ہیں بے حد پسند آئے۔ نورمحمد جمالی کی بلوگرافی مختصر ضرور تھی پر اچھی تھی۔ پھر کچھ خیال آیا تو لطیفوں کا صفحہ کھولا لیکن یہاں تو کچھ اور ہی تھا۔ "آپ جیسی نے قصس کری" بہت پسند آیا۔ مہاجروں کی داستان پڑھ کر دل کو دکھ ہوا اور رونے کو دل کرنے لگا۔ (صاحبت اپنے مختصر خط میں بھی شہر کا نام لکھ گئیں)

☆ تنویر حسین نے ہندو بچے کی خوب گت بنائی۔ پڑھ کر دل خوش ہوا۔ خدا ان کے قلم کو ہندوؤں کے پرخچے یونہی اڑاتے رہنے کی توفیق دے۔ ٹیلی فون تک کالم مزیدار تھا۔ پھول اخبار پر سرسری نظر ڈالی۔ سپورٹس گلاس مختصر مگر بہت مزے کا تھا۔ لیڈرز کی تربیت کا نیا سلسلہ واقعی بہت موثر ہے اور نئی قسم کا ہے۔ (رضیہ شاہین تونسوی)

☆ مشرق کا دیس سورج کا گھر پڑھا اگر معلومات تازہ ہوئیں تو اضافہ بھی ہوا۔ کشمیر کا حسن بے مثال ہے تو اہل مقبوضہ کشمیر کا جذبہ آزادی بھی بے مثال ہے۔ ایک بات ہے اس جذبے کو سرحد کے اس پار بھی اس پار کی طرح ہونا چاہیے۔ جانے اس پار کی برف کب پگھلے گی۔ دشمن تو اس پر بھی نظر گاڑے بیٹھا ہے۔ (شائلہ رحمن ہاشمی بہاولپور)

☆ سرورق نہایت پیارا تھا کرنیں کا انتخاب اچھا ہوتا ہے دل میں گھر کرنے والی۔ اداریہ اتنا زبردست تھا کہ تعریف کیلئے الفاظ نہیں۔ واقعی خاص نمبر خاص تھا۔ کشمیر کے بارے میں لکھی گئی کہانیوں میں جو ظلم تھا وہ حقیقت پر مبنی تھا تمام کہانیاں پڑھ کر بہت رونا آیا۔ (نادیہ حنیف جڑانوالہ)

☆ شاذ بٹ کی مسلے دھوکہ نہیں دیتے۔ انتہائی پر اثر کاوش تھی۔ اور خاص طور پر اس کاوش کا آخری جملہ۔ پھر رؤف خالد بھائی سے ملاقات شاندار رہی۔ انگار وادی کی تصاویر دیکھ کر یادیں تازہ ہو گئیں۔ مائدہ عبید کی ہم اہل وفا ہیں نے بہت متاثر کیا۔ (عالم زیب پشاور)

☆ اس دفعہ پھول واقعی ہی سپرہٹ تھا۔ تمام ہی کہانیاں کشمیر پر تھیں جو کہ واقعی ہی اچھی تھیں مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ کس کہانی کی تعریف کروں۔ ایک گزارش رہتی ہے کہ آپ "کیپٹن صاحب" کا بھی انٹرویو شائع کریں۔ (عمارہ منصور علی خان چاکے چیمہ)

☆ بھیا جی میں نے ایک مضمون پڑھا ہے کہ بہت سے مجاہدین کے پاس پہننے کیلئے جوتے نہیں ہیں اور ہندو کی کھوپڑی اڑانے کیلئے اسلحہ نہیں ہے۔ بھیا جی ان اللہ کے شیروں کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے اور فرض ایک ایسا قرض ہوتا ہے جسے ادا کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ (اسامہ خان فیصل آباد)

☆ قربانی کی بانہوں میں ملتی ہے آزادی جس میں سب طالب علموں نے مختلف انداز میں کشمیر پر اظہار خیال کیا کہ واقعی کشمیر جنت ہے۔ ٹیلی فون تک کالم میں بھیا کی باتیں خاصی دلچسپ تھیں۔ پھول بڑا مقبول میں پھول ساتھیوں کے کٹے پھٹے خطوط بھی چھائے رہے۔ پروفیسر انور رومان کی کہانی ویری ناگ بے حد پسند آئی۔ (رؤف رزاق۔ کوٹ ادو)

☆ کشمیر نمبر میں تمام کہانیاں اسے دن تھیں آپ نے بھارتی جھنڈے کا جو حشر ٹکڑے ٹکڑے کرکے دکھایا وہ دیکھ دل خوش ہو گیا لیکن اس مرتبہ Yes its me اور Cookrey کے صفحات کی کمی محسوس ہوئی۔ فہد بلال بلوچ۔ ملتان

☆ پھول میں کشمیریوں کے پوسٹر دیکھ دل بھر آیا۔ آنکھوں بے اختیار نکل پڑے رونے کو مجبور ہو گیا۔ اچانک ایک شعر یاد آ گیا کہ

کون بہتے ہوئے اشکوں پہ نظر رکھتا ہے
لوگ ہنستے ہوئے چہروں کو دعا دیتے ہیں

آخر یہ بھارت ایسا کیوں کر رہا ہے؟ بے چارے کشمیریوں پر اتنا ظلم کیوں کرتا ہے۔ آخر کشمیریوں کو بھی ہنسنے اور جینے کا بھی کوئی حق ہے۔ (حمل امین اللہ گوجرانوالہ)

☆ اداریہ اور بیلہ نام سٹوری کے علاوہ شاذ بٹ کی مسلے دھوکہ نہیں دیتے' واہ کیا بات ہے اور رؤف خالد کا انٹرویو زبردست تھا۔ (عدیلہ ریاض ملتان)

☆ نومبر کا شمارہ مجھے پچھلے دو سالہ شماروں سے سب سے زیادہ منفرد اور خصوصی لگا بلکہ یوں کہیں کہ کمی کو دور کر دیا۔ بہت خوب اب تو پھول واقعی میرا اپنا ہے۔ (محمد اقبال چک نمبر 113/10R)

☆ اس دفعہ پھول بہت گرما گرم پرجوش اور دلوں کو تڑپانے والا تھا۔ پھول پڑھ کر احساس ہوا کہ ہم پاکستانی آزادی جیسی متاع عزیز ہوتے ہوئے بھی اس کی قدر نہیں کرتے آزادی کا مطلب تو کوئی کشمیریوں سے پوچھے فلسطینیوں سے پوچھے جن پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ (سعدیہ ملک محمد علی طیب محمد سعد علی سرسٹ)

☆ نجمی عشرت نے یہ سوال بہت خوب پوچھا کہ ہمیں مہاجر کیوں کہا جاتا ہے؟ کیونکہ یہی سوال میرے دماغ اور دل میں کب سے ہے اور مجھے اہالیان مقبوضہ کشمیر کو مہاجر کہنا سخت برا لگتا ہے وہ ہم سے کہیں گنا زیادہ پاکستانی اور اس ملک کے وارث اور خیر خواہ ہیں۔ (اسامہ احمد کشمیری۔ راولپنڈی)

☆ کشمیر آپ نے بے مثال اور لاثانی شمارہ پیش کیا واقعی آپ کی محنت لاجواب ہے۔ جہاد کشمیر میں آپ کا ثواب بھی جمع ہو گا۔ انشاءاللہ وہ دن دور نہیں جب کشمیر آزاد ہو گا اور بھارت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے۔ (شمیم احمد آصف گڑھ فتح شاہ)

☆ شان شہید بھی ایک بہت ہی اچھا سلسلہ ہے۔ کہانیاں کشمیر کے متعلق ہی تھیں لوگوں پر ہونے والے ظلم کے متعلق پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ واہ کیا بات ہے اور بیلہ نام سٹوری تو بہت اچھی تھی۔ (مریم عبدالعلیم جڑانوالہ)

☆ اسے جانا تھا کہانی بہت اچھی لگی کرنیں بھی واقع کرنیں ثابت ہوئی۔ اس کے علاوہ واہ کیا بات ہے۔ بیلہ نام سٹوری اور کشمیری ترانہ اچھا لگا۔ (جویریہ تبسم۔ فورٹ عباس)

☆ پھول 31 اکتوبر کو مل گیا پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ سب سے پہلے کرنیں اور الحدیث پڑھتے ہیں اور اس کے علاوہ خالد روف کا انٹرویو اور الگاروادی بہت بہت اچھا تھا۔ (محبوب طارق علیانی' یعقوب طارق علیانی' جہانگیر سجاد علیانی' تنویر سجاد علیانی' شوکت سجاد علیانی' فیروز سجاد علیانی' فرحان سجاد علیانی' ممتاز علیانی' فیض رسول علیانی' وقاص عطا علیانی ڈی جی خان۔

☆ میری محبت تو اک گہر ہے تیری وفا ہے کراں سمندر
تو پھر بھی مجھ سے عظیم تر ہے کہاں گہر ہے کہاں سمندر
(ملک قمر الزمان عاصم جھنگ

☆ کشمیر پر خاص نمبر میں بھی پھول والوں کی انفرادیت ایسی ہے۔
کو لگی آزاد کشمیر اور امبور کیمپ کے مہاجرین کی روداد دل
دکھا دینے والی تھی انشاء اللہ ہمارا کشمیر ضرور آزاد ہوگا قربانیاں
دینے والے بھائی اس ملک میں آزادی سے
سانس لے سکیں گے۔ (عمیر اشتیاق جڑانوالہ)

☆ "واہ کیا بات ہے" پڑھ چکی ہوں۔ یہ چونکہ زیادہ پسندیدہ کالم ہے۔ اس لئے اس کو ہمیشہ پہلے ہی پڑھتی ہوں۔ اور حسب معمول اس دفعہ بھی پہلے پڑھا ہے۔ اور اپنی تحریریں بلکہ تحریر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ سارہ چوہدری۔ میرپور

☆ کرنیں پڑھیں اس کے بعد اداریہ تو زبردست رہا۔ ویسے ہم بھی عقل مند ہو گئے ہیں۔ کیونکہ اداریہ پہلے سر سے گزر جاتا تھا مگر اب سمجھ میں آ جاتا ہے۔ کہانیوں میں سب سے پہلے اسے جانا تھا پڑھی۔ معلوم نہیں کس نے لکھی ہے۔ مسئلے دھوکا نہیں دیتے کچھ سمجھ نہیں آئی۔ روف خالد کا انٹرویو اچھا لگا۔ الگاروادی ڈرامے کے چند سین پڑھ کر پورا ڈرامہ نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ شعر و شاعری سے اتنی خاص دلچسپی نہیں مگر پڑھی اس لئے کہ جملے جو ڈھونڈنے تھے۔ مہوش یونس لاہور

☆ نومبر کا رسالہ کشمیر کے حوالے سے بہت پسند آیا۔ خصوصاً روف خالد کا انٹرویو تو بے حد پسند آیا۔ اس دفعہ yesits me کو نہ پا کر بہت مایوسی ہوئی۔ عثمان غنی رابعہ مشتاق۔ بھائی پھیرو

☆ روف خالد کا انٹرویو دے کر آپ نے ہمارا دل جیت لیا ہے۔ کہانیوں میں "اکتوبر کی ایک شام" الگاروادی اور اسے جانا تھا بہت ہی زبردست تھیں۔ تنویر حسین صاحب کی تحریر "کشمیر کی شیر" بہت ہی زبردست تھی۔ تنویر صاحب! Well done عمران شہزاد۔ فیصل آباد

☆ ٹائٹل زبردست تھا۔ کرنیں اور اداریہ بھی ہمیشہ کی طرح دل میں اتر گئے۔ بھیا جو لوگ ہمت نہیں بڑھا سکتے اور کچھ کر نہیں سکتے وہ اسی طرح بزدل کرتے ہیں۔ مگر باہمت لوگ ان پر دھیان دیئے بغیر گاڑیوں کو دھکا لگاتے رہتے ہیں۔ تنزیلہ یوسف۔ لاہور

☆ مسکرایئے میں لطیفے پڑھ کر یہ جان کر خوش ہوئی کہ بھارتی کیسے کشمیر سے ڈرتے ہیں۔ اور کیسے دلوں کو اطمینان دینے کے لئے لطیفے گھڑے ہوئے ہیں۔ ہجرت کے بعد اعجاز احمد اعجاز کی زبانی پڑھ کر اور رو کر آنکھیں نم ہو گئیں۔ اور جب میں صفحہ دیکھا تو دل کانپ اٹھا۔ آنکھوں سے اتنے آنسو آ گئے کہ اب تک میں دوبارہ اس صفحے کو دیکھنے کی جرات پیدا نہیں کر سکا۔ عاصف رضا بلوچ۔ ملتان

☆ اگر ہم اپنی صفوں میں اتحاد رکھیں تو کوئی بھی ہمارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ کشمیر ایک مسلم ریاست ہے اور پاکستان کا حصہ بننا اس کا مقدر۔ اس لئے یہ غیر مسلم اپنا پورا زور اس بات پر صرف کر رہے ہیں کہ جب تک داؤ چلتا ہے چلا ئیں آخر کو ہے تو یہ پاکستان کا حصہ۔ کیونکہ کوئی موٹی عقل والا بندہ بھی آسانی سے یہ سمجھ لیتا ہے کہ جس مقصد کے لئے 70 ہزار سے زیادہ نفوس اپنی جانیں قربان کر دیں اور لاکھوں نے گھر بار چھوڑ ا ہو تو وہ مقصد کب پورا ہوئے بغیر رہ سکتا ہے۔ شائستہ بتول۔ کوٹلی

☆ اگر میرا بس چلے تو سب ہندوؤں کو قطار میں کھڑا کر کے گولی سے ہلاک کر دوں کیونکہ میں کشمیریوں پر ظلم و ستم برداشت نہیں کر سکتی۔ کاش کاش! آج قائداعظم زندہ ہوتے تو آج کشمیر بھی آزاد ہوتا۔ ابھی تو میں چھوٹی ہوں جب میں بڑی ہوں گی تو میں بھی جہاد میں حصہ لوں گی۔ حفصہ ظہیر لاہور

☆ ذرا "یہ تو بتائیں کہ اس دفعہ پھول کا سلسلہ بلکہ سلسلے "No Problem" اور Cookery کو کہاں غائب کر دیا ہے؟ پلیز سلسلے کم نہ کیا کریں۔ ان کے بغیر پھول سونا سونا لگتا ہے۔ سعدیہ ہدایت اللہ۔ جنڈیالہ باغوالہ

☆ آپ نے تو کشمیریوں کے دل جیت لے کشمیر پر پھول کا خاص نمبر شائع کر کے تمام کشمیریوں کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں خاص نمبر پر کیا تبصرہ کروں کیوں کے تمام تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ تمام کہانیاں انتہائی اچھی تھیں۔ سید حبیب الرحمٰن حبیب۔ راولاکوٹ

☆ بلونگڑا اور موت کی گھاٹی اچھی کہانیاں تھیں۔ ہجرت کے بعد پھول والے سب سے پہلے ہم تک پہنچے پھول والے ان تک نہیں بلکہ سب تک پہلے پہنچتے ہیں اور پہنچتے رہیں گے (انشاء اللہ) خوبصورت چہرہ تو شاید کشمیر کے ہر گھر کی کہانی ہے ہر جوان اپنی خوبصورتی آزادی پر صرف کر رہا ہے بدصورتی کو مٹانے والا ہر چہرا خوبصورت ہوتا ہے۔ شائلہ عبدالستار۔ راولپنڈی

☆ "مسکرا ہیئے انعام پایئے" میں میرا نام چھپا ہے بہت خوشی ہوئی پھر اس سے بھی زیادہ خوشی اس بات کی ہوئی کہ میرا خط کٹھے میٹھے خطوط میں چھپا ہے تو دوسرا رسالہ میں نے اپنے دوست کو بطور تحفہ دیا کہ میرا اس میں خط اور نام چھپا ہے میرا جب بھی رسالے میں نام یا تحریر آتی ہے تو مجھے حد سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔
قمر الزمان وٹو۔ مٹین آباد

☆ شان شہید شمسی بہت اچھی جا رہی ہے پیچ موت کی گھاٹی خوبصورت چہرہ اور بلونگڑا پسند آئیں تصویر دیکھ کر دل خون کے آنسو رو دیا کوئی ظلم ایسا بھی ہے جو بھارت نے کشمیر پر نہیں کیا ہوگا۔ شاز یہ نواز۔ ملتان

☆ "پھول" میں سب سے زیادہ پسند "کرنیں" اداریہ اور نو پرابلم" ہیں۔ مشورہ ہی ہے کہ جو سلسلہ شروع کیا جائے۔ اسے کم از کم ایک سال جاری رکھیں۔ "پھول" کے زیر انتظام "کھیلوں کے مقابلے" بھی ہونے چاہئیں۔
ذوالفقار حسین۔ جھاڑیاں

☆ پھول...... نا صرف پاکستان سے بلکہ مقبوضہ کشمیر سے بھی بے پناہ محبت پیار اور خلوص رکھتا ہے۔..... پھول بڑا مقبول ہونے کی یہی تو ایک وجہ ہے۔
محمد مختار احمد جمال مغل

☆ روف خالد کی باتیں سن کر ایک دفعہ پھر لانگ ڈرامہ کی یاد ستانے لگی۔ الگاروادی پڑھ ایسے معلوم ہوا کہ ہم الگاروادی ٹیلی ویژن پر دیکھ رہے ہوں۔
اخلاق احمد۔ کوٹ ادو

☆ اس ماہ کشمیر پر خاص نمبر بہت ہی اچھا تھا۔ ٹائٹل بھی
بہت پیارا تھا۔ کرنیں اداریہ دونوں ہی اچھے تھے کہانیوں
میں اسے جانا تھا' ہم اہل وفا ہیں' موت کی گھاٹی' شان شہید شمسی اور بھیا جی کی
بیڈ ٹائم سٹوری بیچ اچھی لگیں۔ عامر مغل' شمینہ مغل۔ ڈسکہ

☆ کشمیر نمبر بہت پسند آیا۔ بیڈ ٹائم سٹوری بھی بہت اچھی ہے اور اداریہ تو میری جان ہے۔ آمنہ لطیف۔ لاہور

☆ ٹائٹل میں اقوام عالم کے سامنے ایک احتجاج بھی کیا گیا ہے کہ کشمیر میں ظالم بھارت کی طرف سے کشمیریوں کو انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے انہیں حق خود ارادیت دلاؤ۔ (فوزیہ شریف کا خط اچھا تھا شیر کا نام لکھتیں تو انعامی بھی ہو سکتا تھا) کشمیر نمبر دیکھ کر ہمیں بہت خوشی ہوئی۔ ٹائٹل پر کشمیریوں پر کیے جانے والے ظلم اور بچوں کے جذبہ جہاد کو بڑے خوبصورت انداز میں دکھایا گیا۔ اداریہ خوب تھا۔ اسے جانا تھا۔ ایک بہت اچھی تحریر تھی۔ عاصم انصاری

☆ اس دفعہ پھول اتنا بہتر نہ تھا جسے پڑھ کر زیادہ مزہ نہیں آیا۔ ہم آپ سے گلہ نہیں کر رہے۔ میں پہلی دفعہ خط بھیج رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ اسے ٹوکری کے نظر نہیں کریں گے۔ محمد انس علی۔ بہاولنگر

☆ نومبر 2000 کا شمارہ ملا۔ دیکھ کر دل کو اتنی خوشی ہوئی کہ بیان کرنا مشکل ہے۔ کہانی "اسے جانا ہی تھا" بہت ہی پسند آئی۔ Sports Glance کا صفحہ بہت ہی اچھا لگا۔ سحرش حرا۔ فورٹ عباس

☆ کرنوں میں قرآن مجید سے جہاد کے موضوع پر چنی ہوئی آیات پڑھ کر ہمارا ایمان تازہ ہو گیا۔ مختار مسعود کی آواز دوست کے اقتباس بہت پسند آئے۔ اداریہ میں جہاد کو خوبصورت انداز سے واضح کر دیا۔ "اسے جانا تھا" میں واقعی اسے جانا تھا وہ اس دھرتی کا بیٹا تھا اپنی دھرتی کو اپنے لہو سے چھڑانا تھا ہم بھی اس دھرتی کے قرض دار ہیں۔ عبیدالرحمٰن فاروقی۔ ترنڈہ محمد پناہ

☆ بھارتی درندوں کے کارناموں کو دیکھ کر اصلی والے درندے بھی شرم سے اپنا سر جھکا لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے درندگی سے استعفیٰ دینے کے بارے میں سوچ رکھا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اب کرۂ ارض پر درندگی کیلئے ہماری ضرورت نہیں رہی۔ اور ساتھ میں ننھی عشرت کا معصوم سوال دل میں خنجر کی طرح لگا۔
شہزاد احمد ملک۔ ترنڈہ محمد پناہ

☆ وہ دن دور نہیں کہ جب ہماری کشمیری بہن بھائی اپنے آزاد وطن میں رہیں گے کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے پھول میں تمام کہانیاں بھی کشمیر کے حوالے سے تھیں سب ہی بہت اچھی لگیں روف خالد کا انٹرویو اچھا لگا۔ عمیر اوقار جنڈی سید پور

☆ مسکرایئے میں نئے لطیفے دیا کریں پھول اخبار بھی سپورٹس گلانس اچھا لگا
ادار یہ بھی اچھا لگا۔ انور جاوید سرکانی۔ ڈیرہ غازی خان

☆ الحدیث پڑھ کر مزہ آ گیا۔ الگاروادی کشمیر کے حوالے سے کہانی اچھی لگی۔ شان شہید شمسی ہمیشہ کی طرح اچھی رہی۔ یہ سلسلہ جاری رکھیں۔ موت کی گھاٹی بھی اچھی لگی Exclusive میں روف خالد کا انٹرویو اچھا لگا۔ بدر جاوید سرکانی۔ گدپور

☆ کشمیر کے حوالے سے خصوصی نمبر بہت پسند آیا۔ لیورنگ سرورق اور پوسٹر آزادی اور جہاد کے جذبہ کو ابھارتی ہوئی کہانیاں بہت پسند آئے۔ نو پرابلم کی کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی کیونکہ اس میں کوئی سوال خاص نہیں ہوتے۔ (صائمہ منیر۔ چونیاں)

☆...... خواہشوں کے سمندر کے سب موتی تیرا مقدر ہوں
پھول چہرے پھول لہجے تیرے ہم سفر ہوں
(اقصیٰ فیض یوسف زئی۔ بہاولپور)

☆...... بیڈ ٹائم سٹوری سمیت پھول میں موجود تمام تحریریں پیاری لگیں۔ ان کے علاوہ کشمیر نے موضوع پر دی گئی نظمیں اور اشعار بھی اچھے تھے۔ (ایم بشیر احمد۔ جڑانوالہ)

"پھول" کے ساتھ مجھے بہت چاہت ہے لیکن مسلسل چار ماہ سے مجھے نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ میں ہر بار کوئی نہ کوئی چیز لکھ کر بھیجتا ہوں اور پھول کا مستقل ممبر بھی ہوں مجھے تو اپنے اس "پھول" سے بہت امیدیں تھیں لیکن اب تو ایسی مایوسی میں پھول سے رشتہ ختم کرنے کو دل کرتا ہے۔
(محمد زبیر تبسم طارق ضیا)

☆...... روف خالد کا انٹرویو بہت اچھا ہے الگاروادی کو آنکھوں سے دیکھ کر اب بذات خود پڑھ کر عجیب مزا آیا ہے۔ بلونگڑا ایک بلونگڑے کی کہانی ہے۔ بلونگڑا ایک بچہ ہو کر قوم کی لاج اور آزاد کروانا چاہتا تھا۔ (رپورٹ پڑھ کر امجد اعجاز احمد کی زبانی) بہت دل چاہا کہ کاش ان کی جگہ ہم ہوتے (ٹوبیہ ملک کمالیہ)

☆...... پھول میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں اور صفحہ بتایئے انعام پایئے کا کوپن بھی بھیج رہی ہوں پھول رسالہ واقعی پھول ہے بہت زبردست رسالہ ہے۔ اتنی اچھی تحریریں اس رسالے میں شائع ہوتی ہیں شاید ہی کسی اور رسالے میں ایسی تحریریں ہوتی ہوں۔ (گلشن صدیق چکسواری)

☆...... میرا یہ پھول میں پہلا خط ہے امید ہے چھوٹا افزائی سے نوازیں گے۔ مجھے پھول کے تمام سلسلے بہت پسند ہیں اور خاص کر کشمیر موضوع پر "اسے جانا تھا" بہت پسند آئی۔ (مظفر اقبال۔ چشتیاں)

☆...... کشمیر جنت نظیر کے موضوع پر آج تک جتنا لکھا گیا وہ دل دہلا دینے کے لئے کافی ہے ظالم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ صبح روشن بھی اک دن ہوتا ہے۔ جب ظلم و ستم کے بادل چھٹ جائیں گے اور جیت مظلوموں کا مقدر ہو گی۔ (زہیر ارشد۔ ملتان)

☆...... یہ کہنے میں میں کوئی عار محسوس نہیں کرتی
کہ میں نے بہت سے رسالے پڑھے لیکن جو بات
مجھے پھول میں نظر آئی وہ کسی اور میں نہیں دیکھی۔ ماہنامہ
پھول مکمل طور پر ایک اصلاحی رسالہ ہے۔
اس میں لکھی ہوئی ہر بات کا کوئی نہ کوئی
اصلاحی پہلو ضرور ہوتا ہے۔ (سعدیہ یٰسین وار برٹن)

☆...... یو این کے اونچ روز کی حقیقت یقیناً ایسی ہی ہے جیسی آپ نے تصویر سے دکھانا چاہی ہے۔ "اسے جانا تھا" ایک بہادر خاتون کی داستان ہے۔ ایسی بہادر مائیں ہی تو ہیں کہ جنہوں نے بے سرو سامانی کے باوجود جہاد کشمیر کو زندہ رکھا ہوا ہے۔
(سنان لطیف ستی۔ راولپنڈی)

☆...... کہانیوں میں شازیہ بٹ۔ مائرہ عبید و نور محمد جمالی' نجمہ ثاقب چھائے رہے الفاظ کا استعمال اتنی خوبصورتی سے کیا گیا تھا یوں محسوس ہوتا تھا کہ تمام موتی ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہوں ہر کہانی اپنے اندر ایک خاص بات ایک خاص پیغام سموئے ہوئے تھی۔ ایک ایک بات دل کی گہرائی میں اتر گئی۔ (حنا حبیب۔ ملتان)

☆...... کہانیوں میں ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر پایا کہ کس

کی اور انکسیلینٹ تھی۔ سفر بھی بہت سنسنی خیز اور دل کو ہلا دینے والا تھا۔ جو بھارتی درندوں کی بربریت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ (یعقوب وڑائچ بورے والا)

☆.....کشمیر پر آپ نے خاص نمبر شائع کر کے بہت اچھا کیا ہے کہانی بلونگڑا اور موت کی کمائی کہانی بہت اچھی تھیں۔
(نسیم احمد ساجد۔ منڈی روڈ لاروڈ)

☆.....رؤف خالد کا انٹرویو اور پی ایچ آر ڈی بہت پسند آیا۔ آئیڈیا بہت اچھا ہے۔ جھنگ میں کبھی ہمیں بھی دعوت دیں۔ علامہ اقبال کے گھر پر تفصیلی رپورٹ پڑھنے کو ملی تو اقبالؒ کی زندگی کے باب اور کھل گئے۔ (ماہانی فیصل ہاشمی جھنگ)

☆.....کرنیں اپنے نام کی طرح منفرد ہیں۔ "کرنیں" میں احمد فراز کی نظم بہت پسند آئی ٹھیک کہتے ہیں فراز صاحب "ظلم کی شب کو زوال ہے" اور وہ وقت ضرور آئے گا جب کشمیر کی غلامی کا دور آزادی میں تبدیل ہوگا۔ (مریم بتول کاظمی۔ آزاد کشمیر)

☆.....پھول بہت دیر سے ملا آپ نے اس بار خاص نمبر "کشمیر" شائع کر کے ہمارے دل جیت لئے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کشمیری مجاہدوں کو فتح و کامرانی سے ہمکنار کرے۔
(محمد سکین صابری۔ تھد اٹک)

☆.....کشمیر بھی تو ہمارے جگر کا ایک ٹوٹا ہوا ٹکڑا ہے اس کی حفاظت بھی تو ہمیں ہی کرنی ہے کشمیر تو اک ایسا نام ہے جس کے انگ انگ سے خوشبو آتی ہے۔ "حدیث شریف" کا سلسلہ بہت پسند آیا اس کے علاوہ "انگار وادی" اور "موت کی کمائی" کی کہانیاں پسند آئیں۔ (خواجہ محمد عمران بشیر۔ بھیرہ)

☆.....پھول پڑھ کر
حالات کو سازگار کرتے
ماحول کو خوشگوار کرتے (وکیلہ نساء۔ گولین)

☆.....پھول "خاص نمبر" تھا۔ اس دفعہ کے شمارے میں کہانیاں بہت بہترین تھیں پڑھ کر بہت کچھ سیکھا آزادی کے بارے میں اور جہاد کے بارے میں۔ (میرا سلیم۔ بہاولنگر)

☆.....پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ کشمیریات کے سٹوڈنٹس کا انٹرویو پڑھ کر اور ان کی اس شعبہ میں داخلہ لینے کی وجوہات پڑھ کر اور ان کے خیالات دیکھ کر دل میں درد کی عجیب سی ٹیسیں اٹھتی رہی ہیں کشمیر کیلئے احمد فراز کی ایک بہترین نظم پڑھ کر دل کو بہت سکون ملا مسلے خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں عہد وفا کی بڑی بڑی داستانیں رقم کر جاتے ہیں۔ (احمد بلال ساقی۔ سرگودھا)

☆.....کرنیں میں ماریہ مجید کا انتخاب پسند آیا جہاد اور شہادت کے متعلق قرآنی آیات پڑھ کر مجاہدوں کی زندگی پر رشک آنے لگا اداریے میں بھی کشمیر کے حوالے سے ایک خوبصورت پیغام موجود تھا۔ (فرحت نذیر۔ خانیوال)

☆.....میری دعا ہے کہ تیری حیات پر بہار رہے
کہ ہر خوشی کو ہر گھڑی تیرا انتظار رہے
(قرۃ العین چک پانچ فیض ملتان)

☆.....بیڈ ٹائم سٹوری میں چیخ پڑھ کر بھارتیوں کے ظلم کا انتہائی افسوس ہوا۔ کاش ان میں رتی بھر رحم نام کی کوئی چیز ہوتی۔ "الحدیث" کے بارے میں کیا کہوں جب بھی جس ماہ بھی پڑھتا ہوں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے صرف یہی چیز ہم میں مضبوط ہوتی تو ہم پکے مسلمان ہوتے۔ (ثاقب محمود اعوان اٹک سٹی)

☆.....بھیا میرے تین بھائی اور میرے ابو بھی پھول پڑھتے ہیں میں پھول کی نئی ممبر ہوں اس لئے پہلی مرتبہ خط لکھ رہی ہوں خدا کرے پہلے یہ ڈاک سے جلدی پہنچے اور آپ کی ردی کی ٹوکری سے بچ جائے پھول بہترین رسالہ ہے مگر کیا کریں یہ دو تین دن میں ختم ہو جاتا ہے۔ (رضوانہ خان فیروزہ)

☆.....ہم ہر سال اربوں روپیہ بھارت کو ان فلموں کیسٹوں وغیرہ کی مد میں دیتے ہیں۔ جس سے وہ اسلحہ خرید کر ہمارے ہی مسلمان بھائیوں پر چلا رہا ہے یو این او پر ہماری تمام حکومتیں اعتماد کرتی چلی آئی ہیں اور کبھی امریکہ پر لیکن کیا ان دونوں نے سوائے جھوٹ بولنے کے اور بھی کچھ کیا ہے؟ (مدثر رضا پھالیہ)

☆.....پھول کا خاص نمبر ملا جو کہ کشمیر کے حوالے سے تھا۔ تمام تحریریں اداریہ اور کرنیں سمیت ہمیشہ کی طرح اپنی مثال آپ تھی بیڈ ٹائم سٹوری میں آپ کی تحریر "چیخ" نے ہمیں بے اختیار رونے پر مجبور کر دیا۔ (سمیہ نورین۔ نارووال)

☆.....اے جانا تھا' مسلے دھوکہ نہیں دیتے' ہم اہل وفا ہیں موت کی کمائی انگار وادی بلونگڑا چیخ سب نے ایک ہی کہانی سنائی ہے کہ کشمیر میں مجاہدین اللہ کے فضل و کرم سے سرگرم ہیں خدا ان کو ہمت دے ہم اگر کچھ نہیں کر سکتے تو دعا تو کر سکتے ہیں۔
(محمد افضل' شگفتہ' سمعیہ۔ چک دوبرجی)

☆.....یہ کہنے میں میں کوئی عار محسوس نہیں کرتی کہ میں نے بہت سے رسالے پڑھے لیکن جو بات مجھے پھول میں نظر آئی وہ کسی اور میں نہیں دیکھی۔ پھول مکمل طور پر ایک اصلاحی رسالہ ہے اس میں لکھی ہوئی ہر بات کا کوئی نہ کوئی اصلاحی پہلو ضرور ہوتا ہے۔
(سعدیہ یٰسین واربرٹن)

☆.....کہانیاں سب ہی اے ون تھیں۔ اتنے اچھے موضوع پر لکھی گئی کہانیوں کو بھی کوئی ریجیکٹ کر سکتا ہے۔ "مسلے دھوکا نہیں دیتے" (شاذ بٹ) کی اچھی کاوش تھی۔ "شان شہید شمی" ڈاکٹر انکل کی کہانی میری فیورٹ ہے سب سے پہلے اسے ہی پڑھتے ہیں۔
(رقیہ حسین گوجرہ)

☆.....تنویر عیسیٰ کا مضمون لاجواب اور طنز و مزاح سے بھرپور تھا۔ ہم انشاءاللہ العزیز اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اپنے کشمیری بھائیوں اور بہنوں کو ایک دن ضرور آزاد دیکھیں گے اور بزدل ہندوؤں سے بدلہ بھی ضرور لیں گے۔ اصل میں تو ظالم ہی بزدل بھی ہوتا ہے اور مظلوم بھی۔ (عنبرین اعجاز اخوند۔ ڈی جی خان)

☆.....اللہ کی رضا کا حاصل ہو جانا بہت بڑی نعمت ہے اور یہ نعمت بہت کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے لیکن کوشش جاری رکھنی چاہئے۔ کرنیں ہمیشہ کی طرح دل میں ڈائریکٹ اتر گئیں۔ (محمد جہانگیر۔ لاہور)

☆.....کہانیاں اچھی اور خوبصورت تھیں۔ خاص کر کے نورجہ کی کہانی خوبصورت چہرہ----اور---- موت کی کمائی بہت اچھی لگیں۔
(لطف اللہ جمالی جعفر آباد بلوچستان)

☆.....ایک مشہور مقولہ ہے کہ "اگر تم نے دولت کھو دی تو تم نے کچھ نہ کھویا اگر تم نے صحت کھو دی تو کسی حد تک کھویا لیکن اگر تم نے کردار کھو دیا تو سب کچھ کھو دیا" ہمارے پاک وطن کو اس وقت ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جن کے اندر تقویٰ، امانت و دیانت، صداقت، راست بازی، ایثار و قربانی اور عدالت و شجاعت جیسے اعلیٰ اوصاف ہوں تاکہ وہ اعلیٰ و ارفع مقاصد کی تکمیل کر سکیں۔ (شیخ عبدالمتین۔ واربرٹن)

☆.....پوسٹر اور اس کا شعر افسردہ کر رہا ہے۔ ایسا ایک پوسٹر ڈرکولے واجپائی کو بھی بھیج دیں شرم آجائے اس کو بھی (اگر ہے تو) غلام نبی بٹ کی کشمیر کے بارے میں معلومات اور کرامت بخاری کا ترانہ بہت بہت اچھی لگیں۔ ڈاکٹر صاحب کی کہانی رسالے کی جان تھی یہ بھی ایک فیصلہ۔ زندگی بنا ہی دے بگاڑے نہ ویسے پھول نت نئے سلسلے شروع کرنے کیلئے مشہور ہے۔ (حفصہ نصیر احمد۔ کراچی)

☆.....اک شام جاوید منزل میں جب پڑھا تو یوں لگا جیسے میں بھی پھول ٹیم کیساتھ تھی لیکن پھر مجھے چٹکی نے کاٹا تو یقین ہوا کہ میں اس وقت صرف پھول پڑھ رہی ہوں۔ سپورٹس کلاس میں شعیب اختر کا واقعہ پڑھا تو بے اختیار ہنسی آئی۔ (صائمہ اسلم بھروانہ۔ جھنگ صدر)

☆.....کوٹلی آزاد کشمیر کیمپ والے مہاجرین کی رپورٹ بہت اچھی لگی۔ ننھی عشرت کے سوال نے واقعی ہمیں کٹہرے میں لاکھڑا کیا۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہم ان کو مہاجر کیوں کہتے ہیں۔ ویسے ہی کیا ہمارے پاکستان میں جن لوگوں نے پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے موقع پر ہجرت کی تھی ان کو مہاجر کہتے ہیں۔ اپنے آپ کو سرائیکی، پنجابی کہلا کر خوشی محسوس کرتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم مسلمان اور پاکستانی ہیں۔ (عائشہ تابندہ اعوانی۔ کوٹ ادو)

☆.....کشمیر نال ہندیاں زیادتیاں ویکھاتے بڑا افسوس ہوئیا کہ اج کل دے لوگ اکھاں بند کر کے بیٹھے نیں۔ "اے جانا تھا" بڑی ای چنگی اے اینہوں واقعے تے کشمیر وچ روز ہوندے ہون گے۔ "مسلے دھوکہ نیں دیندے" شاذ بٹ دی بڑی چنگی کوشش اے۔ رؤف خالد دا انٹرویو پڑھیا تے اوناں دی ذات دے بارے اج ہور گلاں جانن دا موقع ملیا۔ بڑے چنگے خیال نے رؤف خالد دے۔ کجھ کجھ اوناں دے ملدے جلدے خیالات ای وی رکھدے آں پر بلے اوناں وانگوں خیالات نوں لفظاں اچ بدل نہیں سکدے۔ (مہوش عابد جڑانوالہ)

☆انگار وادی زبردست تھا۔ کشمیر کے بارے میں تمام نظمیں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ ہم اہل وفا، بلونگڑا، موت کی کمائی بے حد پسند آئیں۔ کشمیر جانے کی رپورٹ بے حد اچھی تھی۔ اللہ جی سے دعا ہے کہ وہ ان مسلمان بہن بھائیوں کو بہت جلد دشمنوں سے نجات دے۔ آمین۔ (صائمہ کنول فیروزہ۔ لیاقت پور)

☆.....فیصل آباد میں وسطی پنجاب پھول کلب کے دلچسپ پروگرام کی روداد تھی۔ رؤف خالد کا انٹرویو ہمیں بہت پسند آیا۔ انگار وادی اور لاگ ہمارے فیورٹ ڈرامے ہوا کرتے تھے۔
(فوزیہ جاوید۔ بڑھنگ آزاد کشمیر)

☆.....شان شہید شمی تو پورے رسالے کی جان ہے۔ خالد رؤف کا انٹرویو پسند آیا۔ اس دفعہ ٹیلی فونک کالم بہت اچھا لگا کیونکہ اس میں میرا فون بھی تو شامل تھا مگر افسوس کہ میرا فون انعامی نہ ہو سکا۔ (احسان محمود بچ۔ نارووال)

☆.....الحدیث پھول میں سب سے زیادہ اچھا ہے اس میں ہمیں اپنی زندگی کو بہتر بنانے کا سبق ملتا ہے اور پھول نے ہمیں اپنا نام دیا اور شعور دیا مجھے پھول میں اتنا زیادہ لکھنے کا اتفاق نہیں ہوا صرف تین چار عدد خط لکھے لیکن اب دل خوب کرتا ہے کہ اس میں لکھوں۔ (نگہت سلطانہ۔ دوتالہ)

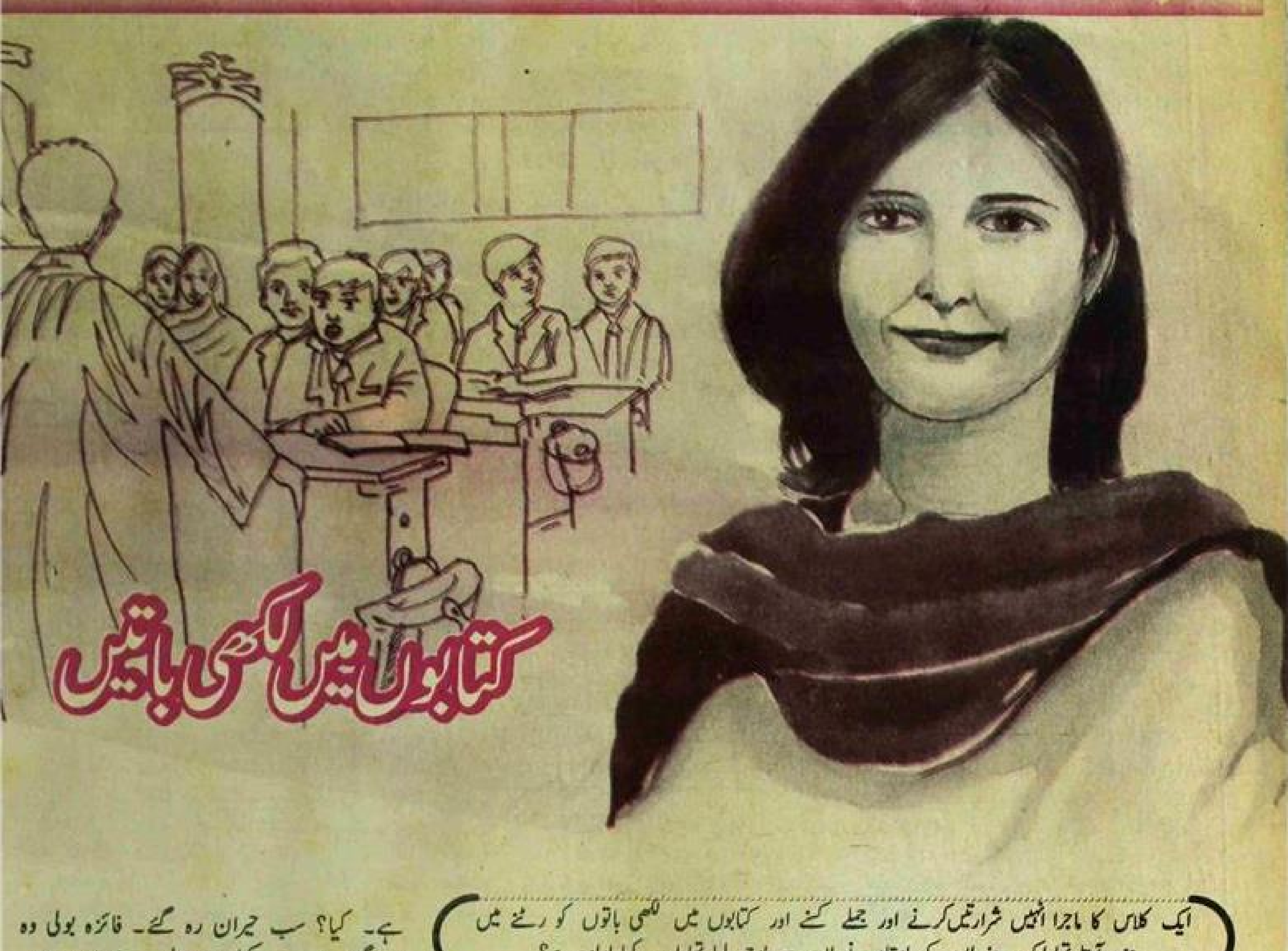
☆.....کشمیر نمبر بہت پسند آیا بہت دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں پڑھنے کو ملیں۔ خاص کر موت کی کمائی، شان شہید شمی، ٹارگٹ، انگار وادی، ویری ناگ، بیڈ ٹائم سٹوری اور انٹرویوز بہت پسند آئے۔ یہ کہانیاں کشمیر کے حالات کی صحیح عکاسی کرتی ہیں۔ (عاصمہ اسحاق۔ تراڑ کھل آزاد کشمیر)

☆کشمیر نمبر پڑھ کر خوشی ہوئی اور افسوس بھی ہوا افسوس اس بات پر ہوا کہ ہمارے پیارے کشمیر میں اتنا ظلم ہو رہا ہے پتہ نہیں کشمیر کب آزاد ہو گا؟ (حافظ نعیم احمد محمد سعید۔ ملتان)

☆.....پھول ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ تمام چیزیں بہت اچھی تھیں۔ میری خواہش ہے کہ پھول ہمیشہ اسی طرح ہنستا مسکراتا رہے۔ (کلثوم حضرو ضلع اٹک)

☆.....کشمیر نمبر شائع کر کے ہماری آرزو پوری کر دی۔ پھول نے کافی ترقی کی ہے لیکن اس کے اچھے انداز ویسے ہی ہیں اور رہیں گے مثلاً پھول میں پہلے سی خوشبو اب بھی ہے۔
(راشد خان۔ گوجرانوالہ)

☆.....پھول سے واقف تو ماموں جان نے کروایا۔ اب آپ کے دل میں یہ سوال پیدا ہو گا کہ کون سے ماموں جان۔ ان کا نام ہے قاضی وقاص احمد۔ ان کی وجہ سے میں پھول کا بہت شوقین ہو گیا ہوں اور اب پھول کو پسند بھی کرنے لگا ہوں۔
(معظم جمیل۔ منڈی فیض آباد)



کتابوں میں لکھی باتیں

ایک کلاس کا ماجرا انہیں شرارتیں کرنے اور جملے کسنے اور کتابوں میں لکھی باتوں کو رٹنے میں مزہ آتا تھا ایک روز ان کے استاد نے ان سے پوچھ لیا تھا اب کیا ارادہ ہے؟

عائشہ خاں ...... منڈی بہاؤالدین

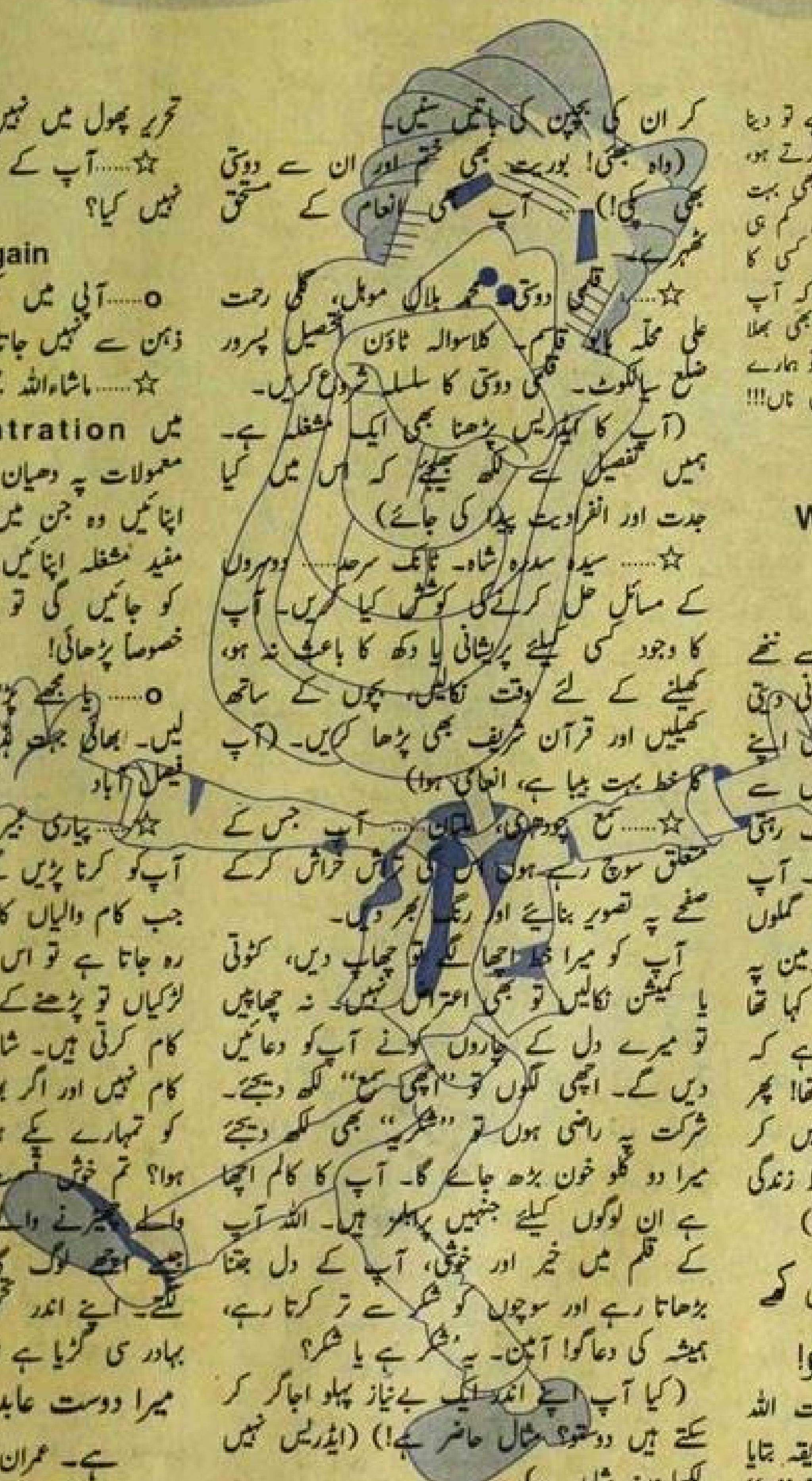
مے آئی کم اِن سر؟ صبا کلاس روم کے دروازے پر کھڑی ہو کر زور سے چلائی کیونکہ اندر بہت شور تھا اور کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ اس کے تیسری بار چلانے پر مسٹر تیمور متوجہ ہوئے اور بولے یس! اس شور و غل کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ٹیچر کا کلاس پر رعب نہیں تھا بلکہ یہ سکول کی سینئر کلاس تھی اور آج کل ان کے ساتھ خصوصی رعایت کی جاتی تھی کہ فارغ اوقات میں وہ جو جی چاہے کرے اس وقت بھی سب ملکی سیاست پر زوروشور سے بحث کر رہے تھے۔ سر باہر آپ کی امی آئی ہیں "صبا نے اطلاع دی"۔ میری امی؟ مسٹر تیمور حیرانگی سے بولے۔ یس سر وہ جو باہر کھڑی ہیں۔ صباء کے اشارے پر انہوں نے باہر دیکھا۔ اوہ اچھا! اوکے سٹوڈنٹس آپ سبق دُہرا لیں میں ابھی آتا ہوں۔ مسٹر تیمور یہ کہتے ہوئے باہر چلے گئے۔ سر کے باہر جاتے ہی صباء اونچی آواز سے چلائی لیڈیز اینڈ جینٹلمین! آ ونڈر فل نیوز فار یو۔ نہیں یہ درست نہیں بوائز اینڈ گرلز کہو "We`re not ladies" صدف احتجاجاً بولی تو عمر فوراً بولا ہمارے لئے تو جینٹلمین ہی صحیح ہے۔ اُن کی بحث سے تنگ آ کر صباء بولی تم لوگ پہلے فیصلہ کر لو کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ میں نیوز بعد میں سُنا دوں گی۔ اس کی دھمکی کارگر ثابت ہوئی اور سب خاموش ہو گئے۔ تو وہ بولی وہ دیکھو سامنے جو سر کے پاس عورت کھڑی ہے وہ ان کی امی ہے۔ کیا؟ سب حیران رہ گئے۔ فائزہ بولی وہ جو گندے سے کپڑوں والی ہے؟ ہاں وہی۔ صباء نے جواب دیا اوہ ونڈر فل دیکھو عمر آج تو سر کی شوخی ختم ہو گئی بہت بنتے تھے علی جسے ٹیچرز پر تنقید کرنے کا شوق تھا استہزائیہ انداز میں بولا۔

اُدھر مسٹر تیمور نے اُس عورت کے پاس جا کر ادب سے سلام کیا تو اُنہوں نے پیار دیتے ہوئے اُنہیں دُعا دی اور سُنائیں اماں جی کیسی ہیں؟ شکر ہے اللہ کا۔ اماں جی میں نے پیسوں کا بندوبست کر لیا ہے میرے ایک دوست نے بھی آج کا وعدہ کیا ہے میں ابھی پتہ کر کے آتا ہوں۔ آپ اس سامنے والے کمرے میں چلی جائیں۔ اُنہوں نے دسویں کلاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔ بیٹا تمہاری مرادیں پوری کرے اماں جی کا دعاؤں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
"بے شک اللہ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے، پس جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو ہر مسلمان پر جس نے اسکو سنا تو اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ یرحمک اللہ کہے جمائی کا تعلق شیطان کی طرف سے ہے۔ پس جب تم میں سے کوئی جمائی لے تو جہاں تک ہو سکے اس کو روکے کیونکہ تم میں سے جب کوئی جمائی لیتا ہے تو شیطان اس سے ہنسی اڑاتا ہے" (بخاری شریف)
اور "مسلم شریف" میں یوں روایت ہے کہ "پس تم میں سے جب کوئی جمائی لیتے وقت "ہا" کہتا ہے تو شیطان اس سے ہنستا ہے"
حضرت ابوسعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو وہ اپنے منہ کو اپنے ہاتھ سے ڈھانپ لے"
محمد اقبال (آئی ایس ایل) جہانیاں

گیا تو سر مسکراتے ہوئے باہر کی طرف چل دیئے اور اماں جی نے کلاس کا رُخ کیا انہیں دیکھ کر کلاس میں کھلبلی سی مچ گئی سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر استہزائیہ انداز میں مسکرا دیئے۔ بیٹھئے خالہ جان ماریہ نے اُنہیں چیئر پر بیٹھنے کی آفر کی (جو اپنے کلاس فیلوز کی بحث کے دوران خاموش بیٹھی تھی)۔ یہ یہاں کیسے بیٹھ سکتی ہیں؟ اُسامہ چلایا۔ کیوں نہیں بیٹھ سکتیں جب تم صرف ایک سٹوڈنٹ ہونے کے باوجود بیٹھ سکتے ہو یہ تو پھر سر کی امی ہیں (دراصل اُسامہ سر سے بہت زیادہ امپریس تھا اور ان کی کاپی کرنے کی کوشش کرتا تھا اور ان کے جانے کے بعد اُن کی سیٹ پر بیٹھ کر اُنہی کی طرح لیکچر دیکر سب کو محظوظ کرتا تھا) اماں جی جو ان کی باتوں کے دوران خاموش بیٹھی تھیں مسکراتے ہوئے بولیں میں تمہارے سر کی امی نہیں ہوں۔ اوہ تھینکس گاڈ! یہ سر کی امی نہیں ہیں ورنہ میں تو ...... اُسامہ نے کب سے رُکا ہوا سانس بحال کرتے ہوئے کہا ورنہ تم کیا کر لیتے۔ علی مزاحیہ انداز میں بولا تو ساری کلاس کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ نہیں یار مجھے یہ جان کر بہت شاک لگا تھا کہ میری آئیڈیل ہستی کی ماں ایسی ہیں۔ اُن کی باتیں سن کر ماں جی بولیں مجھے تمہاری باتیں سُن کر افسوس نہیں ہوا۔ جب میرے سگے بیٹے مجھے چھوڑ چکے ہیں تو تم سب کا کیا کہنا۔ قدرت کے کارخانے میں تو کمی نہیں ہے۔ اُس نے میرے بیٹے مجھ سے جُدا کیے تو اس کے بدلے میں تمہارے سر جیسے بیٹے مجھ جیسی لاوارث ماؤں کو دے دیئے لیکن تم لوگوں کو چاہئے کہ اپنے استاد کی عزت کیا کرو کیونکہ با ادب با نصیب ہوتا ہے اور بے ادب بے نصیب! ویل ڈن، ویل ڈن علی تالی بجاتے ہوئے بولا یار ہم خوامخواہ فکر مند ہو رہے تھے کہ ملک کیلئے آئندہ وزیراعظم کون ہونا چاہئے۔ میرے خیال میں تو یہی سیٹ ہیں کم از کم تقریر تو ڈھنگ کی کر لیتی ہیں۔ اس نے ماں جی کی طرف اشارہ کیا تو سب ایک مرتبہ پھر ہنس دیئے۔ اس کا کام ہی اپنی مسخرانہ باتوں سے دوسروں کو ہنسانا تھا۔ اتنے میں مسٹر تیمور واپس آ گئے اور قہقہوں کی وجہ دریافت کی تو ماریہ نے اُنہیں ساری بات بتا دی۔ صباء دانت کچکچائے ہوئے بُڑبڑائی بی جمالو نہ ہو تو! سر اس کی بات سُن کر تاسف سے بولے۔ ڈیئر سٹوڈنٹس مجھے آپ کی باتیں سُن کر بہت دُکھ ہوا مجھے نہیں معلوم تھا کہ اتنے معصوم ذہنوں میں بھی یہ طبقاتی فرق موجود ہے کہ انسان کے ظاہری حلئے سے اس کی عزت کرتے ہیں۔ کردار کی اچھائی آپ لوگوں کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی؟ ہمارے وقتاً فوقتاً دیئے جانے والے لیکچرز اس لئے نہیں ہوتے کہ سکول میں ڈسپلن قائم ہو بلکہ یہ اخلاقی قدریں تو ہر اچھے شہری کو سیکھنی چاہئیں اور آپ لوگ حیران ہو رہے ہیں کہ یہ میری امی کیسے ہو سکتی ہیں حالانکہ ان کے دونوں بیٹے پڑھے لکھے ہیں اور روزگار کے سلسلے میں ملک سے باہر گئے لیکن دولت کی اس چکا چوند میں وہ اپنی بوڑھی ماں کو بھول چکے ہیں۔ یہ میرے پاس اس لئے آئی ہیں کہ ان کی یتیم نواسی کی شادی ہے اور میں نے اس سلسلے میں ان کی کچھ مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ آپ اپنے کورس میں پڑھ چکے ہیں کہ سب سے بہترین صدقہ وہ ہے جو کسی بیوہ کو دیا جائے ایسی حالت میں کوئی اُس کی کفالت کرنے والا نہ ہو۔ کیا آپ نے یہ حدیث پاک پڑھی ہے؟ "یس سر" سب دھیمی آواز میں بولے" تو مسٹر تیمور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولے کتابوں میں لکھی باتیں صرف رٹنے کیلئے نہیں ہوتیں ان کا فائدہ تب ہی ہوتا ہے جب ان پر عمل بھی کیا جائے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آئندہ آپ ضرورتمند لوگوں کا مذاق نہیں اُڑائیں گے بلکہ ان کی مدد کریں گے۔ وہ ان سب کے شرمندہ چہروں کو دیکھتے ہوئے بولے پرامس؟ پرامس سر سب یک زبان ہو کر بولے۔ اب کی آواز میں ایک خاص قسم کا جوش و ولولہ تھا۔ مسٹر تیمور طمانیت سے مُسکراتے ہوئے علی سے مخاطب ہوئے کیا خیال ہے میں ماں جی سے زیادہ اچھی تقریر کرتا ہوں یا نہیں؟ علی ان کی بات سُن کر خجل سی ہنسی ہنس دیا پھر وہ شریر لہجے میں اُسامہ سے مخاطب ہوئے آپ کا کیا ارادہ ہے۔ مسٹر اُسامہ؟ تو وہ مصنوعی بے چارگی سے بولا سر میں اس معاملے میں بھی آپ کی کاپی کے سوا کیا کر سکتا ہوں؟ اس کی بات سُن کر ساری کلاس ایک مرتبہ پھر ہنس دی لیکن اب کی بار ان کی ہنسی میں استہزاء کی بجائے معصومیت اور شوخی کا عنصر تھا۔

NO PROBLEM



السلام علیکم پیارے لوگو☆ لینا بہت اچھی بات ہے تو دینا اس سے بھی اچھی بات ہے۔ جس سے آپ پیار کرتے ہو، محبت کرتے ہو، اس کے تھوڑے سے دینے کو بھی بہت زیادہ سمجھو اور اسے خود بے پناہ دے کر بھی کچھ کم ہی شمار کرو۔ یہی آپ کی محبت کی پہچان ہے اور کسی کا خلوص جاننے کے لئے اپنے دل سے گواہی مانگیے کہ آپ خود اس کے لئے کتنے مخلص اور سچے ہو۔ دل بھی بھلا جھوٹ بولتا ہے کیا؟ ارے نہیں بھئی...... اس میں تو ہمارے اپنے پیارے خوبصورت اللہ میاں جان رہتے ہیں ناں!!!
صوفیہ آپی

کام ہمارے دوست:۔ The Winners of the month gardening

☆......سعدیہ یونس۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ
میں نے فالسے کے کچھ بیج اگائے، ان سے ننھے پودے بنے، کونپلیں کھلیں۔ میں ان کو پانی دیتی رہی وہ خوبصورت پودے بڑے ہو گئے۔ میں اپنے گھر میں آم، چیکو اور جامن کے درختوں سے باتیں کرتی ہوں۔ ان کے ساتھ مصروف رہتی ہوں کہ پریشان ہونے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ آپ بھی اپنے اپنے گھروں میں پودے لگائیں، گملوں میں خوبصورت رنگوں والے گھڑوں میں، زمین پہ اور پریشانی سے نجات پائیں۔ ٹیگور نے کہا تھا جب اس نے درخت لگایا کہ دنیا کو یاد رہے کہ ایک شاعر نے اس دھرتی سے پیار کیا تھا! پھر آپ اور ہم اس دھرتی کو پیار کیوں نہیں کر سکتے؟ (شاباش سعدیہ، آپ کا خوبصورت خط زندگی سے بھرا تھا، آیئے اور اپنا انعام لے جایئے)

خوبصورت پودے ہی خوشیوں کے پودے ہوتے ہیں پیارے لوگو!

☆......توقیر فاطمہ۔ کوٹ ادو...... قدرت اللہ شہاب نے سوچوں سے نجات پانے کا طریقہ بتایا ہے کہ ''آپ سانس اندر کی طرف لیں تو ''ھو'' اور باہر کی طرف نکالیں تو ''اللہ'' پڑھیں۔ بوریت بھگانے کے لئے امی ابو یا دادا، دادی کے پاس بیٹھ کر ان کی بچپن کی باتیں سنیں۔
(واہ بھئی! بوریت بھی ختم اور ان سے دوستی بھی پکی!) آپ بھی انعام کے مستحق ٹھہرے۔

☆......قلمی دوستی۔ محمد بلال، موہل، گلی رحمت علی محلہ بابا قاسم، کلاسوالہ ٹاؤن تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ۔ قلمی دوستی کا سلسلہ شروع کریں۔
(آپ کا ایڈریس پڑھنا بھی ایک مشغلہ ہے۔ ہمیں تفصیل سے لکھ بھیجئے کہ اس میں کیا جدت اور انفرادیت پیدا کی جائے)

☆......سیدہ سدرہ شاہ۔ ٹانک سرحد...... دوسروں کے مسائل حل کرنے کی کوشش کیا کریں۔ آپ کا وجود کسی کیلئے پریشانی یا دکھ کا باعث نہ ہو، کھیلنے کے لئے وقت نکالیں، بچوں کے ساتھ کھیلیں اور قرآن شریف بھی پڑھا کریں۔ (آپ کا خط بہت پیارا ہے، انعامی ہوا)

☆......سمیع چودھری، ملتان...... آپ جس کے متعلق سوچ رہے ہوں اس کی تراش خراش کرکے صفحے پہ تصویر بنایئے اور رنگ بھر دیں۔
آپ کو میرا خط اچھا لگے تو چھاپ دیں، کٹوتی یا کمیشن نکالیں تو بھی اعتراض نہیں ہے۔ نہ چھاپیں تو میرے دل کے چاروں کونے آپ کو دعائیں دیں گے۔ اچھی لگوں تو ''اچھی سمیع'' لکھ دیجئے۔ شرکت پہ راضی ہوں تو ''شکریہ'' بھی لکھ دیجئے میرا دو کلو خون بڑھ جائے گا۔ آپ کا کالم اچھا ہے ان لوگوں کیلئے جنہیں پہلو ہیں۔ اللہ آپ کے قلم میں خیر اور خوشی، آپ کے دل جتنا بڑھاتا رہے اور سوچوں کو شکر سے تر کرتا رہے، ہمیشہ کی دعاگو! آمین۔ یہ شکر ہے یا شکر؟
(کیا آپ اپنے اندر ایک بے نیاز پہلو اجاگر کر سکتے ہیں دوستو؟ مثال حاضر ہے!) (ایڈریس نہیں لکھا ورنہ شاید......)

اپنے مسئلے اپنے حل!

o...... میرے اندر آگ لگی ہوئی ہے۔ کوئی تحریر پھول میں نہیں چھپتی۔ فریحہ اسلم، بہاولنگر

☆......آپ کے گردونواح میں کوئی ٹیوب ویل نہیں کیا؟

Try Try Again

o......آپی میں کھویا رہتا ہوں۔ اس کا خیال ذہن سے نہیں جاتا:۔ صہیب حفیظ سمن آباد

☆......ماشاءاللہ جی، کیا کہنے ہیں۔ آپ پڑھائی میں Consentration سے پہلے اپنے معمولات پہ دھیان دیں اور اچھے اور عمدہ مشاغل اپنائیں وہ جن میں آپ کو دلچسپی ہو، دلچسپ اور مفید مشغلہ اپنائیں۔ آپ کی سوچیں اس طرف کو جائیں گی تو باقی کام توجہ سے ہوں گے۔ خصوصاً پڑھائی!

o...... یا مجھے پڑھوا لیں یا گھر کے کام کروا لیں۔ بھائی جلاد بنے ہوئے ہیں۔ عبیرہ لطیف گئی۔ فیصل آباد

☆......پیاری عبیرہ۔ بہنا کی شادی ہے تو کام آپ کو کرنا پڑیں گے؟ ہوں تو یہ بات ہے۔ بھئی جب کام والیاں کام کر جاتی ہیں تو صرف کھانا رہ جاتا ہے تو اس میں کون سی برائی ہے۔ بہادر لڑکیاں تو پڑھنے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے بڑے کام کرتی ہیں۔ شاباش کوشش کرو۔ یہ بالکل مشکل کام نہیں اور اگر بھائی مذاق اڑاتے ہیں یا دوسروں کو تمہارے پکے ہوئے نقشے دکھاتے ہیں تو کیا ہوا؟ تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں تنگ کرنے والے چھیڑنے والے لوگ موجود ہیں اور تمہارے جیسے اچھے لوگ گالیاں دیتے بالکل اچھے نہیں لگتے۔ اپنے اندر تحمل پیدا کرو۔ یہ تو پیاری سی بہادر سی گڑیا ہے نا بھئی!

میرا دوست عابد مجھ سے ناراض ہو گیا ہے۔ عمران ممتاز خونی برج ملتان۔

☆...... بھئی اپنے دل سے پوچھو کہ کیا بات ہے، اس سے گواہی مانگو۔ دوست کو مناؤ، نہیں مانتا تو خاموش ہو جاؤ اور اچھے وقت کا انتظار کرو۔

پھول کہانی گھر

کہ 2 پر کہانی گھر

رپورٹ واہتمام: احسان محمود بٹ کمپیئرنگ: عبدالحق نوشیہ

پھول کہانی گھر نارووال پروگرام شہر کی سب سے زیادہ اور مشہور اونچی گلی جو کہ ٹوکے نام سے مشہور ہے پر منعقد ہوا۔ اونچی گلی کو خوبصورت رنگ برنگی جھنڈیوں سے سجایا گیا اور ایک بہت پیارا خوبصورت سائبان بھی بنایا گیا۔ مہمان بچے وقت کے مطابق پہنچ گئے اور مہمان خصوصی کے تشریف لاتے ہی کہانی گھر کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا جس کی سعادت حافظ محمد طیب صاحب نے حاصل کی اور نعت رسول مقبول عبدالرحمن رضوی نے پڑھی۔ پھول کہانی گھر کے صدر احسان محمود بٹ نے پھول کہانی گھر کے اغراض و مقاصد بتائے۔ آغاز محمد لطیف کی کہانی "چور پکڑا گیا" سے ہوا۔ عبدالکریم نے کہانی "محنت کا پھل" سنائی۔ حق نواز نے "سانپ آ گیا" سنائی کہ بچے سانپ کا نام سنتے ہی رفو چکر ہونے لگے جب پتہ چلا کہانی ہے تو پھر آرام سے بیٹھے۔ اس کے بعد فاروق باجوہ نے کہانی "کوے کی شامت" سنائی۔ رابعہ نے "فانوس کا گھر" کہانی سنائی۔ عرفان اصغر اور عثمان اصغر نے مل کر ملی نغمہ "اس پرچم کے سائے تلے" گایا اور حاضرین سے خوب داد وصول کی۔ عمران خالد، مجیر شاہد تنویر، زاہد حسین، علی رضا، عظیم منور شاہد، سلیم اشفاق، محمد قاسم اور سعید نے لطائف سنائے۔ شائلہ نادیہ جواد اور طیبہ نے کشمیر کے موضوع پر خوبصورت خاکہ پیش کیا۔ کہانی گھر کی مہمان خصوصی دادی اماں نے کہانی "سچی کہانی اور سبق آموز کہانیاں" سنائیں۔ مہمان خصوصی پھول کہانی گھر صدر چوہدری محمد بشیر ریٹائرڈ انسپکٹر ہائی وے اسپارٹمنٹ نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پھول کے ایسے تعمیری پروگرام بچوں کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور ان میں شعور پیدا کرنے کے لئے ہیں۔

لالک جان شہید پارک میں پروگرام

رپورٹ: سراج جتوئی اہتمام: آصف رضا بلوچ، آصف اقبال صدیقی

پھول کہانی گھر یونٹ نمبر 4 ملتان نے یوم دفاع پاکستان کے حوالے سے "ہم زندہ قوم ہیں" کے زیر عنوان لالک جان شہید پارک ملتان کینٹ میں کہانی گھر کا اہتمام کیا۔ جس کے مہمان خاص ہاشم خان اور پھول کلب پنجاب کے صدر خواجہ مظہر نواز صدیقی تھے۔ کمپیئرنگ کے فرائض بالترتیب زبیر ارشد، عدیلہ خان اور رضوان اختر مدنی نے سرانجام دیئے۔ تلاوت کلام پاک حافظ نعیم احمد نے کی۔ نعتیہ اشعار خواجہ مظہر نواز، فیصل نعیم، آصف رضا بلوچ، محبوب اختر، محمود اختر اور معظم علی نے اپنی اپنی تخلیقات پیش کیں۔ جبکہ عدیلہ خان، رضوان اختر مدنی، زبیر ارشد، سراج جتوئی، سلمان صدیقی، ہاشم خان اور خواجہ مظہر نواز صدیقی نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ پھول بچوں میں پھول گفٹ تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ حاضرین کہانی گھر کی گرما گرم خستہ پکوڑوں سے تواضع کی گئی۔

لاہور ہائیکورٹ میں کہانی گھر

پھول کلب بانگا منڈی کے زیر اہتمام لاہور ہائیکورٹ لاہور کے مطالعاتی دورے کے بعد وکلاء کے درمیان کہانی گھر کا پروگرام کیا گیا۔ پروگرام کہانی ہال میں منعقد ہوا۔ جس میں پھول کلب پاکستان کے نائب صدر طاہر ترکمن، معروف کالم نگار تنویر حسین، پھول کلب بلوچستان سے حارث رحمن نے خصوصی شرکت کی اور پھول کہانی گھر لاہور کے صدر عبدالصمد مظفر، پھول کلب بانگا منڈی کے صدر شیخ محمد لطیف شاہد نے صدارت کی۔ تعارف کے بعد

محمد عامر، طارق عزیز، امیر الحسن قدوائی، نکیال (آزاد کشمیر)، اعجاز سرویا، غلام مصطفیٰ، فیصل شہزاد، عامر نے اپنی حیات کی روشن کہانیاں سنائیں۔ تنویر حسین صاحب نے اپنے زمانہ طالب علمی کا دلچسپ واقعہ سنایا۔ طاہر ترکمن نے ایک دلچسپ واقعہ سنایا۔ پھول کلب بانگا منڈی کے صدر شیخ محمد لطیف شاہد نے مزاحیہ واقعہ سنایا۔ وکلاء میں سے ایک وکیل اشتیاق احمد ایڈووکیٹ آئے اور اجازت لے کر خود اپنی کہانی سنائی اور پیغام دیا کہ میں ان سب بچوں کے اعتماد اور باتوں سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ ان تمام باتوں میں لکھواتے وقت جو کہ صرف اخبار نہیں بلکہ ایک ادارہ ہے بہت گہرا اثر ہے جس نے ایسے بچے تیار کئے ہیں۔ کہانی گھر بانگا منڈی کے متوقع صدر حافظ شیخ محمد نبیل نے بھی اپنا حصہ ڈالا اور خوب ڈالا۔

دھریالہ جالپ میں پھول کہانی گھر کا سالانہ پروگرام

اہتمام: یاسر مسعود جسم، مدثر محمود رپورٹ: محمد فاروق اعظم صدیقی

پروگرام کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن مجید سے ہوا۔ تلاوت عدیل احمد ناصر نے کی۔ حمد باری تعالیٰ ارسلان عنایت نے پڑھی۔ جس کے بعد ایک مقابلہ نعت خوانی ہوا۔ سب سے پہلے محمد حسنات سکندر نے نعت پڑھی۔ بعد میں نعیم افضل، کامران نذیر، احمد وقاص اور یاسر مسعود جسم نے باری باری نعتیں پڑھیں۔ مطالعہ حدیث عدیل احمد ناصر نے کیا۔ پھول کہانی گھر دھریالہ جالپ کے قیام کا مقصد بتایا اور پھول کا ماٹو تعلیم تفریح اور تربیت پر کچھ باتیں بتائیں۔ مہمان خصوصی امیر حمزہ عمر نے بچوں کو قرآن کا درس دیا اور اچھی اچھی باتیں سنائیں۔ جس کے بعد لطیفوں کا سیلاب آ گیا۔ پہلے مبشر حسن نے لطیفہ سنایا جس سے سامعین تھوڑا فریش ہوئے۔ بعد میں توقیر امجد، ارسلان یوبی، وقار احمد اور کامران نذیر نے لطیفے سنا کر حاضرین کے پیٹ میں بل ڈال دیئے۔ آخر میں میں نے تمام شرکاء کو کہانی "اچھائی اور برائی" سنا کر پروگرام کا اختتام کیا۔

گوجرانوالہ کی کہانی گھر میں پھول سے کہانیاں

اہتمام: رپورٹ حافظ تمیرا چاندنی اپنی نوعیت کا منفرد کہانی گھر تھا جس میں تمام کہانیاں پھول کے مختلف شماروں سے تھیں کہانی گھر میں بچوں اور بڑوں نے شرکت کی۔ تلاوت کلام پاک کی سعادت شانہ نے حاصل کی نعت رسول مقبول کی سعادت اقراء نے حاصل کی۔ مہمان خصوصی ہماری اور سب بچوں کی دادی امی تھیں۔ دادی امی نے اپنی زندگی کے مختلف واقعات سنائے جن کو سن کر ہم سب بہت متاثر ہوئے۔ آغاز پہلے افشاں نے اپنی کہانی "وفا اور وفاداری" سنائی۔ سدرہ "وہ عید جوڑوں پر ترتی ہے" سنائی بعد میں بریرہ نے اپنی کہانی "میں ہزار کا تکیہ" سنائی۔ اقصیٰ کی کہانی کا موضوع "آخری شرارت" تھا عائشہ نے کہانی سنائی جس کا موضوع "شہرت بری بلا ہے" تھا اس کے بعد کومل نے اپنی کہانی "حق حلال" سنائی اب باری تھی اقراء کی اس نے اپنی کہانی "تبدیلی" سنائی۔ عمر نے "پہلی باری" سنائی بچوں اور بڑوں کو کہانیاں سنانے کے بعد مشروبات دیئے گئے۔ افشاں کو کہانی "وفا اور وفاداری" پر پہلا انعام دیا گیا دوسرا انعام سدرہ کو کہانی "وہ عید جوڑوں پر اترتی ہے" پر ملا اور تیسرا انعام بریرہ کو کہانی "میں ہزار کا تکیہ" پر ملا۔

پھول کہانی گھر کستوال میں اصلی پھول

رپورٹ واہتمام: سعدیہ نازلی رانا، عروبہ اقبال کستوال میں یہ پہلا پھول کہانی گھر تھا۔ جیسے ہی ہمیں اجازت نامہ موصول ہوا ہم نے بڑے جوش و خروش سے دعوت نامے لکھ کر گھر گھر پہنچائے۔ مقررہ وقت پر سب بچے اور بڑے ہاتھوں میں اصلی پھول لئے ہمارے ڈرائنگ روم میں جمع ہو گئے۔ کہانی گھر کا آغاز حسب روایت اللہ جی کے نام سے ہوا بعد میں حضور کو نذرانہ عقیدت پیش کیا گیا۔ چونکہ کسی کو پھول اور کہانی گھر کے بارے میں پتہ نہیں تھا اس لئے پہلے پروگرام میں پھول کا تعارف کروایا گیا۔ کہانی گھر کے

مقاصد بتائے۔ سب نے بہت دلچسپی سے سنا میرا نے پھول سے کہانی فاتح مفتوح پڑھ کر سنائی۔ صدف اقبال نے پھول میں اچھی اچھی باتیں سنائیں۔ عمر اور آمنہ نے صرف شرارتیں کیں ہم نے بچوں کو اپنی لکھی ہوئی کہانی "دوستی" سنا کر خوب داد وصول کی اور اس وعدے کے ساتھ آئندہ سب لوگ پھول پڑھا کریں گے اور کہانی گھر میں کہانیاں سنایا کریں گے۔

نارنگ منڈی کا مسکراہٹوں بھرا "پھول کہانی گھر"

رپورٹ: صائمہ کنول کمپیئرنگ: سلیم زیدی اہتمام: صدر شاہد سیٹھی، ندیم بابر، سوہنگل شاہد، آصف سجاد، پرویز عزیز خصوصی تعاون: عزیز لیبارٹری نارنگ منڈی

آغاز تلاوت قرآن مجید سے ہوا جس کی سعادت پرویز شہباز نے حاصل کی اور نعت رسول مقبول نسرین سلیم نے پیش کی۔ سب سے پہلے بچوں نے اصرار پر مہمان دادی اماں سے کہانی بھان متی کی سنی جو سب کو اچھی لگی۔ کمپیئرنگ کے فرائض زیدی سلیم نے ادا کئے بیر اصدیق نے ہم مائیں بہنیں ہم بیٹیاں نظم پیش کر کے سب کو حیران کر دیا۔ عاصمہ نے دوستی کہانی سنائی۔ ویسے آپس کی بات ہے بہت اچھی اور سبق آموز تھی۔ مسکان صدیق نے چٹ پٹے دو لطیفے سنائے جو سب کو اچھے لگے۔ سوہنگل شاہد اور آصف سجاد نے مل کر میں بھی پاکستان ہوں نغمہ سنایا۔ کاشف ندیم نے نظم بیکو پیش کی۔ شاہ صادق نے بڑے خوبصورت انداز میں کہانی شیخ چلی سنائی۔

الاؤ کے گرد کہانی گھر

ہری پور (پھول رپورٹر) ہری پور سے 70 کلومیٹر دور علاقہ کھجر میں پھول کہانی گھر رات کو گیارہ بجے آگ کے الاؤ کے گرد منعقد ہوا۔ ہنگامی بنیادوں پر ہونے والے اس پھول کہانی گھر میں صوبائی صدر محمد ریاست مہمان خصوصی تھے۔ صدارت کے فرائض مقامی چیئرمین یونین کونسل محمد جعفر نے انجام دیئے۔ پھول کلب کھجر کے نئے صدر محمد مشتاق نے ہندکو کہانی "ماما بھانجا" سنائی۔ غلام محمد اعوان نے بھی ہندکو لوک کہانی "گیدڑ کی شامت" سنائی۔

ڈرنک کارنر میں پھول کہانی گھر

رپورٹ: سعید احمد ناصر اہتمام: منیر احمد ناز صدارت: شمیر احمد آصف پھول کہانی گھر گڑھ فتح شاہ کا پروگرام آصف ڈرنک کارنر پر ہوا۔ مہمان خصوصی خلیل احمد تھے۔ تلاوت کی سعادت محمد ندیم چوہدری نے کی نعت رسول مقبول ﷺ کی سعادت اللہ جوایا طاہر نے حاصل کی۔ پھول کہانی گھر گڑھ کے جنرل سیکرٹری اصغر حفیظ نے وطن کے حوالے کہانی سنائی پھول کہانی گھر میں سعید احمد ناصر نے گدھے اور انسان کے عنوان سے مزاحیہ کہانی سنائی۔

پھول کہانی گھر متین آباد کا پروگرام

رپورٹ واہتمام: سید الطاف حسین نیچو کہانی گھر کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا کہانی گھر کے مہمان خصوصی ہمارے انکل تھے۔ سب بچوں نے باری باری کہانیاں سنائیں کچھ بچوں نے لطیفے بھی پیش کئے جن کو سن کر حاضرین ہنستے رہے۔ ہمارے انکل نے 6 ستمبر کی جنگ کے متعلق بچوں کو بتایا کہ کس طرح بھارتی گیدڑوں نے پاکستان پر رات کی تاریکی میں حملہ کیا اور پاکستانی شیر جوانوں نے اپنی جوانمردی سے اس حملہ کا منہ توڑ جواب دیا۔ سب بچوں نے باتوں کو بڑی توجہ اور غور سے سنا اور اس کے بعد بچوں کو مشروب پیش کیا گیا۔ کہانی گھر میں شرکت کرنے والوں میں عبداللطیف ظفر صدر پھول کلب متین آباد، سید الطاف حسین نیچو نائب صدر، شہزاد جمیل، وقار احمد غوری ملک محمد شہزاد اور دیگر پھول ساتھیوں نے بھی شرکت کی۔

صحافتی دنیا میں بچوں کا پہلا نیوز پیپر

پھول اخبار

لاہور

ایڈیٹر اختر عباس



پھول کلب جھنگ کے پروگرام میں مہمان خصوصی اور شریک بچے

بچے ملک کا مستقبل ہیں

عالمی دن پر جنرل مشرف کا خطاب

انہیں خصوصی اہمیت دے رہے ہیں' چائلڈ لیبر کا خاتمہ تعلیم اور صحت کی سہولتوں کی فراہمی حکومتی ترجیحات ہیں' مزدور بچوں کیلئے 10 کروڑ مختص کر دیئے گئے

راولپنڈی (اے پی پی) چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف نے کہا ہے کہ بچے پاکستان کا مستقبل ہیں اور حکومت پالیسیوں کی تشکیل کرتے وقت بچوں کو خصوصی اہمیت دے رہی ہے۔ بچوں کے عالمی دن پر آرمی ہاؤس راولپنڈی میں یتیم اور مستحقین اور خصوصی بچوں کے لئے منعقدہ تقریب سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ چائلڈ لیبر کا مکمل خاتمہ' بچوں کو تعلیم اور صحت کی بہتر سہولتوں کی فراہمی' بچوں کے بارے نظام عدل میں بہتری اور خصوصی بچوں کو سہولتیں بہم پہنچانا ان کی حکومت کی ترجیحات میں شامل ہے۔ تقریب میں مختلف اداروں میں رہنے والے 225 کے قریب بچوں نے شرکت کی۔ اس کا اہتمام وزارت ترقی خواتین سماجی بہبود نے کیا تھا۔ بچوں کے عالمی دن پر پاکستان سمیت دنیا بھر میں تقریبات منعقد ہوئیں چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف نے کہا کہ محنت کش بچوں کی تعلیم اور بحالی کیلئے ابتدائی طور پر 10 کروڑ روپے کی گرانٹ جاری کر دی گئی ہے اور پرائمری تعلیم لازمی قرار دیدی گئی ہے۔

پھول کلب گوجرانوالہ نے پھول کوئز کا اعلان کر دیا

گوجرانوالہ (خصوصی رپورٹ) پھول کلب گوجرانوالہ نے پھول ساتھیوں کیلئے پھول کوئز کا اعلان کیا ہے۔ جس میں مندرجہ ذیل سوالات رکھے گئے ہیں

پھول کا پہلا شمارہ کب شائع ہوا؟

پھول نے جہاد کشمیر نمبر کب شائع کیا؟

پاکستان کی موجودہ وزیر تعلیم کا نام کیا ہے؟

پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کا قول کب کہا؟

پھول کے کل کتنے شمارے شائع ہو چکے ہیں؟

یہ سلسلہ صرف گوجرانوالہ اور گردونواح کے پھول ساتھیوں کے لئے

بقیہ صفحہ 87 پر

پھول کلب گلشن اقبال کراچی کا افتتاح' تین روزہ پروگرام ہوئے

کوئز' تقریریں اور ملی نغموں کے پروگرام ہوئے بیت بازی کا مقابلہ برابر رہا صدر نے شرکا کا شکریہ ادا کیا اور پھول کے مقاصد سے آگاہ کیا

اہتمام و رپورٹ: سیدہ حیا فاطمین تعاون: ٹاپ لائن اینڈ کلب پھول کلب گلشن اقبال کراچی کی افتتاحی تقریب کے موقع پر تین روزہ پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ 21 اکتوبر کے دن کوئز مقابلے کا اہتمام کیا گیا جس کیلئے "موجودہ صدی 1900" کا موضوع دیا گیا۔ مقابلے کی میزبانی سیدہ حیا فاطمین نے کی۔ مقابلے کے شرکاء میں تعمیر' شاہانہ' مہوش' حنا اور صائمہ

بقیہ صفحہ 87 پر

پھول کلب چونگی امرسدھو پھر سرگرم ہو گیا

رپورٹ: شیخ محمد سلیم قادری اہتمام: بزم واصف باصفا اقبال ماڈل سکول' برائٹ فیوچر سکول' کیپٹن سکول سسٹم' مدرسہ المکۃ المدینہ پھول کلب نے نئے سرے سے کام شروع کر دیا ہے اس سلسلے میں مختلف سکولز کے پرنسپلز کے ساتھ ایک اجلاس کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا اور نعت شریف امین شاہد نے واصف علی کی لکھی ہوئی پڑھی۔ برائٹ فیوچر کی مس نے کہا کہ بچوں کی تعلیم و تربیت پر پورا زور دیں تاکہ بچے کسی میدان میں کسی سے پیچھے نہ رہ جائیں۔ کنول صاحب نے اتحاد پر زور دیا اور کہا کہ ہم سب کو اکٹھے ہو کر اپنے بچوں کیلئے کام کرنا چاہئے اور تعلیم پر بھرپور توجہ دینی چاہئے تاکہ ہمارے ملک میں شرح خواندگی بڑھ سکے

بقیہ صفحہ 87 پر



پھول کلب سیالکوٹ کے زیر اہتمام یوم اقبال پر تقریب سے وقار قریشی ایس ایم شاہد اور دوسرے خطاب کر رہے ہیں

پھول کلب جنوبی پنجاب کے زیر اہتمام

اسلامک سوسائٹی کا قیام

وہاڑی (پھول رپورٹ) بچوں کو باجماعت نماز کی ترغیب دلانے کیلئے پھول کلب جنوبی پنجاب کے زیر اہتمام ایک نئے شعبے پھول اسلامک سوسائٹی کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ اس شعبے کے تحت جنوبی پنجاب کے تمام شہروں میں بڑی مساجد میں متعلقہ پھول کلبز کے ممبرز کی ڈیوٹیاں لگائی جائیں گی۔ جو ہر باجماعت نماز کے بعد بچوں (نماز پڑھنے والے) کی حاضری لگائیں گے۔ ہر مہینے کے اختتام پر سب سے زیادہ باجماعت نمازیں پڑھنے والے بچوں میں انعامات تقسیم کئے جائیں گے۔ اس سلسلے میں تمام کلبز کو نوٹیفکیشن جاری کر دیا گیا ہے۔

پھول کلب جنوبی پنجاب

کے صدر کا دورہ

فورٹ عباس اور چشتیاں آباد وہاڑی (پھول رپورٹ) پھول کلب جنوبی پنجاب کے صدر ذیشان اختر شیخ نے گزشتہ دنوں فورٹ عباس اور چشتیاں آباد کا تفصیلی دورہ کیا۔ اپنے دورے کے دوران پھول کلب جنوبی پنجاب کے صدر نے دونوں شہروں کے ممبران سے تفصیلی ملاقات کے دوران تنظیم سازی کے مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا۔ دونوں کلبز کے مسائل سنے۔ ان کے حل اور ان کلبز کی کارکردگی کو مزید بہتر بنانے کیلئے مختلف تجاویز پر غور بھی ہوا۔ انہوں نے چشتیاں آباد پھول کلب کے صدر عبداللطیف ظفر کو ضلع بہاولنگر پھول کلب کا صدر نامزد کیا۔

پھول کلب وہاڑی نے اولمپکس 2000 کروا دیئے

ضلع بھر سے بچوں نے شرکت کی

ریس، بوری دوڑ، رسہ کشی، لانگ جمپ اور بال تھرو کے مقابلے ہوئے پھول نے ہمیشہ بچوں کیلئے تفریح کے بہترین موقع پیدا کئے: ذیشان شیخ

اہتمام: ذیشان شیخ معاونین: خورشید احمد شاہد، شہزاد نسیم رپورٹ: عثمان اختر تصاویر: عمران صدیق پھول کلب وہاڑی نے گزشتہ دنوں کھیلوں کے سالانہ مقابلے پھول اولمپکس 2000 منعقد کئے۔ ایم سی نرسری سکول کے گراؤنڈ میں ہونے والے ان مقابلوں کے مہمان خصوصی شیخ محمد جاوید، شیخ علی رؤف، سلیم رفیق اور گل محمد آئیڈیل پبلک سکول کے پرنسپل ملک ظہور احمد تھے۔ پھول اولمپکس 2000 میں دوڑ، بوری دوڑ، رسہ کشی، لانگ جمپ اور بال تھرو کے مقابلے ہوئے۔ مقابلہ جات میں ضلع بھر کے بچوں کی کثیر تعداد نے حصہ لیا۔ مقابلوں کے درمیان بہت دلچسپ مراحل دیکھنے میں آئے خاص طور پر بوری دوڑ اور رسہ کشی کے مقابلے بہت دلچسپ رہے۔ فائنل رزلٹس کے مطابق مقابلہ دوڑ میں جناح پبلک سکول کے محمد توصیف نے اول، گل محمد آئیڈیل پبلک سکول

بقیہ صفحہ 87 پر

پھول کے قاری کا اعزاز

ماہنامہ پھول کے قاری اور پھول کلب ملتان کے نائب صدر ملک شاہد یوسف جامعہ رضویہ سردار المدارس شاہ رکن عالم ملتان سے فاضل عربی کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کر کے جامعہ بھر میں اول رہے۔ اور سالانہ تقریب تقسیم انعامات میں ورلڈ اسلامک مشن کے سربراہ الشاہ احمد نورانی صدیقی سے بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن ملتان کی جانب سے عطا کردہ سند اور انعامات حاصل کئے۔

جلال پور میں پھول کوکنگ کمپیٹیشن

رپورٹ = آمنہ الہٰی اہتمام = عشاملک پھول کلب جلال پور پیر والا کے زیر اہتمام پھول کوکنگ مقابلہ ہوا جس میں پاسبان ملت سکول اور برائٹ فیوچر کی بچیوں نے شرکت کی۔ جج کے فرائض مس تہمینہ ارشاد مس کوثر نے انجام دیئے جبکہ مہمانوں میں مسز ارشاد گیلانی اور جاوید اقبال تبسم صدر پھول تھے۔ میڈم ارشاد گیلانی نے کھانا پکانے اور گھر داری پر خاصا اچھا لیکچر دیا حنا اکبر آلو کی بھاجی اول جویریہ احمد یسین کے کلس دوم زہرا چوہدری بیکری کی سلاد سوم رہیں۔ نادیہ اور عائشہ کو حوصلہ افزائی کے انعامات دیئے گئے۔

پھول کلب کے زیر اہتمام ملتان آرٹس کونسل کا دورہ

رپورٹ = ملک شاہد یوسف گزشتہ دنوں پھول کلب ملتان کے زیر اہتمام پھول ممبران طلباء و طالبات نے حال ہی میں تعمیر ہونے والی ملتان آرٹس کونسل کی بلڈنگ کا معلوماتی اور تفریحی دورہ کیا۔ محمد علی واسطی (ڈائریکٹر آرٹس کونسل) محمد یونس اور اکبر بھٹی اور دیگر اہلکاروں نے بچوں کو خوش آمدید کہا۔ آرٹس کونسل کی بلڈنگ کے مختلف شعبہ جات بلڈنگ چھ سو زائد نشستوں پر مشتمل ہال سیٹ کے پردے تبدیل کرنے کے نظام کولنگ ٹاور اور اے سی کنٹرول میوزک روم لائٹ ساؤنڈ کنٹرولر لائٹ کنٹرول کرنے اور چینج کرنے کے آلات کا معائنہ کیا۔ آرٹس کونسل کے اہلکاروں نے مختلف مراحل میں دورے کے شرکاء کے سوالات کے تسلی بخش جواب دے کر ان کی معلومات میں اضافہ کیا۔ اس معلوماتی اور تفریحی دورے میں پھول کلب ملتان کے عہدیداران و ممبران نعیم اقبال

بقیہ صفحہ 87 پر



پھول کلب ڈی جی خان کے مقابلہ بیت بازی کے شرکاء مہمان خصوصی کے ساتھ

پھول کلب نارنگ منڈی کا ہنستا مسکراتا پھول شو 2000

پروگرام میں ایڈیٹر بھیا بھی شریک ہوئے پھول کلب بچوں کی صلاحیتیں نکھار رہا ہے: ملک ساجد

انتظامیہ: شاہد سلیم۔ محمد سجاد اسلم گل، حافظ محمد وحید مغل، کلیم اللہ نعمان۔ خصوصی تعاون: النوید فرنیچر ہاؤس، عزیز لیبارٹری۔ بسم اللہ بیکری، ندیم لائٹ ڈیکوریشن۔ خالد میوزک سنٹر اینڈ یوسف ریڈیو سنٹر نارنگ منڈی کمپیئر: میاں اعجاز احمد ناز رپورٹ: عاصمہ افضل مغل، حافظ محمد وحید مغل، محمد سجاد اسلم گل پھول کلب نارنگ نے پیارے پیارے پھولوں جیسے بچوں کے لئے ایک ایک ہنستا مسکراتا دلچسپ اور معلوماتی پروگرام پھول شو 2000، گورنمنٹ بوائز ہائی سکول میں منعقد کروایا۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن مجید سے کیا گیا جس کی سعادت قاسم سلیم نے حاصل کی۔ ہدیہ عقیدت حضور سرور کائنات محمد حسین نے اپنی پرسوز آواز میں

بقیہ صفحہ 87 پر

پھول کلب وہاڑی کی ایک روزہ ٹیچرز ٹریننگ ورکشاپ

اہتمام: ذیشان شیخ معاونین: راشد نعمان نواز۔ سعید احمد تبسم رپورٹ: عثمان اختر ساتھیو! حضور پاک دنیا کے سب سے پیارے انسان حضرت محمدؐ کا فرمان ہے کہ معلم روحانی باپ ہوتا ہے بچے کی ذہنی نشوونما سے لیکر کردار سازی تک میں استاد اہم کردار ادا کرتا ہے۔ پھول کلب وہاڑی نے استاد کی اسی اہمیت کے پیش نظر اساتذہ کرام کے لئے ایک روزہ ٹیچرز ٹریننگ ورکشاپ کا اہتمام کیا۔ پروگرام کی صدارت پھول ایجوکیشن پراگریس بورڈ جنوبی پنجاب کے چیئرمین میاں محمد خشاء بلیمی نے کی جبکہ مہمان خصوصی پھول کلب جنوبی پنجاب کے صدر ذیشان اختر شیخ تھے۔ گورنمنٹ کالج وہاڑی شعبہ اسلامیات کے صدر پروفیسر محمد علی لارنس کالج

بقیہ صفحہ 87 پر



پھول کلب ملتان کے زیراہتمام پھول ٹیبلوز 2000 میں مقررین خطاب کر رہے ہیں

سیالکوٹ پھول بھی جاگ اٹھا
یوم اقبال پر تقریب

بچوں نے اقبال کے کلام اور فلسفہ خودی پر تقاریر اور ٹیبلو پیش کیے مقررین نے خراج عقیدت پیش کیا

رپورٹ و اہتمام = وقار قریشی معاونین = عرفان احمد خان محمد عامر خواجہ غلام مرتضیٰ پاشا تصاویر = طارق تحسین چوہان کمپیوٹرنگ = نادیہ نذر قریشی تعاون = اسلامک گرلز وطن پبلک سکول سیالکوٹ آخر کار سیالکوٹ پھول کلب والے جاگ اٹھے اور دو سال کے بعد دوبارہ اپنے ہونے کا احساس دلانے کی کوشش میں سیالکوٹ پھول کلب نے اسلامک وطن پبلک سکول نیامیانہ پورہ مشرقی کے تعاون سے یوم اقبال کے حوالے سے ایک تقریب منعقد کی جس کی صدارت پرنسپل سکول محمد شاہد نے کی جبکہ مہمان خصوصی صدر پھول کلب سیالکوٹ وقار قریشی تھے۔ تقریب کا آغاز نہم کلاس کی طالبہ تنزیلہ رمضان کی تلاوت اور نہم کلاس کی طالبہ سائرہ

بقیہ صفحہ 87 پر

پھول ایجوکیشن پراگریس بورڈ جنوبی پنجاب کے زیراہتمام جماعت پنجم کا مقابلہ امتحان 4 فروری 2001ء کو ہوگا

وہاڑی (پھول رپورٹر) ایجوکیشن پراگریس بورڈ جنوبی پنجاب کے زیراہتمام جماعت پنجم کے بچوں کا دوسرا مقابلہ امتحان 4 فروری 2001ء کو ہوگا۔ مقابلہ امتحان گورنمنٹ آف پنجاب کے وضع کردہ اردو نصاب کے مطابق ہوگا۔ فرسٹ' سیکنڈ اور تھرڈ پوزیشن ہولڈرز بچوں کو بیش قیمت انعامات پہلی 20 پوزیشنیں حاصل کرنے والے بچوں میں بیش قیمت وظائف تقسیم کیے جائیں گے۔ اس کے بعد وہ خصوصی پوزیشنز حاصل کرنے والے بچوں کو دیگر انعامات' اسناد اور خوبصورت رزلٹ کارڈز دیے جائیں گے داخلہ بھجوانے کی آخری تاریخ 20 جنوری ہے۔ مزید تفصیلات اور پراسپیکٹس کیلئے رابطہ کریں۔ (ذیشان اختر شیخ صدر پھول کلب جنوبی پنجاب پی او بکس نمبر 15 وہاڑی 0693-63335)

پھول کلب ملتان کا ٹیلنٹ ایوارڈ اور مقابلہ ٹیبلوز 2000

سینکڑوں بچے اساتذہ اور پھول کلب کے ارکان شریک ہوئے نوائے وقت نئی نسل کو محب وطن بنا رہا ہے۔ ریاض پرویز

رپورٹ: رضوان مدنی اہتمام: نعیم اقبال نعیم تعاون: ریکس تھیٹرز ملتان ریکس تھیٹرز ملتان کے تعاون سے پھول کلب ملتان نے ایک رنگا رنگ دلچسپ اور پروقار تقریب کا اہتمام کیا جس کا نام ٹیلنٹ ایوارڈ اور مقابلہ ٹیبلوز 2000ء رکھا گیا۔ تقریب کی خاص اور منفرد بات ریکس تھیٹرز کا خوبصورت ہال مقررہ وقت (نو بجے) سے پہلے ہی بھر چکا تھا۔ جس میں 400 سے زائد سکولوں کے 400 بچے سماجی تنظیموں کے نمائندے اساتذہ کرام اور پھول کلب ملتان کے ممبران سب کے سب دیدہ زیب ملبوسات زیب تن کیے ہوئے تھے۔ تقریب کی صدارت نوائے وقت ملتان کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر شیخ ریاض پرویز نے کی جبکہ مہمانان خصوصی

بقیہ صفحہ 87 پر

رنگا رنگ افتتاحی تقریب
64 واں پھول کلب مظفر گڑھ میں بن گیا

پہلے پروگرام میں ہی بااعتماد قرار دیا مختلف سکولوں کے بچوں نے پروگرام میں حصہ لیا

اہتمام = واجد وزیر ملک رپورٹ محمد ارشاد معاونین = محمد عمران سلیم پرنسپل منہاج ماڈل سکول مظفر گڑھ مغیث الدین لودھی' مدثر ملک' راشد وزیر۔ خصوصی تعاون = محمد ایوب شاہ جنرل منیجر محمود ٹیکسٹائل ملز مظفر گڑھ میاں نوید سرور قریشی لیبر آفیسر فیکٹریز غلام عباس سومرو لیبر آفیسر فیکٹریز پرنس نعیم کاشف قریشی پروآفیسر تحصیل جیوٹ ملز مظفر گڑھ۔ مظفر گڑھ میں پاکستان کے پھول کلب کی افتتاحی تقریب کے موقع پر پھول کلب مظفر گڑھ کے زیراہتمام "شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال" کے 123ویں یوم ولادت کے موقع پر منہاج ماڈل سکول میں ایک شاندار تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ اس تقریب کی صدارت معروف شاعر اور صحافی پرنس نعیم کاشف قریشی نے کی جبکہ مظفر گڑھ کیمبرز کالج کے پرنسپل محمد علی مہمان خصوصی تھے۔ تقریب میں "اقبال کا پیغام بچوں کے نام" کے عنوان سے بچوں کے درمیان ایک تقریری مقابلے کا انعقاد بھی کیا گیا۔ تقریب میں مختلف سکولوں کے طلباء و طالبات نے بھرپور شرکت کی۔ تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا جس کی سعادت محمد وارث نے حاصل کی۔ نعت رسول مقبول سدرہ صدیقی نے پیش کی قصیدہ بردہ شریف منہاج ماڈل سکول کے ننھے منے بچوں نے اپنے مخصوص خوبصورت انداز میں پیش کیا۔ اس کے بعد ٹیبلو اور نظم شو وطن فاؤنڈیشن پبلک سکول اور جونیئر کیمبرج لاریب پبلک سکول کی بچیوں نے پیش کر کے حاضرین سے داد

بقیہ صفحہ 87 پر

گوجرانوالہ میں پھول سٹڈی وہیل کی منفرد نشست

اہتمام و کمپیوٹرنگ = نائلہ فیاض رپورٹ = حافظہ روبینہ مقدس + سدرہ ایوب تعاون = A.G.S انڈسٹری (سٹیل کاسٹنگ) حافظ آباد روڈ گوجرانوالہ پھول سٹڈی وہیل گرلز ونگ نے مختلف سکولوں میں اپنے نمائندے منتخب کرنے کے لئے ایک منفرد نشست کا اہتمام کیا پروگرام کا باقاعدہ آغاز حسب معمول اللہ رب العزت کے بابرکت نام سے ہوا۔

بقیہ صفحہ 87 پر

نیو جناح اکیڈمی بوچھال کلاں میں پھول شو

رپورٹ = سونیا عروج پھول گرلز کلب بوچھال کلاں بوچھال کلاں جب سے دوبارہ ایکٹو ہوا ہے یہ ہر ماہ ایک پروگرام کسی نہ کسی اسکول میں کروا رہا ہے۔ نیو جناح اکیڈمی بوچھال کلاں میں پھول شو کروایا گیا۔ مہمان خصوصی پھول کلب پاکستان کے جنرل سیکرٹری اور رورل ہیلتھ سنٹر بوچھال کلاں کے سینئر میڈیکل آفیسر ڈاکٹر اکرام الحق اعوان تھے۔ پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ یہ سعادت عطیہ سکندر کے حصے میں آئی جبکہ نعت فہد سعید نے پیش کی۔ پرنسپل نیو جناح اکیڈمی امجد ملک نے "پھول" اور پھول کلب کی سرگرمیوں کو سراہا اور "پھول" کو اچھی سبق آموز کہانیوں پر خراج تحسین پیش کیا۔ مختلف ٹیبلوز ملی نغمے اور خاکے پیش کیے گئے۔



پھول کلب وہاڑی کے اولمپک 2000 کی جھلکیاں

بقیہ: کراچی کلب

شامل ہیں تمام حصہ لینے والوں نے خوب تیاری کی ہوئی تھی۔ تحت مقابلے کے بعد یہ مقابلہ تصویر نے جیت لیا اور ان کو اس صدی کی بہترین معلومات رکھنے کا اعزاز ملا۔ 22 اکتوبر کے روز تقریری مقابلہ منعقد کیا گیا۔ جس کا موضوع تھا "نئی صدی میں پاکستان کو کیسا ہونا چاہیے اور اس کیلئے ہماری کوششیں" مقابلے کے امیدواران میں شائستہ نسیم موسیٰ فرح القاضی توقیہ اور نور شائل تھیں ہر امیدوار کو تین منٹ کا وقت دیا گیا۔ تقریری مقابلے کی فاتح نور قرار پائیں۔ خصوصی انعام توقیہ کو دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ بیت بازی کا مقابلہ بھی ہوا جو برابر رہا۔ 23 اکتوبر کے دن ملی نغموں کا مقابلہ ہوا جس میں 12 بچوں نے شرکت کی۔ انعام کی حقدار موسہ قرار پائیں۔ میوزیکل چیئرز اور غبارے پھلانے کا مقابلہ بھی رکھا گیا۔ میوزیکل چیئرز کا مقابلہ فریال نے اور سب سے زیادہ غبارے پھلانے کا انعام مہرین نے حاصل کیا۔ شرکا کی توقع سے زیادہ بچوں نے اس میں شرکت کی "پرگران" والوں نے تعاون کیا۔ پروگرام کے آخر میں سیدہ حیا قلیتی نے شرکا کا شکریہ ادا کیا اور پھول کلب کی اہمیت کو واضح کیا اور شرکا کو اس کے مقاصد سے آگاہ کیا۔ گلشن اقبال میں پھول کے قارئین جو مزید تفصیلات جاننا چاہیں اس پتے پر رابطہ کریں۔ فلیٹ A-6 نیا کیمپس نزد نیپا چورنگی گلشن اقبال کراچی

بقیہ: کوئز

ہے۔ پھول کوئز میں حصہ لینے والوں کو پھول کلب کا ممبر ہونا ضروری ہے اگر آپ کسی وجہ سے پھول کلب کے ممبر نہیں ہیں تو صرف جوابی لفافہ بھیج کر پھول کلب کا ممبر شپ فارم منگوائیں۔ جوابات اس پتہ پر ارسال کریں۔ حماد الرحمان کوہاٹ۔ صدر پھول کلب شمالی پنجاب ممتاز وارچ ہاؤس۔ سیالکوٹی گیٹ گوجرانوالہ

0431-219232

بقیہ: چونگی کلب

ایمن شاہد نے کہا کہ اس لئے ہر سکول کو وزٹ ہونا چاہیے تاکہ سکول میں کسی قسم کا مسئلہ ہو تو وہ حل کیا جائے سکول لائبریری میں کتابوں کا ہونا لازمی ہونے چاہیے تاکہ بچے خرید نہ سکیں وہ لائبریری سے حاصل کر کے پڑھ سکیں۔ سیر کیلئے "عرفان پبلک سکول" کے ساتھ ایک معلوماتی پروگرام ترتیب دیا گیا۔

بقیہ: اولمپک

کے محمد شہباز نے دوم اور جناح پبلک سکول کے عبدالکریم نے سوم پوزیشن حاصل کی۔ اسی طرح بوری دوڑ میں گل محمد آئیڈیل پبلک سکول کے شہباز اول پاک گرامر سکول کے ساجد رشید دوم اور قائد اعظم انگلش ماڈل سکول لندن کے مختار احمد سوم قرار پائے۔ لانگ جمپ میں ارسلان جناح پبلک سکول اول رانا شہزاد منور جناح پبلک سکول دوم اور علی رضا گل محمد آئیڈیل پبلک سکول سوم آئے۔ بال تھرو میں اول گل محمد آئیڈیل پبلک سکول کے علی رضا دوم جناح پبلک سکول کے محمد آصف اور سوم گل محمد آئیڈیل پبلک سکول کے محمد امجد آئے۔ رسہ کشی کے مقابلوں میں پنجاب پبلک سکول کی ٹیم نے اول جناح پبلک سکول کی ٹیم نے دوم اور ایم پی ایس سکول کی ٹیم نے سوم پوزیشن حاصل کی۔ پروگرام سے خطاب

کرتے ہوئے پھول کلب جنوبی پنجاب کے صدر ذیشان اختر شیخ نے کہا کہ ہم نے ہمیشہ بچوں کو تفریح کے بہتر سے بہتر مواقع فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھول اولمپکس 2000ء اس بات کا واضح ثبوت ہیں۔ گل محمد آئیڈیل پبلک سکول کے پرنسپل ملک ظہور احمد نے کہا کہ ایسے اچھے اور بہترین پروگرام پھول ہی کا خاصا ہے۔ شیخ محمد جاوید نے کہا کہ پہلے پھول کلب کے کاموں کے بارے میں بہت سن رکھا تھا آج پہلی بار خود پھول کے کسی پروگرام میں شامل ہوا ہوں محسوس کیا کہ پھول اور پھول کلب کے بارے میں جتنا کچھ سن رکھا ہے وہ بہت کم ہے۔ سلیم رفیق نے کہا کہ پھول کلب والوں کا بے حد شکریہ کہ انہوں نے ہمیں اتنا اچھا پروگرام اٹینڈ کرنے کا موقع دیا۔ شیخ علی رؤف جو انگلینڈ میں کمپیوٹر سائنٹسٹ کر رہے ہیں نے کہا کہ میں چھٹیوں پر آیا ہوا ہوں۔ پتا چلا کہ پھول والوں کا کوئی پروگرام ہو رہا ہے۔ سو چلے آئے۔ یہاں آ کر معلوم ہوا بلکہ خوشی ہوئی کہ پاکستان میں ایک ایسی NGO قائم ہو چکی ہے جو نہ صرف بچوں کی ذہنی نشوونما اور ان کی بہتری کیلئے بھی اقدامات کرتی ہے بلکہ انہیں بہتر سے بہتر تفریح کے مواقع بھی فراہم کرتی ہے۔ مقابلے میں حصہ لینے والے بچوں میں استاد تنظیم کی کتب اور جیتنے والے بچوں میں شیلڈز۔

بقیہ: نارنگ کلب

پیش کیا۔ پروگرام کے مہمان خصوصی اختر عباس تھے جبکہ مہمانان گرامی میں ملک ساجد علی شیخ کلیم اللہ سیٹھ عبدالخالق شاہد نذیر فاروق اعوان اور رحمت اللہ مغل شامل تھے۔ نیو المدینہ ماڈل سکول کی بچیوں نے تمہید بردہ شریف پیش کیا۔ اس کے بعد بسم اللہ پبلک ماڈل سکول کے بچوں نے اس پر چم کے سائے تلے پر اتنا خوبصورت پروگرام پیش کیا کہ خصوصی انعام کی حقدار ٹھہریں۔ سفینہ اقراء ماڈل سکول کی طالبہ نے کشمیر کے موضوع پر بہت اچھی تقریر پیش کی۔ صدر پھول کلب نارنگ نے کہا کہ مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے۔ انہوں نے اختر عباس کو ویلکم کہا اور خصوصی طور پر ان کا شکریہ ادا کیا کہ وہ اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت ہمیں دے رہے ہیں۔ ملک ساجد علی شیخ نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ جب ہم آپ کی عمر کے تھے تو ہمیں کوئی ایسا پلیٹ فارم میسر نہیں تھا۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ پھول کلب جیسا ادارہ آپ کی صلاحیتوں کو نکھارنے کا باعث بن رہا ہے۔ اس کے بعد بھائی جان کو خطاب کیلئے بلایا گیا تو انہوں نے سب سے پہلے دوشی کنگھو اکیڈمی نارنگ کے بچوں کی حوصلہ افزائی کی۔ بھائی جان نے اپنے خطاب میں کشمیر پر تقریر کرنے والی بچی کے جذبے کو خوب سراہا اور اس پر شاباش بھی دی۔ دوسرے بچوں کی پرفارمنس سے بھی وہ بے حد خوش تھے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت پورے پاکستان میں پچاس سے زائد شہروں میں پھول کلبز کا قیام عمل میں لایا جا چکا ہے جو اپنے اپنے علاقوں میں پھول کی خوشبو کو بکھیر نے میں ہر وقت کوشاں ہیں۔ انہوں نے پھول کلب نارنگ کی پوری ٹیم کو شاباش دی اور سب بچوں کو ان کی بہترین کارکردگی پر داد دی۔ خصوصی انعام: صباء اور شاہ شوکت کو ملی تھیں۔ مجاہد طاہر کو خوبصورت نعت پر ہے۔ اس کے علاوہ کچھ خصوصی بچوں کو خصوصی انعامات دیے گئے۔ سفینہ اقراء ماڈل سکول نے پہلی پوزیشن لے کر سب سے ٹاپ کیا۔ بسم اللہ پبلک سکول نے دوسری پوزیشن حاصل کی جبکہ نیو المدینہ نے تیسری۔ علامہ اقبال کیڈٹ سکول نے چوتھی اور بیو این ماڈل سکول نے پانچویں پوزیشن حاصل کی۔ سٹیج کے فرائض۔ رحمت اللہ مغل، سیٹھ عبدالخالق اور شیخ کلیم اللہ نعمان نے سرانجام دیے۔

بقیہ: ورکشاپ

سربراہ شعبہ اسلامیات کے سابق صدر پروفیسر محمد حسین آزاد اور پائلٹ سیکنڈری سکول دہاڑی کے پرنسپل ملک محمد علی اعوان صاحب نے اپنے لیکچرز میں قرآن پاک کے طریقہ تعلیم، معلم اور کردار سازی اور اچھے معلم کے اوصاف پر روشنی ڈالی پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے پھول کلب جنوبی پنجاب کے صدر ذیشان اختر شیخ نے کہا کہ ہمارا لیکچرز (ریفنگ ورکشاپ منعقد کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم لیچرز کو جدید طریقہ تدریس سے آگاہ کریں۔

بقیہ: دورہ

تیم عرفات ظہور عدیلہ خان مدیحہ عنوز رضوان مدنی زبیر ناصرہ حاجہ عمران ممتاز ملک شاہد یوسف متین الرحمان دلشیر مغل عبدالعلیم کامران یوسف تیم حیدر عابد حسن چودھری عامر مدنی ہمایوں آفتاب کے علاوہ کئی ممبران طلباء و طالبات نے شرکت کی۔ آرٹس کونسل ملتان اور پولینڈ کے سفارتخانے کے اشتراک سے منعقدہ پولینڈ کے پوسٹرز کی نمائش کی اختتامی تقریب میں بھی پھول کلب ملتان کے ممبران نے شرکت کی۔

بقیہ: پھول شو

میں سردار ظفر اللہ خان (ایڈمنسٹریٹر میونسپل کارپوریشن ملتان) مسعود عارف بٹ (چیئرمین ریکس تھیمز) زوار بلوچ (ڈائریکٹر ریکس تھیمز) اور خواجہ مظہر صدیقی (صدر پھول کلب پنجاب) تھے جبکہ مہمانان اعزاز میں میاں تیم ارشد (صدر ٹیکسٹائل یوتھ فیڈریشن) اور راشد آکاش شامل تھے۔ ذکریا پبلک سکول کی طالبہ نے تلاوت کلام پاک اور نعت رسول کی سعادت حاصل کی۔ پھول کلب کے عہدیداروں تیم اقبال رضوان مدنی اور زبیر ارشد نے اظہار خیال کرتے ہوئے پھول کلب کے مقاصد اور گزشتہ کارکردگی پر روشنی ڈالی۔ بعد میں عدیلہ خان اور ارتضیٰ حیدر کمپیئرنگ کیلئے آئے۔ ٹمر پبلک سکول اور گورنمنٹ پائلٹ سیکنڈری ہائی سکول کے بچوں نے کشمیر کے حساس اور دوبارہ بیٹے پر جاندار خاکے پیش کیے۔ مقابلہ ٹیبلو میں 20 سے زائد سکولوں کے طلباء و طالبات نے حصہ لیا۔ منصفین کے پینل کالم نگار عارف السلام صدیقی چار جہانیہ (ڈسٹرکٹ انفارمیشن افسر) اور میڈم مصباح القمر گیلانی (ماہر تعلیم) پر مشتمل تھا۔ گورنمنٹ پائلٹ سیکنڈری سکول اول، شیر شاہ گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول عام خاص باغ ذکریا پبلک سکول ٹمر پبلک سکول نیو ہیون پبلک سکول، جناح پری کیڈٹ سکول نمبر 1 الرحیم پبلک سکول نیو پبلک سکول لنگر ان سکول جوائنٹ فورسز کیڈٹ سکول برائٹ ویز ہائی سکول نمبر 2 تیمس ہال سکول گورنمنٹ اقبال ہائی سکول ملتان پبلک سکول جناح پری کیڈٹ سکول نمبر 2 اسلامک پبلک سکول بیوم پبلک سکول مدنی بعث پبلک سکول نیو سن پبلک سکول گورنمنٹ جو ہر ہائی سکول اور صدیقیہ پبلک سکول کے باصلاحیت محسن طالب علم پھول ٹیبلوز میں شریک تھے۔ شیخ ریاض پرویز ظفر اللہ خان اور خواجہ مظہر صدیقی نے بہترین کارکردگی پر گورنمنٹ کالج بوسن روڈ گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول عام خاص باغ گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین چوک کچہری گورنمنٹ پائلٹ سیکنڈری سکول اور ذکریا پبلک سکول کے سربراہان میں یہ ایوارڈز تقسیم کیے۔ آغوش میوزیکل گروپ کے جہانزیب انصر عباس اور ایوب قریشی

اس موقع پر دل آویز دھنوں پر قومی نغمے پیش کر رہے تھے۔ پھول کلب کے ممبر اور گلوکار دلشیر مغل نے "دل دل پاکستان" اور "یہ جذبہ جنوں" گا کر لی جذبوں کو گرما دیا۔ عبدالرزاق بھٹہ نے ون مین شو کے دوران معروف گلوکاروں کی پیروڈی پیش کی۔ زینب گیلانی اور ربیعہ نے شاعر مشرق علامہ اقبال کے اشعار سنا کر داد وصول کی جبکہ ٹیبلوز میں تحریک و تعمیر پاکستان جدوجہد آزادی اور قومی وحدت کو موضوع بنایا گیا تھا۔ نتائج کے مطابق گورنمنٹ اقبال گرلز ہائی سکول نے اول، جسٹس ہائی سکول نے دوم اسلامک پبلک سکول نے سوم پوزیشن حاصل کی۔ حوصلہ افزائی کے انعامات جسٹس پبلک سکول، جوائنٹ فورسز کیڈٹ سکول برائٹ ویز جونیئر سکول اور گورنمنٹ پائلٹ سیکنڈری سکول نے حاصل کیے۔ ایوارڈز جیتنے والوں میں سعید احمد جعفری (پرنسپل لیمن از سکول) اور اسلام شاد (نائب صدر پرائیویٹ سکولز آرگنائزیشن) نے انعامات تقسیم کیے۔ مہمانان خصوصی مسعود عارف بٹ اور زوار حسین بلوچ نے کہا آج کے پروگرام میں بچوں کی پرفارمنس دیکھ کر حیرت کا احساس ہوا صدر پھول کلب پنجاب خواجہ مظہر صدیقی نے کہا ماہنامہ پھول بچوں کی تخلیقی ذہنی اور فکری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ سردار ظفر اللہ خان نے کہا سکولوں کے ٹیبلوز دیکھ کر یقین ہو گیا ہے کہ بڑوں کی کوتاہیوں کا ازالہ بچے ضرور کریں گے۔ راشد آکاش اور تیم ارشد نے کہا پھول کلب کے بچے وطن سے محبت رکھتے ہیں ان کا جذبہ قابل تحسین ہے۔ شیخ ریاض پرویز نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا نوائے وقت کے بچوں کے حوالے سے یہ کوشش رہی ہے کہ نئی نسل کے نمائندے محب وطن پاکستانی اور دین اسلامی کے سچے سپاہی بنیں۔

بقیہ: سیالکوٹ

کی نعت سے ہوا جبکہ طالبہ سدرہ اور ساتھیوں نے حمد پیش کی اور کمپیئرنگ کے فرائض سکول ٹیچر نادیہ نذر قریشی نے سرانجام دیے۔ نہم کلاس کی طالبہ رابعہ بصری نے علامہ اقبال کے فلسفہ خودی پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اقبال مفکر خودی ہیں نہم کلاس کی طالبہ سائرہ ذوالفقار نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ علامہ اقبال کو اس بات پر یقین ہے کہ جب تک اس "جہاں نو" کی امامت و قیادت مرد مومن کے ہاتھوں میں نہیں آتی اس وقت تک یہ انسانیت فرقہ پرستی اور فرنگی کے ہاتھوں ہلاکت و بربادی سے دوچار ہوتی رہے گی وحید اقبال نے علامہ اقبال کی نظم "جواب شکوہ" پڑھ کر سنائی۔ رضوان اور سائرہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا علامہ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کو ان کی اہمیت جتا کر ان میں خود اعتمادی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو ترقی کے بلند ترین مقام پر پہنچنے کے لئے مشورہ دیا ہے۔ سکول ٹیچر نادیہ نذر نے کلام اقبال جبکہ صوبیہ ممتاز کلثوم عدیلہ نے اپنی ساتھیوں کے ہمراہ علامہ اقبال کی مشہور نظم (دعا) لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری... کو ٹیبلو کی شکل میں پیش کیا۔ وائس پرنسپل اسلامک وطن پبلک سکول منیبہ نے خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ علامہ اقبال نے جہاں اپنی شاعری میں بڑوں کے لئے پیغام دیا ہے وہاں بچوں کیلئے بھی صدر تقریب پرنسپل محمد شاہد نے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ آج ہم جس ارض پاک میں امن و عافیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں وہ درحقیقت اقبال ہی کے ذہن کی تخلیق ہے۔ مہمان خصوصی صدر پھول کلب سیالکوٹ وقار قریشی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں فخر کرنا چاہیے

بقیہ: مقابلے

وصول کی۔ اس کے فوراً بعد تقریری مقابلہ شروع ہوا۔ تقریری مقابلے کے بعد مختلف سکولوں سے آئے ہوئے بچوں کے درمیان مختلف دلچسپ مقابلہ جات کرائے گئے۔ جن میں غبارے پھوڑنے کا مقابلہ، آنکھ باندھ کر سیب کھانے کا مقابلہ، گنتی کا مقابلہ، چھوٹے بڑے بے ہونے بچے کا مقابلہ، میوزیکل چیئرز، رونے اور ہنسنے کا مقابلہ وغیرہ شامل تھے۔ چھوٹے بچے کا مقابلہ جیتنے والا بچہ انعام لیتے ہوئے رو دیا۔ اس کے بعد کوئز پروگرام شروع ہوا جس میں بچوں سے علامہ اقبال کے حالات زندگی اور شاعری کے بارے میں سوالات پوچھے گئے۔ ایک ننھی منی پیاری سی بچی نے علامہ اقبال کی ایک کتاب کا نام "بیرا لغا" بتایا جس پر تمام حاضرین ہنسی کا گول گپا بن گئے۔ علامہ اقبال کی مختلف نظموں پر ٹیبلو بھی پیش کیے گئے جسے حاضرین نے کافی پسند کیا۔ تقریب کے آخر میں صدر تقریب اور مہمان خصوصی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے پھول کے لئے بہترین خدمات سرانجام دینے پر پھول کلب کے مقاصد اور ان کے پروگراموں کو سراہا جبکہ پھول کلب مظفر گڑھ کے صدر واجد وزیر نے پھول کلب کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ تقریری مقابلے کے نتائج کچھ یوں رہے۔ اول حرا نسیم (اعلیٰ انگلش پبلک سکول) دوم ساجد رسول (منہاج ماڈل سکول) سوم شمائل (جونیئر کیمبرج پبلک سکول)۔

بقیہ: سنڈی ڈیل

سعادت حافظہ روبینہ مقدس نے کی۔ ہدیہ نعت بلقیس اختر سکول کی بچی نے پیش کیا۔ صدارت حماد الرحمان کوہاٹ صدر پھول کلب پنجاب نے کی جبکہ مہمان خصوصی انفارمیشن ٹیکنالوجی تنظیم Sisa کے عہدیداران جنید میر اور سہیل احمد مغل تھے۔ صدر پھول سنڈی ڈیل نائلہ فیاض نے سنڈی ڈیل کا تعارف اور اس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ پھر حماد الرحمن کو خطاب اور انتخاب کیلئے بلایا گیا۔ انہوں نے پھول کا تعارف اس کے ساتھ اپنے اور لوگوں کے تعلقات کے بارے میں حاضرین کو بتایا اور مختلف نمائندوں کا انتخاب کیا جن میں بلقیس اختر سکول سے میمونہ آکسفورڈ پبلک سکول سے میرا اسماعیل ملت آئیڈیل سکول سے مس نازیہ آزرز پبلک سکول سے شاہدہ فاطمہ ایم ڈی اسلامیہ سکول سے مس درخشندہ شاہ نقشبندی اکیڈمی سے ارجمند شاہین منتخب ہوئیں۔ مہمان خصوصی جنید میر نے گوجرانوالہ میں پہلی مرتبہ ہونے والے ملٹی میڈیا کے بارے میں بتایا اور انفارمیشن ٹیکنالوجی اور اس کے فروغ کے متعلق مفید معلومات سے نوازا۔

بوچھال کلاں میں پھول کی سالگرہ

پھول گرلز کلب بوچھال کلاں کی جانب سے "پھول" کی دسویں سالگرہ دھوم دھام سے منائی گئی۔ سالگرہ کی تقریب میں بچوں کے علاوہ انکی ماؤں نے بھی شرکت کی۔ سالگرہ کا کیک پھول گرلز کلب پنجاب کی صدر سعدیہ اکرام نے کاٹا۔ حنا اور نجیبہ نے مل کر سالگرہ کا گیت گایا۔ اور غالب مسیوتی قیوم اور ارسلان طارق نے پھول کے ایڈیٹر اختر عباس اور انکی پوری ٹیم کو خراج تحسین پیش کیا جن کی محنتوں سے آج پھول پوری دنیا میں اپنی خوشبو پھیلا رہا ہے۔ بچوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے دلچسپ مقابلے کروائے گئے۔

ایک بیٹے کی کہانی اس کے باپ نے اس کی کہی ہوئی بات لوٹا دی تھی۔

مجیب ظفر انوار حمیدی

فرصت



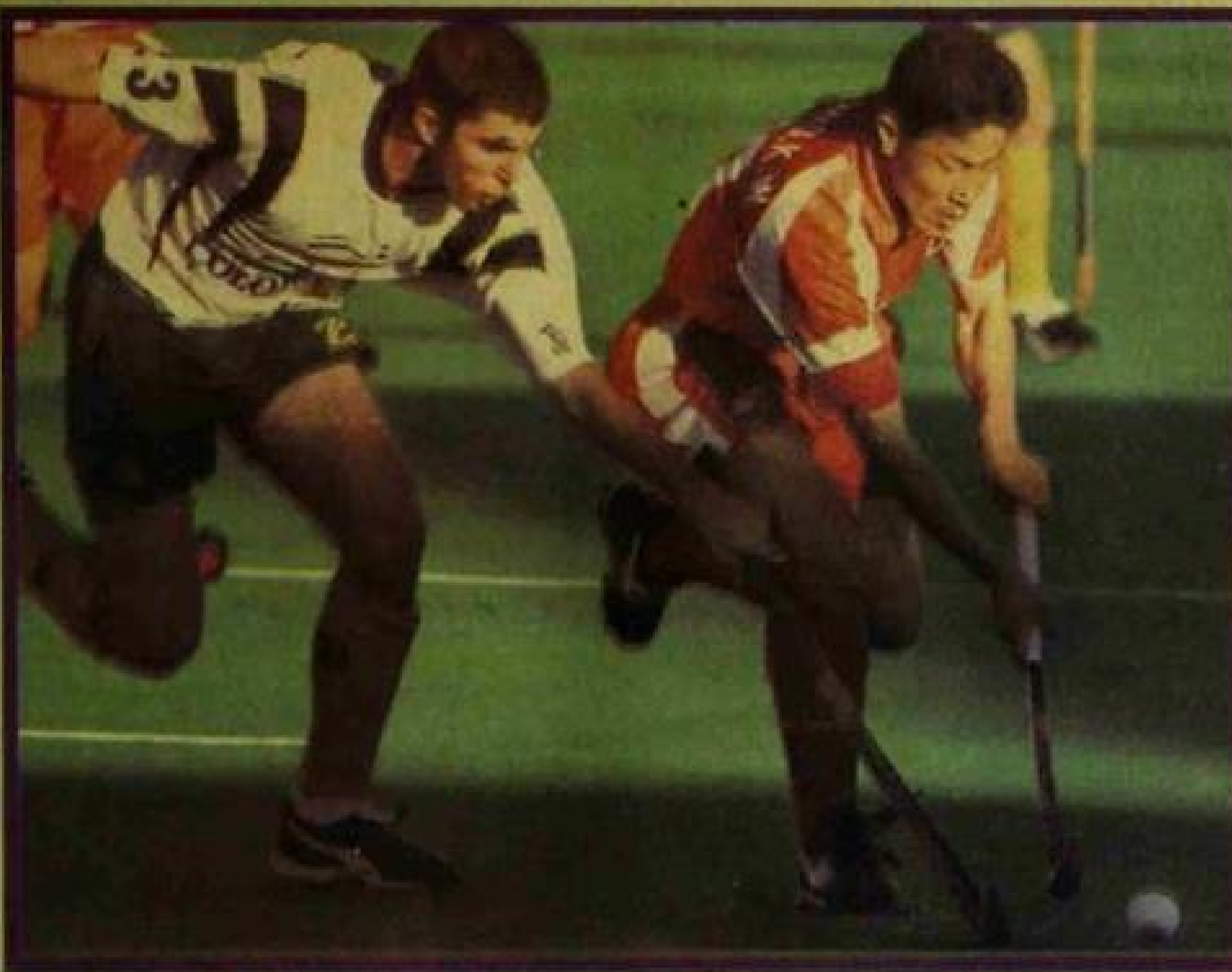
نجانے اختر نے مجھ سے کب اور کہاں کہا تھا کہ یار "تمہاری گفتگو میں بہت سے "کیوں"؟ پام کے درختوں کی طرح لہراتے ہیں"۔ اس بات کے اتنے عرصے بعد میں یہ ہی سوچتا ہوں کہ حالات کی ہوا پام کے درختوں میں سرسراہٹ پیدا کرتی ہے' وہی حالات جو خام مال کی طرح مڑتڑ کر ہمارے ہاتھوں نت نئی شکلیں بناتے بگاڑتے رہتے ہیں۔

مجھے پام کے درخت کبھی یاد نہ آئے' نہ میں ان کو یاد کرتا۔ بھلا یادوں کی بدلیاں جب گھوم پھر کر واپس آئیں تو بندہ ان کے (ذخیرہ) کو کیوں کم کرے؟ مگر بات ہی ایسی تھی۔ بڑی حیران کن اور پریشان کم۔ ہمارے پڑوسی فاروقی صاحب کے لئے پشیمان کن بھی۔ میں اپنی فیملی کے ہمراہ نیا نیا "اوپر والے آرڈرز" کے افراد کی آبادی میں شفٹ ہوا تھا۔ ماہ دو ماہ کا عرصہ اڑوس پڑوس کی آرزوؤں اور امنگوں کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے بہت ہی کم ہوتا ہے۔ 45 دن بعد پتا چلا کہ دائیں بازو والے فاروقی صاحب ہیں۔ ایڈووکیٹ ہیں۔ دو لڑکے ہیں ان کے۔ ماجد اور عادل۔ ماجد میاں تو ڈاکٹر بن کر امریکہ سدھارے۔ مجھے یاد ہے ماجد فاروقی نے ٹی وی کے ایک پروگرام میں دوران انٹرویو کمپیئر سے کہا تھا کہ میں ڈاکٹر بن کر دیہی علاقوں میں جا کر کسانوں' غریبوں اور دیگر گاؤں والوں کا مفت علاج کروں گا۔ مگر مفت کی سرکاری تعلیم کے بعد اب وہ سرکار کا احسان کیسے مانتا۔ غریبوں نے تو بیماریوں سے مرنا ہی ہوتا ہے وہ بے چارہ کیا کرتا؟ وہ کیوں اپنے خواب برباد کرتا۔ بس اپنے ملک اور ماحول کے دور دور غریبوں کی خدمت سے کسر پوری کر رہا تھا۔ دوسرے رہ گئے عادل میاں۔ ان کے بارے میں استاد گلن نے بتایا "صاحب بڑا منہ زور لونڈا ہے' نہ بڑے کی عزت' نہ چھوٹے کا لحاظ۔ گالیوں سے گویا منہ بھرا رہتا ہے۔ یار دوست ایسے کہ پاس سے کوئی گزرے تو چھینٹے اڑتے ہیں۔ میرے پاس گانا سیکھنے آیا تو اگلے دن سے شریف گھرانوں کی لڑکیاں غائب تھیں۔ بڑا ہی بدتمیز!" عادل کے بارے میں یہ رائے سن کر مجھے فاروقی صاحب پر رشک بھی آیا اور افسوس بھی۔ دولت کی ریل پیل نے انہیں گھربار کے مسائل سے بے گانہ سا کر دیا تھا۔ رات دن نوٹ بناتا اور

کمانا ان کا نصب العین تھا شاید پلٹ کر اکیلی اولاد سے (جو ان کے پاس تھی) کبھی بھی نہ پوچھا کہ تو جوان جہان ہے' تیری تعلیم کیسی چل رہی ہے؟ زمانے کے سرد و گرم جھیلنے میں میرے مشورے کی ضرورت محسوس کرتا ہے یا نہیں؟ دیگر معروفیات کیا ہیں؟ نزدیکی مسجد کو کبھی آباد کیا یا محرومی تیرا مقدر بنی؟ اس کہانی کا سب سے ستم رسیدہ پہلو یہ ہے کہ عادل بن ماں کا تھا۔ دور پار کی اکا انا ہجرت کے بعد ان ہی کے ہاں چلی آئی۔ عادل چھ ماہ کا تھا اور ماجد چار برس کا۔ ماں کے بغیر بچوں کو کہاں کا سایا؟ کھلی چھت کے نیچے پڑے وجود۔ اکا نے اس وقت میں دونوں کو سمیٹا۔ فاروقی صاحب قانون کی موٹی موٹی کتابوں کا مطالعہ کرتے۔ دنیا ان کے سامنے کٹہرا تھی' ہر کوئی کھڑا ہوتا' وہ ہر کسی کو سنتے' کرتے وہی جو عقل کہتی۔ سن لاکھ اگر کوئی سنا کیجو وہی جو تیری عقل میں آئے عادل میاں اکیلے رہ گئے تھے جب اچھوں کی کمی ہو گئی تو بروں نے خلا پر کر دیا۔ یوں کمپنی مل گئی' آئینہ میں سے عکس غائب ہو گیا کیونکہ (اچھا) دوست تو دوست کا آئینہ ہوتا ہے۔ ایم۔ اے جناح روڈ کے موڑ پر نمائش سے ذرا آگے رشید ذار کانسٹیبل نے دو لڑکیوں کا پرس چھیننے کے الزام میں پکڑا۔ ''کس کے بیٹے ہو' باپ کون ہے تمہارا؟'' ''آر۔ اے۔ فاروقی!'' چھوٹ گئے۔ کریم آباد کے سناروں کا سونا اڑس رہے تھے' رینجرز نے خبر گیری کی۔ ''فاروقی'' کا کارڈ دکھا کر ضمانت ہوئی۔ اکا انا اندھی نہ تھی۔ تجربہ کار اور زمانہ شناس تھی۔ خوب جانتی تھی لڑکا کن راہوں پر چل رہا ہے۔ ایک رات وہ بھی برہم ہو گئی۔ بند کمرے میں چلتے رنگین ٹیلی وژن کی اسکرین پر بکھرتا عادل کا تاریک مستقبل دیکھ کر اس کے ہاتھوں میں موجود دودھ کا گلاس بھی تھرک گیا۔ چپ چاپ واپس چلی آئی۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر۔ بے شمار جھگیاں تھیں۔ ٹوٹی نالیاں' ان میں بہتی اور جمع ہوتی غلاظت۔ بدبو' تعفن ایک جھگی پر پڑا ٹاٹ ذرا ہلا۔ ''اندر آتا ہے بھئی! کوئی ہے؟'' ٹاٹ پر بیٹھی بے شمار مکھیاں بے آرام ہو کر بھنبھنانے لگیں۔ ''کون ہے'' سوال روح کی گہرائیوں سے ابھرا تھا۔ ''اب کیا نام بھی بتاؤں اندر آؤں یا باہر سے لوٹا دوگی'' ''رب بسم اللہ بڑی سرکار ہیں۔ آجایئے آپ۔ میری قسمت میرے نصیب''۔ آواز میں مردنی یکا یک گھٹ کر زندگی کی کھنک پیدا ہو گئی۔ ''بیٹھئے بیٹھئے۔ فرمایئے سرکار!'' ایڈووکیٹ فاروقی بیٹھ گئے۔ گدڑیوں اور دھجیوں میں چھپی' دھنسی چارپائی ان کے بیٹھتے ہی چرچرائی اور خاموش ہو گئی۔ آنکھوں میں آنسو تھے' لب پر دعائیں تھیں اور بگڑے ہوئے حالات کے سنورنے کی دعائیں دل کے خانوں میں مہمان تھیں۔ گھر ہونے کے باوجود گھر نہیں جا سکتے' والا حال تھا۔ گھر کا کاٹنے دار ماحول ان کے وجود کے درد کو بڑھا تا تھا۔ اکا بصارت سے زیادہ تجربے سے کام لے کر بولیں! ''بڑی سرکار آج تو اپنے بزرگوں کی زبان عطا کئے۔ ہم جان گئے کہ اس لب و لہجے سے اس طرح بات کرنے کے انداز والا غیر نہیں' کوئی اپنا ہے' پھر باہر کائے کو رکے ٹھیرے مجھ بھر کس مٹی لعنت!'' ''اکا!'' آواز میں ٹھنڈی سرسراہٹ زیادہ تھی۔ ''جی سرکار''؟ انا کھڑکھڑائی۔ ''کیوں چلی آئیں گھر چھوڑ کر؟ میرا بھی انتظار نہ کیا' تمہارے علاوہ وہاں اور کون سی پناہ گاہ تھی......'' گلوگیر لہجے میں کئی شکوے اور التجائیں موجود تھیں۔

''رب پاک گھر بھر کو اپنی آغوش میں رکھے۔'' اکا انا نے دعا کے لئے ہاتھ پھیلا دیئے۔ اکلوتا سوراخ دار چادر نما دوپٹا مڑوسا اور ''چلئے سرکار'' کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ یہ بھی نہ کہا کہ گود کے کھلائے بچے کو ''اس حال'' میں دیکھ کر اپنی محنت پر پانی پھرتے دیکھ کر واپس آ گئی تھیں۔ اکا انا کی واپسی بہت خاموشی سے ہوئی۔ کوئی بولے تو کیا اور کس سے...... بھلا بے روح دیواریں بھی کلام کرتی ہیں۔ عادل کو مری ہوئی ماں' باپ بوڑھی انا کسی کا بھی کوئی خیال نہ تھا۔ وہ بینائی ہوتے ہوئے بھی نابینا تھا۔ کتابیں طاق پر دھری تھیں۔ برے اور بدنام لڑکوں سے دوستی اور انہی کے ساتھ محفلیں گھر بار کا کوئی نظریہ نہیں تھا۔ مغرب کی اذان سے پہلے گھر آنے کا زمانہ کب کا ختم۔ شام رات اور رات دن۔ نہ کھانے کا وقت' نہ سونے جاگنے کا۔ سرجھاڑ منہ پھاڑ۔ نام نئی تہذیب۔ اکیسویں صدی۔ اکا انا بڑبڑا رہی تھیں ''کیوں'' کے پام کے درخت جھومنے لہرانے لگتے۔ اپنی مٹھی سختی سے بھینچ لی۔ پسینے کے قطرے مقدس پیشانی' ہونٹوں اور گردن پر چمک رہے تھے۔ غصہ آنا بھی چاہ رہا ہے' آ بھی نہیں پا رہا ہے۔ قریبی مسجد سے مغرب کی اذان بلا رہی تھی۔ فضا ٹھنڈی' پاک' معطر' عادل کے کمرے سے مغربی موسیقی کا شور بلند ہو رہا تھا۔ گذشتہ آٹھ دس برسوں میں بزرگوں کے لئے نوجوانوں کے کمروں سے ٹپکتا یہ ادھم نیا نہیں۔ نجانے اکا انا کو کیا ہوا؟ سانس تیز ہو گئی۔ سینے کی کھڑکھڑاہٹ بڑھ گئی۔ ناک سے سوں سوں کی آوازیں برآمد ہوئیں۔ خرخراتی ہوئی عادل کے کمرے کے دروازے کو ٹھوکر مارتے ہوئے اندر جا پہنچیں۔ ''عادل!!'' بوڑھے پنجر میں اتنی للکار تھی کہ لمحہ بھر کو وہ بھی کانپ سا گیا۔ ''اللہ اپنے گھر آنے والوں کو بلا رہا ہے' اسے اپنوں کو بلانے دے' پھر یہ کام کرتے رہنا!'' عادل نے لمحہ بھر کمزور تھرتھراتی بڑھیا کو دیکھا اس کا ناراض چہرہ دیکھ کر اس کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ ہیڈ فون کانوں سے ہٹایا اور دہاڑا! سارے موڈ کا ستیاناس مار دیا پکڑ کر ''بڑھیا...... پاگل ہو گئی ہے۔ اپنے اللہ سے کہو ابھی فرصت نہیں ہے۔ آئی سے گیٹ آؤٹ''! گود کی گرمی کا بھی لحاظ نہ کیا بدنصیب تو نے۔ نہ سہی مگر میرے اللہ سے اس طرح کہو گے یہ کبھی سوچا بھی نہ تھا''عادل......'' گویا بادل تمام کے تمام کڑک کر برس گئے۔ ''حق...... حق اللہ...... اذان۔ عادل اللہ کو گستاخی۔ فرصت'' اکا انا کی زبان سے بے ترتیب الفاظ نکل رہے تھے۔ قریب پڑا طبلہ اٹھایا اور چشم زدن میں طبلے کا ایک سرا عادل کی کنپٹی اور اگلا حصہ ڈسک پر پڑا۔ طوفان تھم گیا۔ ڈسک گھومنے سے مجبور ہو گئی عادل کا بھل بھل نکلتا خون اور جان دیکھ کر اکا ہبک ہبک کر روئی۔ چیخی چلائی۔ ہتھیلیاں رگڑیں۔ مٹھیاں آنکھوں میں دیئے خشک خشک ہچکیاں لیتی رہی۔ پھر بیٹھ گئی اور بیٹھی ہی رہ گئی۔ پام کے بہت سارے درخت لہرانے لگے ''کیوں؟ آخر کیوں''؟

ایڈووکیٹ فاروقی کے حکم پر ان کی زوجہ کی لحد کے برابر اکا انا کو دفن کر دیا گیا۔ یہ قطعہ انہوں نے اپنے خاندان کے لئے خرید کر محفوظ کر لیا تھا۔ گورکن نے اکا انا کی قبر تیار کی۔ پانی چھڑکا۔ گلاب کی خوشبوؤں سے مہکایا۔ لوبان و کافور میں بسایا۔ فاتحہ خوانی ہوئی۔ فاروقی صاحب نے حاضرین کو سوئم کی فاتحہ کا روز بتلایا۔ گورکن تمام کاموں سے فارغ ہوا تو ڈول میں موجود پانی سے ہاتھ دھوتے ہوئے عادل کی لاش کی طرف اشارہ کر کے واپس جاتے ہوئے ایڈووکیٹ آر۔ اے فاروقی صاحب سے بولا! ''اور سرکار آپ کے گھر کی یہ دوسری میت...... اسے کہاں دفن کروں''؟ فاروقی صاحب خیالوں میں غرق' چلتے چلتے رک گئے اور گورکن کو مڑ کر دیکھا۔ دکھ بھرا سانس لیا۔ ماتھے پر شکنیں پھر سے براجمان ہو گئیں۔ بے ساختہ گورکن سے پوچھا ''میرے گھر سے؟ اور کون سی میت؟؟؟'' نجانے کیوں؟ پام کے درختوں میں گویا بھونچال آ گیا۔ گورکن آنکھیں پھاڑے عادل کی لاوارث لاش کو دیکھ رہا تھا جس کیلئے کسی کے پاس فرصت نہیں تھی۔



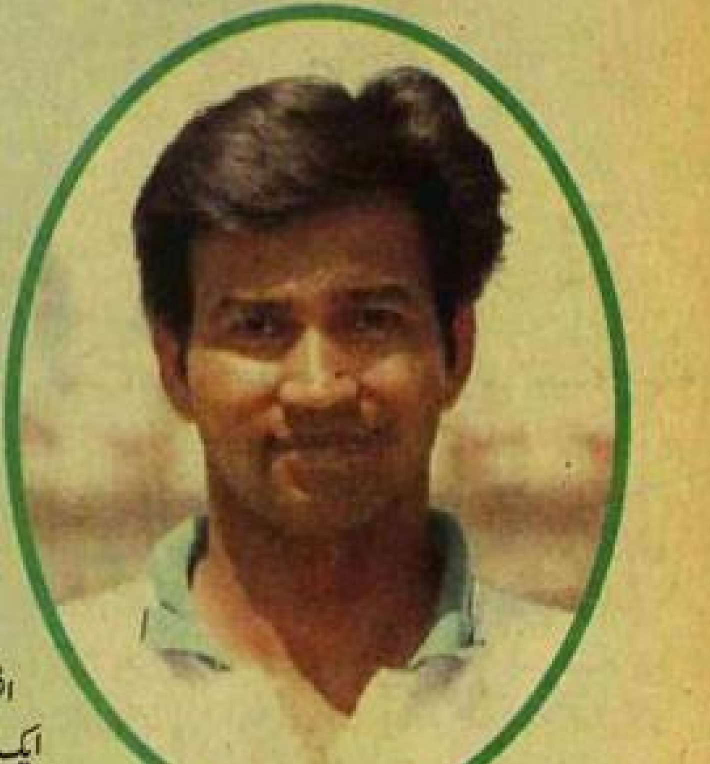
مونا سکندر سیالکوٹ

السلام علیکم پھول فرینڈز! وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا کب وہ وقت تھا کہ ڈرتے ڈرتے کالم لکھنا شروع کیا تھا اور اب...... خیر امید تو ہے کہ یہ آخری کالم بھی آپکو بہت پسند آئے گا۔ خوش رہیئے اور کالم پڑھیے۔ ہم تو سیالکوٹ سے اسلام آباد آ گئے ہیں فائن آرٹس پڑھنے۔

ہاٹ نیوز:

ٹینس کی خاتون کھلاڑیوں کا دیرینہ مطالبہ پورا ہو گیا ہے اور اگلے سال ہونے والے آسٹریلین اوپن ٹینس ٹورنامنٹ میں خواتین کھلاڑیوں کو بھی مرد ٹینس سٹارز کے برابر انعامی رقم ملے گی۔

پاکستان کے معروف اوپننگ بیٹسمین سعید انور اپنے ساتھی عمران نذیر کے ساتھ انڈرسٹینڈنگ میں اضافے اور رن آؤٹ سے بچنے کی غرض سے ٹیم انتظامیہ کی رضامندی سے ڈنر کے دوران ان کو باہر لیجا کر ان سے گفتگو کرتے نظر آتے ہیں۔ عمران نذیر کی صحت دیکھ کر تو ہمیں پہلے ہی شک تھا کہ انہیں ٹھیک سے کھانا



کھانے نہیں دیا جاتا یہ صحیح ہے کہ سعید انور کے ساتھ کھیلتے ہوئے زیادہ ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے عمران نذیر متعدد بار رن آؤٹ ہو چکے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ انہیں کھانے کے دوران اٹھا لیا جائے بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ مداخلت انہیں اتنی گراں گزرتی ہو کہ غصے میں آ کر وہ رن آؤٹ ہو جاتے ہوں۔

ہاکی

ہاکی پاکستان کا قومی کھیل ہے جو سب سے پہلے 510 قبل مسیح میں یونان میں کھیلا گیا ابتداء میں اس کا نام HOQUET تھا۔ یہ فرانسیسی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معانی 'چرواہے کی چھڑی' کے ہیں 'چھڑی کی مدد سے چرواہے' بھیڑ بکریوں کو ہانکنے کا کام تو لیتے ہی ہیں / تھے مگر راستے میں آنے والے پتھروں کو گیند کی طرح مارتے بھی رہتے ہیں / تھے اسی مناسبت سے ہاکی کا نام HOQUET پڑ گیا اور جب یہ کھیل برطانیہ پہنچا تو بگڑ کر HOCKEY کہلانے لگا۔ برصغیر پاک و ہند میں یہ کھیل 1926ء میں شروع ہوا اس کے گیند کا وزن ساڑھے 5 اونس جبکہ

SPORTS GLANCE

ہاکی کا وزن تقریباً 12 سے 28 اونس ہوتا ہے۔

شوخیاں:

انگلینڈ میں ساتواں کرکٹ ورلڈ کپ جاری تھا ایک کے بعد ایک فتوحات سمیٹتی ہوئی پاکستانی ٹیم کے کھلاڑی ڈریسنگ روم میں خوش گپیوں میں مشغول تھے اور اپنی پرلطف باتوں سے محفل کو کشت زعفران بنائے ہوئے تھے ایسے میں مشتاق احمد فٹ بال کیساتھ مختلف کرتبوں کا مظاہرہ کرنے میں بھی مصروف نظر آتے تھے وہ فٹ بال کو کبھی دائیں پاؤں کی انگلیوں کی مدد سے اوپر اچھالتے اور کبھی بال لیکر تھوڑا آگے بڑھاتے کبھی ڈربل کرتے اور یونہی کھیلتے کھیلتے ان کے ذہن میں نجانے کیا بات آئی کہ انہوں نے ساتھی کھلاڑیوں کو متاثر کرنے کیلئے (کہ میں کرکٹ کے علاوہ فٹبال بھی 'بہت اچھی طرح' کھیل سکتا ہوں) فٹبال کو کک لگا دی۔ بال ہوا میں بلند ہوا اور زوردار دھماکے کے ساتھ شیشے سے جا ٹکرایا چھن کی آواز آئی اور شیشہ اور ٹیوب لائٹ کرچی کرچی ہو گیا اب صورتحال یہ تھی کہ مشتاق احمد کو اپنی شوخیوں کا خمیازہ ساتھی کھلاڑیوں کے بلند قہقہوں کی صورت میں بھگتنا پڑا۔

بھا جی؟

عاطف بشیر ہالینڈ میں پیش آنے والا ایک واقعہ سناتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم سات آٹھ کھلاڑی ہالینڈ کے مشہور شاپنگ سینٹر ی اینڈاے میں شاپنگ کر رہے تھے کہ دو کھلاڑیوں نے واش روم جانا تھا انہوں نے دائیں بائیں دور تک نظر دوڑائی لیکن کہیں واش روم نظر نہ آیا ابھی تلاش جاری تھی کہ ہمیں براؤن بالوں اور لمبی چوڑی جسامت والا گورا دکھائی دیا۔ ہم نے ٹوٹی پھوٹی انگلش اور اشاروں میں اسے اپنا مطلب سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ کافی دیر ہماری طرف اس طرح دیکھتا رہا جیسے کچھ نہ سمجھ رہا ہو جب لڑکوں کی برداشت جواب دینے لگی تو وہ گورا با آواز بلند بولا "بھا جی! اسی باتھ روم جانا ہے" (بھائی جی آپ نے باتھ روم جانا ہے) یہ سننا تھا کہ ایک زوردار مشترکہ قہقہہ لگا۔ تعارف پر پتہ چلا کہ وہ لاہور یا تھا مگر حلیے سے انگریز لگتا تھا اس لئے ہم دھوکہ کھا گئے۔



ہیپی برتھ ڈے:

اس ماہ ہاکی کے کھلاڑی عمران یوسف 23 دسمبر، کرکٹ کے کھلاڑی عبدالرزاق 2 دسمبر اور ثقلین مشتاق 29 دسمبر کو اپنی سالگرہ منائیں گے۔

داستان گوئی ہماری تہذیب کا رچاؤ ہے

پھول کہانی گھر لاہور کے پروگرام کی بھی ایک الگ داستان ہے



رپورٹ:۔ چاند۔ تارا

تعاون:۔ امی جان۔۔۔ فوٹوگرافی: نعیم ظفر

داستان گوئی ہماری تہذیب کا رچاؤ ہی نہیں بلکہ ہماری روایت بھی ہے۔ پھول نے اس روایت کو پھر سے نکھار کر پیش کیا ہے۔ کہانی گھر بھی اسی کاوش کا نام ہے۔ جس میں بالکل وہی ماحول بنا کر اور انداز اپنا کر کہانیاں سنی اور سنائی جاتی ہیں۔ جس طرح پہلے ادوار میں بچے اپنے بزرگوں سے کہانیاں سنا کرتے تھے اور بزرگ کہانی میں جو سب سے بہتر اور اچھا کردار ہوتا جیسے شہزادہ' نیک دل بادشاہ وغیرہ وہ سب بچوں میں دیکھنا چاہتے تھے۔ بچے کہانیوں کے مرکزی

کرداروں کی سوچ لے کر زندگی میں کامیابی حاصل کرتے تھے۔ کہانیوں میں بھلائی' رحمدلی اور سچائی کا بھی درس ہوتا تھا۔ پھول کہانی گھر نے بھی داستان گوئی کی روایت کو چاشنی اور محبت کے ساتھ دوبارہ زندہ کیا۔ اس سلسلے میں بہت ہی خوبصورت کہانی گھر منعقد ہوا۔ مہمان خصوصی مولوی رحمت علی (باباجی) تھے۔ اس کہانی گھر کی اپنی ایک داستان ہے۔ وہ اس طرح کہ بالکل ٹھیک وقت پر مہمان خصوصی 80 سال عمر ہونے کے باوجود تشریف لا

چکے تھے اور تھوڑی دیر بعد ہی مہمانان خاص کی آمد بھی ہوگئی۔ جن میں ایڈیٹر بھیا۔ ماریہ آپی (صدر پھول کہانی گھر پاکستان) عقیلہ اقبال (جنرل سیکرٹری پھول کہانی گھر پاکستان) شہزاد سلیم (کنسلٹنٹ پھول انٹرنیٹ ایڈیشن) سید غضنفر علی (آفس سیکرٹری) پھول کلب پاکستان اور ان کی والدہ محترمہ شامل تھیں۔ مرکزی قیادت کی آمد کے بعد تک

انہوں نے سجایا کہانی گھر میں ڈرامے نہیں کرتے کہانیاں ہی سناتی ہیں



مہمان خصوصی 80 سال کے ہونیکے باوجود وقت پر تشریف لے آئے

شرکاء کا دور دور تک نام ونشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ کہانی گھر کی انتظامیہ کے طور پر عبدالصمد اور ندیم دو ہی کردار سرگرم رہے اور ٹیبلوز کی ریہرسل کے دوران فلاں فلاں...... کا ورد ہوتا رہا۔ (یعنی اب تشریف لاتے ہیں فلاں فلاں......) کہانی گھر کیلئے گھر کا برآمدہ اور ٹی وی لاؤنج منتخب ہوئے تھے انہیں خوبصورت بینروں سے سجایا گیا تھا اس موقع پر پھول کلب مانگا منڈی نے بھی بینر لگوائے۔ پروگرام کیلئے امی جان نے سب کچھ سپانسر کیا۔ شرکاء کیلئے چارپائیاں بچھائی گئیں تھیں جبکہ خاص مہمانوں

...بچوں نے تھے پان مسالا سے مہمانوں کا استقبال ...



کیلئے موڑھے بھی رکھے ہوئے تھے۔ دو ننھے منے بچوں نے میٹھے پان مصالحے کے ساتھ معزز مہمانوں کا استقبال کیا۔ اس طرح ابتداء ہی چاشنی بھری مٹھاس سے ہوئی۔ پان مصالحے والی ایک پلیٹ پر تحریر تھا" جی آیاں نوں ساڈا مان ودا میا اے" پروگرام لیٹ تھا کیونکہ شرکاء جو لیٹ تھے اس لئے انتظار کیا گیا اس دوران بھیاجی تو ایک چارپائی پر نیند کے مزے لینے لگے ان کی بروقت نیند کو ہم نے عطیہ خداوندی تصور کرتے ہوئے محلے سے "سول" شرکاء کی اچھی خاصی تعداد اکٹھی کر لی۔ جس سے برآمدے اور چارپائیوں پر رونق آ گئی۔ ندیم ظفر نے کمپیئرنگ کا آغاز "میرے جناب' رشک مہتاب' بخوش شباب' کرن آفتاب......" جیسے خالص اردو کے کلمات سے کیا اور ابتداء ہی میں اپنا تازہ بہ تازہ شعر

روایت کو توڑنے کی کوشش نہ کر ندیم
انساں بدل جاتے ہیں روایت بدل جانے سے

سنا ڈالا (ہے نہ ظلم) جو کہ انہیں ندیم تخلص ہونے کی وجہ سے احمد ندیم قاسمی کا سمجھتے رہے۔

ندیم بھائی نے بڑے پراعتماد انداز میں اپنے فرائض کا آغاز کیا اور زین العابدین کو تلاوت قرآن مجید کی دعوت دی۔ مانگا منڈی لاہور سے خصوصی طور پر آئے ثناء خوان مصطفیٰ شیخ محمد عرفان نے بارگاہ رسالتؐ میں عقیدت کے پھول نچھاور کیئے۔ اللہ جی پر بھروسہ پر مشتمل چند احادیث نبویؐ بھی سنائی گئیں۔ اب خیال تھا کہ جھٹ پٹ کہانیاں سنی اور سنائی جائیں گی۔ مگر ہر پروگرام کی روایت ویلکم کرنا بھی تو ہوتا ہے۔ اور کہانی گھر لاہور نے اس روایت کو توڑا نہیں بلکہ جدت کے ساتھ پیش کیا۔ (کہانی گھر روایات کا امین جو ٹھہرا) دلچسپ خاکے کی صورت میں ویلکم کیا گیا۔ ویلکم سے پہلے کے ٹی وی (کنگال ٹیلی ویژن) کی طرف سے اشتہارات بھی دیئے گئے۔ جن میں ایک چیری بلاسم فیس کریم بنانے والوں کا خاص پیغام بھی تھا۔

سفید بنئے۔ سیاہ' سیاہ

گوالہ' بچہ اور تھانیدار پر مشتمل خاکہ بہت مزاحیہ اور اچھا تھا۔ کہانی گھر کے دوسرے کمپیئر عبدالصمد مظفر تھے جو کہ پھول کہانی گھر لاہور کے صدر ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے شمس فرید چشتی (معاون پھول مووی کلب) کو دعوت دی۔ شمس بھائی نے اپنی زندگی کا یادگار واقعہ کہانی کی صورت میں سنایا۔ سید غضنفر علی نے اپنی "روایت" برقرار رکھتے ہوئے اشعار کی شکل میں کہانی سنائی اور خوب داد وصول کی۔ (آپ سمجھ گئے ناں) شیخ محمد لطیف شاہد (صدر پھول کلب مانگا منڈی) نے فوجی حکومت کے متعلق مزاحیہ واقعہ سنایا۔ کمپیئر بھائی بڑے اوکھے اوکھے اشعار پڑھ رہے تھے (ساری رات اشعار جو ڈھونڈتے رہے) ندیم ظفر نے بہت سبق آموز کہانی سنائی۔ جس میں انسانیت کے ساتھ ساتھ حیوانیت سے پیار کا درس تھا۔ شہزاد سلیم نے ایک بچے کی کہانی سنائی اور بتایا کہ کس طرح وہ بچہ محنت کرتا ہے اور جو اعزاز اسے اپنی سچائی محنت اور کوشش سے ملا وہ تمام سہولیات سے بڑھ کر تھا۔ سب شرکاء نے خوب تالیاں بجا کر خوب داد دی جبکہ بھیاجی نے تھاپی بھی دی (بہت اچھے شہزاد بھائی) کمپیئرنگ کے دوران کمپیئر بھائی نے ایک بہت نصیحت آموز واقعہ سنایا۔ جس میں کلہاڑے کو لکھاڑا بولتے رہے۔ کسی نے کوئی خاص توجہ نہ دی۔ آخر میں یک دم انہوں نے لکھاڑے کو کلہاڑا بولا تو پوری محفل میں قہقہے بلند ہو گئے۔

عقیلہ آپی نے بہت پرانی لیکن مزے دار داستان گوش گزار کی۔ (کہانی گھر میں آنے کا یہی فائدہ ہے) آپی نے بہت دھیمے لہجے میں کہانی گھر کیلئے بہت کچھ سمجھا دیا۔ ماریہ آپی (مرکزی صدر پھول کہانی گھر) نے پروگرام کے انتظامات اور ترتیب پر خوشی کا اظہار کیا۔ بہت اچھی اچھی اور پیاری پیاری باتیں بتائیں۔ کہانی بھی سنائی۔ آنٹی تسلیم فاطمہ (غضنفر بھائی کی امی) نے اپنی زندگی کا یادگار واقعہ دھرایا۔ ماں اور بچے کے جذبے کو بیان کیا۔ مظفر بھائی نے ایڈیٹر بھیا کی آمد سے پہلے بھیا کیلئے بہت اچھے اشعار پڑھے اور ان کی ایک بات دل کو بہت بھائی کہ بھیا سے ہمیں سبھی رشتوں کا پیار ملتا ہے۔ بزرگوں جیسا سایہ' باپ جیسی شفقت اور بھائی کا پیار ہر وقت ملتا ہے۔ بھیاجی نے بڑی کیوٹ سی مسکراہٹ کے ساتھ خطاب میں برنارڈ شاہ کا قول دھرایا کہ کامیاب انسان وہ ہوتا ہے جس کے پاؤں گرم اور سر ٹھنڈا ہو۔ ہمیشہ دوسروں کی خدمت اور سہولت کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔ اسی میں خوشی ہے اور اسی میں اللہ جی کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ بھیاجی نے کہانی گھر کروانے کا مقصد بیان کیا اور بتایا کہ کس طرح کہانی گھر کی مرکزی قیادت اپنے مقصد کو حاصل کرنے کیلئے سرگرم ہے اور کافی حد تک کامیاب بھی ہے۔

آخر میں بھیا نے پھول کہانی گھر لاہور کے دبلے پتلے صدر کی طرف سے کئے گئے انتظامات اور کہانی گھر کا ماحول ترتیب دینے پر اطمینان کا اظہار کیا اور اس موقع پر کہانی گھر کو مزید مفید بنانے کیلئے ہدایات دیں (نہ آنے والے صدور نے بہت اچھا موقع گنوا دیا۔ بھیا کی باتیں خاص طور پر صدور کیلئے مشعل راہ تھیں۔ ایسے موقعے بھی کبھی ہی آتے ہیں۔ انہوں نے سمجھایا کہ کہانی گھر میں تقریریں اور ڈرامے نہیں کرنے۔ صرف کہانیاں ہی سنانی ہیں۔ بھیا نے ایک مزے دار کہانی بھی سنائی بھیا کے بعد شرکاء میں موجود بھابھی جان (زاہدہ رحمان) نے بھی کہانی سنانے کی فرمائش کی اور بہت خوبصورت کہانی سنائی۔ (شاباش بھابھی) اب باری تھی مہمان خصوصی جناب مولوی رحمت علی کی۔ آپ گریجوایٹ ہیں اور پنجابی فاضل بھی ہیں۔ باباجی نے کائنات کی ابتداء کا واقعہ سنایا اور سب شرکاء کے ساتھ اچھی اور پیاری باتیں کیں اور پھر کہانی بھی سنائی۔ کہانی گھر میں بھیاجی نے ایک انکشاف کیا کہ بہت جلد شہزاد سلیم بھائی چاول کھلانے والے ہیں (بھئی بھلے لوگو! یہ خاص قسم کے چاول ہوتے ہیں جو ایک بار ہی کھلائے جاتے ہیں سمجھ گئے ناں) پھول کہانی گھر کے صدر کی والدہ کو کچھ کہنے کا کہا تو آنکھوں میں آنسو لے آئیں (بیٹے کی کامیابی پر خوشی کے آنسو آنا فطری بات ہے) آخر میں ایک ٹیبلو پیش کیا گیا جس کا نام "کہانی گھر کی ابتداء" تھا۔ جو ٹیبلو میں پانی گرائے جانے کی وجہ سے ادھورا رہ گیا (یہ مت پوچھئے گا کہ پانی کس پر گرایا گیا' کس نے گرایا اور کس کی سازش سے گرایا گیا) آخر میں سب شرکاء کو ہاتھ سے کاڑھے ہوئے رومال اور کڑھائی والے قلم بطور تحائف دیئے گئے۔

جھلکیاں

۱۔ کمپیئر بھائی نے سب شرکاء کو "جی آیاں نوں" کہا ("نوں" کہتے تو ٹیکس آ جاتا تھا)

۲۔ پروگرام کا آغاز ہی شعر سے ہوا وہ بھی کمپیئر کے ذاتی شعر سے (بہت ظلم ہو گیا وزن کے ساتھ)

۳۔ کہانی گھر لاہور کا بینر بہت دلکش اور رنگین تھا (کہانی کی طرح)

۴۔ ویلکم کیلئے خاکہ پیش کیا گیا جسے ندیم ظفر نے تحریر کیا اور ہدایات عبدالصمد مظفر نے دی تھیں جبکہ پروڈیوسر کوئی نہیں تھا (بھئی مہنگائی بہت ہے)

۵۔ ویلکم پر بھیاجی نے "ناخنوں" کی تالیاں بجا کر حوصلہ افزائی کی (اتنی کنجوسی)

۶۔ کہانی گھر کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ جس میں "پھول" کے مرکزی افراد آئے۔ جن میں بھیاجی' ماریہ آپی' عقیلہ آپی' شہزاد بھائی اور غضنفر بھائی شامل ہیں (خصوصی توجہ کا شکریہ)

۷۔ شرکاء میں موجود سب سے صحت مند بچے کو بھیا نے دوہرا تحفہ دینے کا اعلان کیا (دو کی جگہ جو گھیرے ہوئے تھا)

۸۔ امی جان کے سپانسر کی وجہ سے تواضع کا انتظام "اطمینان بخش" تھا (حکومت کی پابندی کے باوجود)

۹۔ کہانی گھر کے اختتام پر بھیاجی نے کہا کہ آج کا دن ضائع نہیں گیا (شکریہ بھیاجی)

۱۰۔ تمام شرکاء کو پھول گفٹس اور خاص مہمانان کو کڑھائی کئے رومال اور قلم تحفتاً دیئے گئے (محنت کام آ گئی)

ٹائمز نرسری اینڈ جونیئر سکول

24- ٹمپل روڈ لاہور

مبارکباد

پھول کی سالگرہ کے موقعہ پر چیئرمین،
پرنسپل معہ سکول سٹاف جناب چیف ایڈیٹر،
ایڈیٹر اختر عباس، اعظم یاداور پھول انتظامیہ
کو دلی **مبارکباد**
پیش کرتے ہیں۔

جہالت ایک غربت ہے اس غربت کو
ملک سے ختم کرنے کیلئے پرائیویٹ تعلیمی
ادارے اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

ہمیں اپنا نظام تعلیم اتنا بلند کرنا چاہیے کہ کوئی غیر ملکی نظام اس کو چھو بھی نہ سکے۔ ٹائمز نرسری جونیئر سکول 1988ء کو وجود میں آیا۔ وجود میں آنے کی وجہ اس علاقے میں کوئی اچھی تعلیمی سہولتیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ لوگوں کو دور دراز علاقوں میں مہنگے ترین سکولوں میں جانا پڑتا تھا۔ قوم کو نونہالوں کو جدید دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تعلیم کے اجالے سے منور کرنے کیلئے اس درسگاہ کو اللہ پاک کے نام سے شروع کیا۔

خصوصیات 1- سال میں صرف ایک دن میرٹ پر داخلے ہوتے ہیں۔ 2- نرسری ڈیپارٹمنٹ میں تعلیم بذریعہ ویژول ایڈ۔ 3- نرسری کلاس کے بچوں کو ٹیبل منرز سکھانے کیلئے بچوں کو فری لنچ دیا جاتا ہے۔ 4- مکمل انگلش میڈیم سکول جہاں 6 مضامین انگلش میں پڑھائے جاتے ہیں اور ساتھ ہی عربی کی تعلیم بھی لازمی دی جاتی ہے۔ 5- پرائمری کلاسز میں کمپیوٹر کی تعلیم بھی لازمی ہے۔ 6- بچوں کے ماہانہ ٹیسٹ ہوتے ہیں اور فائلیں والدین کو گھروں پر بھیجی جاتی ہیں۔ 7- سالانہ رزلٹ 100% ہوتا ہے۔ 8- ہر ماہ کلر ڈے منایا جاتا ہے۔ 9- اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تجربہ کار اساتذہ کی زیر نگرانی تعلیم دی جاتی ہے۔ 10- سالانہ رزلٹ کے موقع پر بچوں کو گولڈ میڈلز، سلور میڈلز اور گفٹ پیک دیئے جاتے ہیں۔ 11- اپنے علاقہ کا بہترین ایوارڈ یافتہ سکول جس کو جناب سابقہ گورنر پنجاب شاہد حامد، جناب سابقہ گورنر سرحد اے آر بنگش اور فیڈرل سیکرٹری جناب ڈاکٹر صفدر محمود اور سابق وزیر اعظم جناب معراج خالد اور سابقہ لٹریسی ٹاسک فورس کے چیئرمین جناب میاں عمران احمد کی طرف سے بہترین سکول ایوارڈ دیئے گئے۔

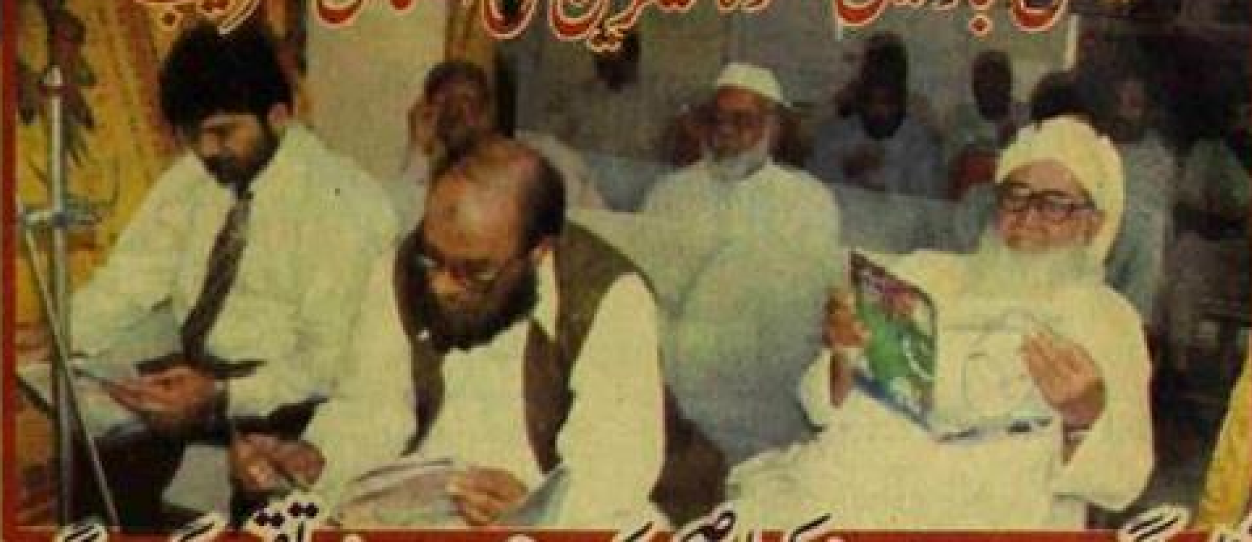
تعلیم کو نیکی سمجھتے ہوئے بچوں کو پڑھایا جاتا ہے۔ والدین بچوں کو اچھی تعلیم دلوانے کیلئے ایک اچھے سکول کا انتخاب کریں۔

BEST SCHOOL IN OUR TOWN

TIMES NURSERY JU NIOR SCHOOL (REGD)

24-TEMPLE ROAD LAHORE

فیصل آباد میں اسوہ میگزین کی افتتاحی تقریب



نظر لگنے سے بچانے کیلئے صحن کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا

وہ دونوں بکری کو بلی بنانے اور بتانے پر مصر تھے

ٹیبلو والے بچے کی کیسٹ ہی گم ہو گئی

آئٹم اچھا تھا مگر بلی موجود نہ تھی

ان کی تقریر خواتین بھی خاموشی سے سن رہی تھیں

بچے ٹیبلو پیش کرنے آئے تو کیسٹ گم ہو گئی

رپورٹ: عروج صدیقی

☆اسوہ پبلک سکول میں تقریب کیلئے صحن کو خوبصورتی سے سجایا گیا تھا اور اسے نظر لگنے سے بچانے کیلئے قنات لگا کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔

☆...... ایڈیٹر بھیا کے انتظار میں تقریب ایک گھنٹہ دیر سے شروع ہوئی۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ خود میزبانوں کی طرف سے لائے جانے کا انتظار کرتے رہے۔

☆تلاوت اور نعت کی سعادت حفظ کلاس کے طالب علم سیف الرحمٰن نے حاصل کی جبکہ کلام پاک کا ترجمہ نعمان اشرف نے پیش کیا۔

☆...... حمدیہ اشعار پڑھنے والی بچیوں بختاور صدیق' فاطمہ خالد' فریال اور سدرہ نواز کی آوازیں بالکل ایک جیسی تھیں (معلوم نہیں سب بول رہی تھیں یا صرف......)

☆...... پھول سے بچے عروہ یوسف نے مہمانوں کو پھول پیش کئے تو عروہ پھولوں کے گلدستے سے چھوٹا لگ رہا تھا۔ کچھ مہمانوں کو سٹیج پر بلا کر اور کچھ کو بیٹھے بٹھائے پھول پیش کر دیئے گئے۔

☆...... اسوہ پبلک سکول کی پرنسپل محترمہ مسز سنبلہ نے سکول اور اسوہ میگزین کا تعارف کرایا۔ انہوں نے بتایا کہ پہلی بار اردو' انگلش اور عربی میڈیم کو یکجا کر کے منفرد نظام تعلیم متعارف کرایا گیا ہے۔

☆حسان احمد نے اسماء ربی پیش کئے اور حاضرین سے خوب داد سمیٹی۔

☆پریپ کلاس کے بچے عمر صدیق' فاطمہ اور ربیعہ سٹیج پر آئے اور انگریزی کے چند اشعار پڑھ کر چلے گئے۔ حاضرین سمجھے شاید بچے نظم کے باقی اشعار بھول گئے ہیں حالانکہ یہ نظم اتنی ہی تھی۔ انہوں نے نظم میں پیارے اللہ جی کا شکر ادا کیا۔

☆ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم خطاب کیلئے آئے تو انہوں نے بچوں سے مخاطب ہونے کا کہا مگر وہ مہمانوں کا تعارف کروا کر چلے گئے۔ (انہوں نے بعد میں بتایا کہ خواتین کے مسلسل شور کی وجہ سے وہ بات نہ کر سکے) ڈاکٹر مدثر اکرام (دار ارقم والے) بھی تشریف لائے اور مختصر خطاب سے کام چلایا۔

☆...... احسن افتخار اور سدرہ بشیر حاضرین کو بتانے آئے کہ وہ اپنی بلی کے ساتھ کیسے کھیلتے ہیں۔ آئٹم اچھا تھا مگر بلی موجود نہ تھی۔ ہاں ایک خوبصورت بکری کو جس کے سینگ بھی تھے وہ بلی سمجھ کر حاضرین کو سمجھانے اور دکھانے کی کوشش کرتے رہے۔

☆...... سیف الرحمٰن اپنی ٹیم کے ساتھ عدنان سمیع کی نظم اے خدا' اے خدا پر ٹیبلو پیش کرنے آئے تو کیسٹ گم ہو گئی۔ بچے کافی دیر سٹیج پر کھڑے رہے لیکن کنفیوژ نہ ہوئے۔ (تربیت کی بات ہے)

☆...... مولانا مجاہد الحسینی نے اپنے خطاب میں کہا بچوں کیلئے لکھتے وقت اور مخاطب ہوتے وقت آسان الفاظ کا استعمال کرنا چاہئے۔ مولانا صاحب شاید تقریب کی کمپیئر سے مخاطب تھے کیونکہ انہوں نے خوب تیاری کر رکھی تھی۔ جملے بہت عمدہ اور تعارف خوب معلوماتی تھے۔

☆تمام حاضرین میں "اسوہ میگزین" کا ابتدائی شمارہ تقسیم کیا گیا۔ (کئی افراد نے دو' دو میگزین لئے)

☆ایل جی کی طرف سے بچوں کو تحائف دینے کیلئے قرعہ اندازی ہوئی تو عروہ یوسف نے پہلی دو پرچیاں اپنی ٹیچرز کی نکالیں۔ (بھئی! انہیں اپنی ٹیچر سے پیار جو ہے ان کا انعام کیوں نہ نکلتے)

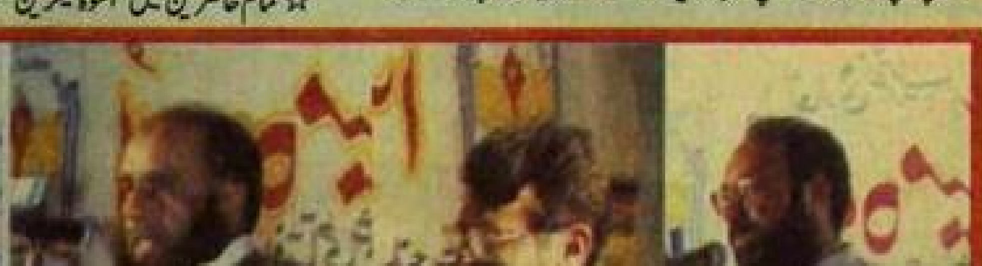
☆بچوں نے ایک خاکے کے ذریعے غیر نصابی اور ہم نصابی سرگرمیوں میں فرق واضح کیا (خاکے کے مکالمے بہت لمبے تھے مگر بچے پھر بھی فر فر پڑھ گئے) یہ خاکہ بہت پسند کیا گیا۔

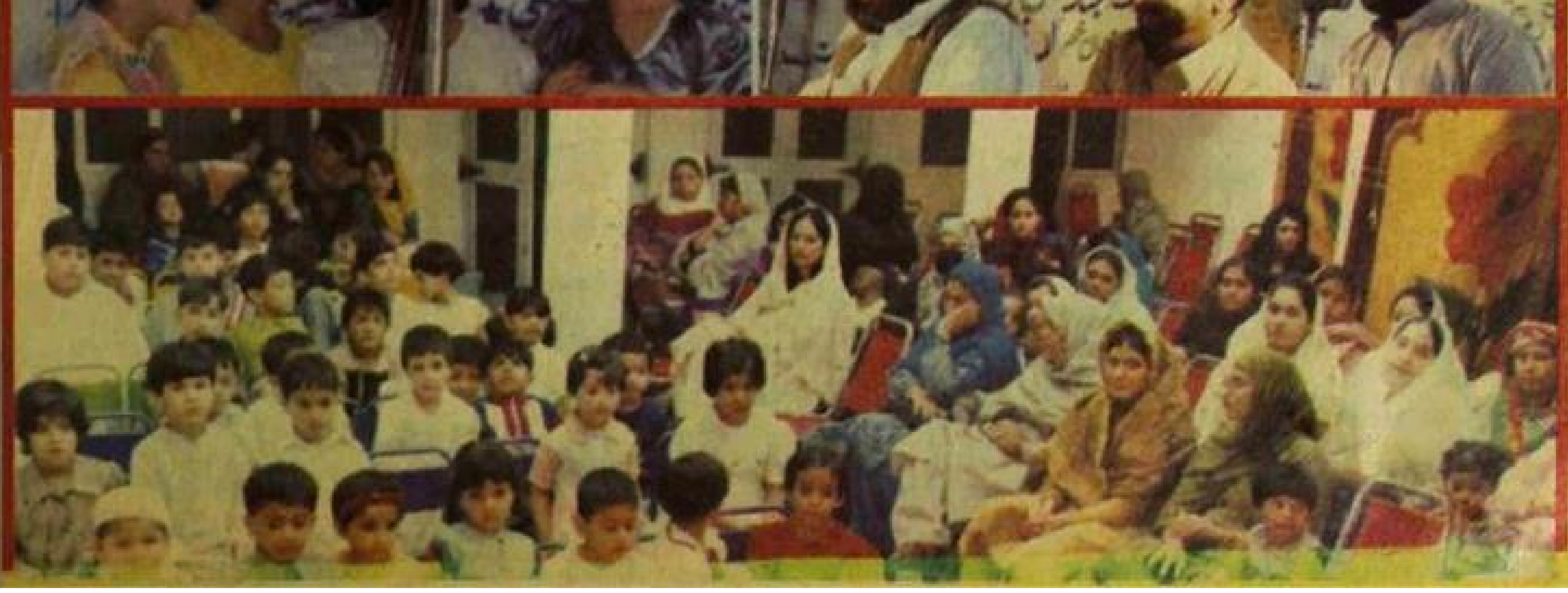
☆ایڈیٹر بھیا اختر عباس خطاب کیلئے آئے تو ان کی دلچسپ باتوں نے محفل کشت زعفران بنا دی۔ ان کی باتیں بھرپور توجہ سے سنی گئیں۔ یہاں تک وہ خواتین بھی خاموشی سے سن رہی تھیں۔ جنہیں پہلے بار بار کہہ کر خاموش کرایا جا رہا تھا۔ انہوں نے اسوہ میگزین پہ بھی مزے کے جملے کہے اور حاضرین کے سخت سنجیدہ رویے پہ بھی البتہ جب انہوں نے آخر میں دوسروں سے محبت اور خیال رکھنے والا عمدہ انسانی اخلاق کا ایک واقعہ سنایا تو کئی خواتین کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ انہوں نے کہا سکول میں نظام تعلیم اردو میں ہو یا عربی میں کچھ بچوں میں ایسا کردار آ گیا تو اس سے زیادہ کامیابی اور کیا ہو گی۔

☆صدر محفل چیئرمین بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری سکول ایجوکیشن ریاض احمد چوہدری بچوں سے بہت سی باتیں کرنا چاہتے تھے مگر مغرب کا وقت ہو گیا اسلئے انہوں نے اپنا خطاب مختصر کر لیا۔

☆...... آخر میں اسوہ ایجوکیشنل سوسائٹی کے صدر ڈاکٹر زاہد اشرف نے معزز مہمانوں کو شیلڈز پیش کیں۔ پھول کلب وکلی پنجاب کے صدر اعجاز احمد اعجاز اور فیصل آباد کے صدر فرحان جاوید بھی شرمائے شرمائے بیٹھے نظر آتے رہے۔







بے حسی کا بوجھ

سراج جتوئی ملتان



وہ ایک گرم دن تھا۔ صبح سے ہی گرمی پڑ رہی تھی۔ سورج کی شعاعیں تیر کی طرح جسم میں اتر رہی تھیں۔ پسینہ سانپ کی مانند سر کی چوٹی سے تلوؤں کی طرف رینگ رہا تھا۔ حلق بارش کی ترستی چٹان کی طرح چیخ رہا تھا اور روح بدن کی گرمی سے توے پر گری بوند کی مانند سسک رہی تھی۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا گھر کی طرف رواں دواں تھا چونکہ گرمی میں شدت عروج پر تھی اس لئے میں دفتر سے ایک گھنٹہ کی تاخیر سے نکلا تھا۔ پھر بھی گرمی اتنی تھی کہ قیامت کا دن یاد آ رہا تھا۔ میں نے ہاتھ میں پکڑی فائل کا دھوپ کی تمازت سے بچاؤ کے لئے سر پر سورج والی طرف سے چھجہ بنایا ہوا تھا۔ سامنے چوک تھا۔ ابھی میں چوک سے تھوڑا دور ہی تھا کہ چوک پر ٹریفک کو کنٹرول کرنے والی لائٹ سرخ ہوگئی اور ٹریفک رک گئی مگر میری چال میں کمی نہ آئی۔ تھوڑی دور آگے آ کر میں ٹھٹک کر رک گیا۔ میری نظریں بے اختیار ٹریفک کے اژدھام کے درمیان اٹھ گئیں۔ میری ٹکٹکی بندھ گئی مجھے بارہ تیرہ سال کا ایک سانولے رنگ کا بچہ جس نے میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھے نظر آیا۔ میں تھوڑا سا آگے بڑھا۔ میری نظروں نے اس کا اوپر سے نیچے کی طرف طواف کیا اور میری نظریں اس کے چھوٹے چھوٹے ننگے پاؤں پر جم گئیں جن پر مٹی، دھول اور میل کے دھبوں کے ساتھ ساتھ پگھلے ہوئے تارکول کے داغ بھی تھے۔ اس کی انگلیاں سوجی ہوئی تھیں اور پیروں کے کوہانوں پر خون کی لکیریں رینگ رہی تھیں۔ وہ نامہربان دہکتی زمین سے بچنے کے لئے کبھی ایڑیوں کے بل کھڑا ہوتا تو کبھی پنجوں پر زندہ جسم کا جنازہ اٹھاتا اور کبھی پورے معاشرے کی بے حسی کا بوجھ تلوؤں پر ڈال دیتا لیکن تپش تو تپش ہوتی ہے...... آگ تو آگ ہوتی ہے وہ ایڑیوں کو بھی اتنا ہی جلاتی ہے جتنا پنجوں اور تلوؤں کو۔

میں نے غور کیا بچہ گاڑی کے شیشے پر دستک دیتا تھا۔ ہاتھ باندھتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ گاڑی سے کوئی جواب آئے تیزی سے دوسری گاڑی کی طرف بڑھ جاتا تھا۔ اس نقل مکانی سے شاید اس کے پاؤں کو آرام ملتا ہوگا یا ہوسکتا ہے اسے گاڑی والوں کے جواب کا ادراک ہو۔ میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوچوں میں مگن تھا کہ سبز لائٹ جل پڑی اور ٹریفک کا اژدھام آہستہ آہستہ چھٹنے لگا۔ گاڑیوں کے حرکت میں آتے ہی بچہ بھی تیزی سے چلتا ہوا فٹ پاتھ پر موجود انتظامیہ کی طرف سے بنائی گئی "بیٹھنے کی جگہ" پر بیٹھ گیا اور پاؤں اٹھا کر بے اختیار انہیں پھونکیں مارنی شروع کردیں۔ یوں وہ تپش اور آگ کی حدت کو کم کرنے کی کوششوں میں مشغول ہوگیا۔ میں آہستہ آہستہ

چلتا ہوا اس کے پاس پہنچا اور ہمدردانہ نظروں سے اس کے پیر دیکھتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے جب مجھے دیکھا تو اپنے ہاتھوں کو باندھتے ہوئے رقت آمیز لہجے میں گویا ہوا ”صاحب! صبح سے بھوکا ہوں۔ اللہ کے نام پر کچھ خیرات دے دیں۔ اللہ آپ کو اور آپ کے بچوں کو سلامت رکھے اور کوئی دکھ نہ دے“۔ مجھے اس کی آنکھوں میں بھوک، چہرے پر بے چارگی اور آواز میں رحم کی اپیل واضح محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر میرا دل پسیج گیا اور آنکھیں ڈبڈبا اٹھیں۔ میں نے جیب سے کچھ پیسے نکال کر اسے دیئے اور اس سے اس کا نام پوچھا۔ پہلے تو اس نے مجھے ڈھیروں خلوص بھری دعائیں دیں اور پھر اپنا نام بتاتے ہوئے کہا ”جی میرا نام طارق ہے“ میں نے اس کی اس حالت کے بارے کریدا تو اس کی آنکھوں میں بھوک کے ساتھ ساتھ دکھ کی پرچھائیاں بھی نمودار ہو گئیں۔ اس کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں اور وہ رقت آمیز لہجے میں بولا ”صاحب! میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں۔ میرے والد ایک پرائیویٹ ادارے میں کلرک تھے۔ ہمارا گھرانہ متوسط تھا مگر اس وقت جب میں تیسری کلاس کا طالب علم تھا نجانے کس کی بددعا ہمارے ہنستے بستے آشیانے کو تباہ کر گئی۔ امی ابو بس کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے اور مجھے میرے انکل نے اپنے پاس رکھ لیا۔ انکل غیر شادی شدہ ہیں۔ شراب پیتے ہیں اور نشہ کرتے ہیں۔ وہ خود کوئی کام نہیں کرتے اور نشے کے پیسے پورے کرنے کے لئے مجھ سے بھیک منگواتے ہیں۔ نہ مانگوں تو مارتے پیٹتے ہیں۔ یہ دیکھیں میری پیٹھ پر نشان، یہ ان کی مار کا نتیجہ ہیں۔ مجھے پڑھنے کا بہت شوق تھا مگر ان کی وجہ سے سکول چھوڑ کر مجھے یہ کام کرنا پڑ رہا ہے۔ میں نے شروع میں گھر کا کام کرنے کے لئے بہت سے گھروں پر دستک دی مگر اس بے حس معاشرے نے مجھے ہر بار دھکے دے کر گھر سے باہر کیا۔ مجبوراً میں بھیک مانگنے لگا اور پچھلے چار سالوں سے معاشرے کی بے حسی کا بوجھ اٹھائے بھیک مانگتا پھر رہا ہوں“۔ آخر میں وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور اس کے جذبات آنکھوں سے رواں دواں ہونے لگے۔ میں نے بھی اسے دلاسہ نہیں دیا تاکہ وہ رو لے اور اس کے اندر دکھوں کا جو لاوا دہک رہا ہے وہ کچھ ٹھنڈا ہو جائے۔ تھوڑی دیر رونے کے بعد وہ میلے کپڑوں سے اپنے آنسو پونچھتا ہوا ٹریفک کے اژدھام کی طرف بڑھ گیا۔ مجھے اس سے ہمدردی اور معاشرے کی بے حسی پر افسوس ہونے لگا۔ میرے دل میں بچے کے لئے کچھ کر گزرنے کا جذبہ موجزن ہوا۔ اگلے روز دفتر کے بعد جب وہ مجھے اسی جگہ پر نظر آیا تو میں نے اسے وہ تھیلا دیا جس میں میرے بیٹے اسامہ کے جو کہ اس کا ہم عمر تھا استعمال شدہ کپڑے اور جوتے تھے۔ اس نے ایک نظر تھیلے کے اندر دوڑائی اور مجھے واپس کرتے ہوئے بولا ”صاحب! اگرچہ مجھے ان کی بہت ضرورت ہے لیکن ان سے بڑھ کر مجھے پیار، محبت، خلوص اور اپنائیت کی ضرورت ہے۔ ہو سکے تو وہ دے دیں۔ میں آپ کے گھر کا سارا کام کروں گا بدلے میں اتنا کیجئے گا کہ تین وقت کے کھانے اور رہائش کے ساتھ ساتھ اگر ہو سکے تو مجھے کسی سکول میں بھی داخل کروا دیجئے گا۔ میں آپ کے ہاتھ جوڑتا ہوں اور پاؤں پڑتا ہوں“۔ اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑتے ہوئے التجائیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ مجھے اس کے اس انداز پر ٹوٹ کے پیار آیا۔ میں نے اسے سینے سے لگا لیا اور یہ سوچتا ہوا گھر کی طرف روانہ ہوا کہ میں ”بچوں کے حقوق کے کنونشن“ (CRC)

(Convention of the right of the child)

کی شق نمبر 12 اور 20 کے تحت جو کہ اس بات کا احاطہ کرتی ہیں کہ بچہ اپنی رائے دے سکتا ہے اور اگر اس کے والدین نہیں ہیں یا وہ ان کے ساتھ غیر محفوظ ہے تو وہ خصوصی تحفظ اور مدد حاصل کر سکتا ہے۔ طارق کو اپنے گھر رکھوں گا۔ یہ کنونشن اقوام متحدہ کی طرف سے شروع کیا گیا اور پاکستان نے 12 نومبر 1990ء کو اس کی توثیق کی۔ ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ دس ہزار میل لمبی مسافت کا آغاز ہمیشہ چھ انچ کے پاؤں سے ہوتا ہے۔ میں نے یہ پاؤں اٹھا لیا ہے۔ انشاء اللہ میرے قدم ثابت رہیں گے اور میں معاشرے کی ”بے حسی کے بوجھ“ کو اس قابل بناؤں گا کہ یہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے!!

بہانے بہانے سے

زین فاطمہ: فیصل آباد

سات سال کی عمر میں جب میں نے پہلی بار نماز پڑھی تو ابو سے شاباش وصول کرنے کے ساتھ ساتھ دو روپے بھی حاصل کئے۔ جب مجھے نماز پڑھنے پر شاباش کے ساتھ دو روپے بھی ملے تو دو روپے کے لالچ میں سب چھوٹے بہن بھائیوں نے بھی نماز پڑھنا شروع کر دی اور ہمیں ہر روز دو دو روپے ملنے لگے۔ آخر یہ سلسلہ کب تک جاری رہ سکتا تھا۔ ایک دن ابو جی نے ہم سب کو علیحدہ علیحدہ نمازوں کا چارٹ بنا کر دیا اور ہدایت کی کہ سب بچوں نے ہر نماز پڑھنے کے بعد اپنی امی سے یا میرے سے ثبوت کے طور پر دستخط کروانے ہیں اور جو نماز قضا ہو جائے۔ اس پر کراس کا نشان لگا دینا ہے۔ اس طرح جس بچے کی نمازیں سب سے زیادہ ہوں گی۔ اسے ایک ہفتہ بعد دو روپے انعام دیا جائے گا اور جو بچہ ساری نمازیں پڑھے گا۔ اسے پانچ روپے ملیں گے۔ اب تو انعام حاصل کرنے کے لالچ میں سب بچوں نے پوری پوری نمازیں پڑھنا شروع کر دیں۔ پھر آہستہ آہستہ بغیر انعام کے ہم سب بچے نماز کے پابند ہونے لگے۔ میں بھی کبھار نمازیں چھوڑ دیا کرتی تھی۔ بعض اوقات تو میں پورا پورا ہفتہ نمازیں نہیں پڑھتی تھی۔ پھر ایک دن میری ایک دوست نے مجھے ایک واقعہ سنایا کہ ایک آدمی روزانہ پوری نمازیں پڑھتا تھا۔ ایک دن اس نے دو نمازیں چھوڑ دیں تو ایک جن نے اس کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا اور اب وہ آدمی کبھی نماز نہیں چھوڑتا اور جب کبھی چھوڑ بھی دے تو جن پھر اس کے منہ پر زور سے چانٹا مارتا ہے۔ یہ واقعہ سن کر تو میرے رونگٹے کھڑے ہوئے گئے اور میں نے جیسے نمازیں چھوڑنا بھول گئی۔ مگر جوں جوں بڑی ہوتی گئی تو اللہ میاں کی ناراضگی اور جہنم کی آگ سے زیادہ خوف آنے لگا۔ امتحانوں کے قریب تو خاص طور پر پنجگانہ نماز پڑھنے کے ساتھ تہجد بھی پڑھا کرتی تھی۔ اس طرح میں امی ابو کے علاوہ اللہ میاں کو بھی خوش رکھتی تھی۔ اللہ میاں خوش ہو کر طرح طرح کے طریقوں سے مجھے انعامات بھی بھجواتے تھے اور ساتھ میں جنت میں میرے نام پھلوں کا ایک درخت بھی مفت لگ جاتا تھا۔ مگر جیسے ہی میرے آٹھویں کے بورڈ کے امتحان رخصت ہوئے میں نے تمام انعام و کرام کی بارشوں کو بھلایا۔ نمازیں پڑھنا چھوڑ دیں۔ چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ تو لڑائی کرنا میرا معمول بن گیا تھا۔ اب میرے سے تو صرف شیطان ہی خوش تھا۔ باقی سب تو...... ظاہری سی بات ہے کہ شیطان تو اس وقت ہی خوش ہوگا۔ جب اللہ میاں کسی سے ناراض ہوں۔ میں نے تو اپنے گھر والوں کو بھی ناراض کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ امی ابو نے اپنی ناراضگی کا اظہار ڈانٹ ڈپٹ کی صورت میں کیا اور اللہ میاں نے امتحانوں میں کم نمبروں کی صورت میں۔ امتحانوں میں کم نمبروں کے صدمے سے تو میرا برا حال ہو گیا تھا۔ اب مجھے رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ کاش میں نمازیں نہ چھوڑتی۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ پھر کچھ دنوں بعد میں معمول پر آ گئی۔ میں نے نمازیں باقاعدگی سے پڑھنا شروع کر دیں اور سکول کے کاموں میں الجھ گئی۔ مگر ابھی بھی میرے دل میں شیطان کا ہیولہ باقی تھا۔ اسی لئے تو میں ہفتے کے دن کی نماز چھوڑ دیتی تھی۔ پہلے میں آپ کو یہ بات بتاتی چلوں کہ جس دن میں کوئی نماز چھوڑ دیتی تھی۔ اس سے اگلا دن میرا سکول اور گھر میں اچھا نہیں گزرتا تھا اور میں ٹیچروں کی ڈانٹ کے خوف سے پوری نمازیں پڑھتی تھی۔ ہفتے کے دن اس لئے چھوڑتی تھی کہ اتوار کو تو سکول سے چھٹی ہے تو پھر ٹیچروں کا کیا خوف، لیکن میں نے محسوس کیا کہ جب بھی میں نماز چھوڑتی ہوں اس دن میرا کسی کام میں دل نہیں لگتا اور رونے کو بے پناہ دل چاہتا ہے۔ مجھے یوں لگا کہ نماز میں صرف اپنے فائدے کے لئے پڑھتی ہوں۔ اللہ کو خوش کرنے کا خیال تو میرے دل سے نکل ہی گیا ہے۔ ایک طرف تو میں اپنے اللہ میاں کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے مجھے غافل ہونے سے بچایا اور میں رسی ڈھیلی نہ ہونے دی۔ پھر یہ بھی سوچتی ہوں کہ مجھ جیسی کو اللہ پاک بہانے بہانے سے بتاتے ہوں کہ تو میری طرف آ کر تو دیکھ۔ متوجہ نہ ہوں تو کہنا۔



یہ کیسا آدمی ہے

شکیلہ تبسم

"اوئے وجاہت! آج تم نے پھر میرے گاہک خراب کر دیے۔ تمہیں کم قیمت میں کپڑا بیچنے کا بہت شوق ہے تو کہیں اور جا کے بیچو یہاں ہرگز نہیں۔" نواب رحمت اللہ نے وجاہت کی دکان میں آ کر کاؤنٹر پر ہاتھ مارتے ہوئے وجاہت کو سختی سے پکار کر کہا۔

"دیکھیں چچا! میں کم قیمت میں کپڑا ہرگز نہیں بیچتا بلکہ جائز اور مناسب وصول کرتا ہوں۔ آپ کی طرح گاہکوں کی کھال نہیں ادھیڑتا کہ ایک دفعہ آ کر وہ دوبارہ میری دکان پر چڑھنے کی ہمت نہ کریں۔ میرے ابا تو اتنے عرصے سے کپڑے کا کاروبار کر رہے ہیں۔ انہوں نے تو یہی اصول بتایا ہے۔ پھر آپ کا کام تو پھر نیا نیا ہے۔" وجاہت نے قدرے نرمی سے نواب رحمت اللہ کو کاروبار کی چابی کا اصل راز بتاتے ہوئے کہا۔ "بس بس میں سب جانتا ہوں دو دن کا چھوکرا اور چلا ہے مجھے نصیحتیں کرنے۔ بس کہہ دیا میں نے اگر دوبارہ تم نے میرے گاہک خراب کیے تو میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں" نواب نے انتہائی ترش روی سے کہا۔

"کیا کہا تم نے؟ پھر کہنا ذرا؟" ایک ملازم نے نکل کر نواب کا گریبان پکڑ لیا اور پھر بات ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ بازار کے لوگوں نے درمیان میں آ کر بیچ بچاؤ کروا دیا۔ اس روز شیخ عبدالرحمن مال لینے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ شام کو جب شیخ عبدالرحمن گھر واپس لوٹا تو وجاہت نے باپ کو تمام حالات سے باخبر کر دیا۔ شیخ عبدالرحمن بہت نیک اور شریف انسان تھا۔ اس کی نیکی، شرافت اور سادگی کی وجہ سے اکثر لوگ ان سے ہی کپڑا خریدتے تھے۔ دوسری بڑی بات یہ تھی کہ وہ بہت خوش اخلاق تھے۔ کسی گاہک سے زیادہ منافع وصول نہ کرتے، کون سے کپڑا کا رنگ اترتا ہے کون سا کپڑا پائیدار ہے کون سے کپڑے کی گارنٹی ہے۔ سب وضاحت کر کے کپڑا بیچتے کہ گاہک بعد میں شکایت نہ کرے۔ اسی وجہ سے تقریباً تمام بازار میں ان کی دکان سب سے زیادہ چلتی تھی اور پھر کپڑا بھی ہر قسم کا ہر موسم میں ان کے پاس موجود ہوتا تھا۔ انہی چند خوبیوں کی وجہ سے شیخ عبدالرحمن کی دکان شہر کی مشہور ترین دکان سمجھی جاتی تھی۔

شیخ عبدالرحمن بخوبی واقف تھا کہ اصل غلطی نواب رحمت اللہ کی ہے مگر اس کے باوجود اس نے اپنے بیٹے سے کہا "چلو بیٹا نواب رحمت اللہ کے گھر۔ تم ابھی ان سے اپنی غلطی کی معافی مانگو وہ تم سے بڑے ہیں اور پھر ہمارے ہمسائے بھی میں بات کو آگے نہیں بڑھانا چاہتا۔ پھر ہم کو ایک ہی جگہ رہ کر اپنا رزق تلاش کرنا ہوں لڑنے مرنے سے فائدہ؟" وجاہت سب کچھ جانتے ہوئے بھی باپ کو انکار نہ کر سکا اور اٹھ کر باپ کے ساتھ چل دیا۔ "چچا! مجھے معاف کر دیں پلیز انشاءاللہ آئندہ میں آپ کو بھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا" وجاہت نے نواب رحمت اللہ کے ڈرائنگ روم میں اس کے پاس بڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بس بس میں سب جانتا ہوں روزانہ میری آدمی سے زیادہ بکری چھین لیتے ہو اور اب چلیں ہیں معافی مانگنے۔" نواب صاحب نے اپنے اندر چھپا تمام غصہ نکالتے ہوئے کہا۔ نہیں دوست! ایسا ہرگز نہیں ہے ہر انسان کی قسمت میں جو رزق لکھ دیا گیا ہے اسے ہر حال میں وہی ملتا ہے لیکن انسان کو اپنی کوشش ضرور جاری رکھنا چاہئے۔ دیکھو ابھی تو ہمارے بازار میں صرف چند دکانیں کپڑے کی ہیں اگر تمام دکانوں پر کپڑے کا کاروبار کیا جانے لگے تو کیا تمام لوگ بھوکے مر جائیں گے ہمارے سوا ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ہر شخص اپنے نصیب کا رزق ہر حال میں حاصل کر لیتا ہے۔ پھر ابھی تمہارا کام نیا نیا ہے تمہیں چاہئے کہ گاہکوں سے خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔ کپڑے کی خوبیوں خامیوں سے آگاہ کر کے مناسب منافع سے کپڑا فروخت کرو، پھر انشاءاللہ تمہارے گاہک بھی پکے ہونے لگیں گے اور بکری بھی بہتر۔" شیخ عبدالرحمن نے نواب کو کاروبار کی بنیادی باتوں سے آگاہ کرتے ہوئے انتہائی نرم لہجے میں کہا۔ جہاں تک بات تلخ کلامی کی تھی تو بیٹے نے معافی مانگ کر بات ختم کر دی ہے۔

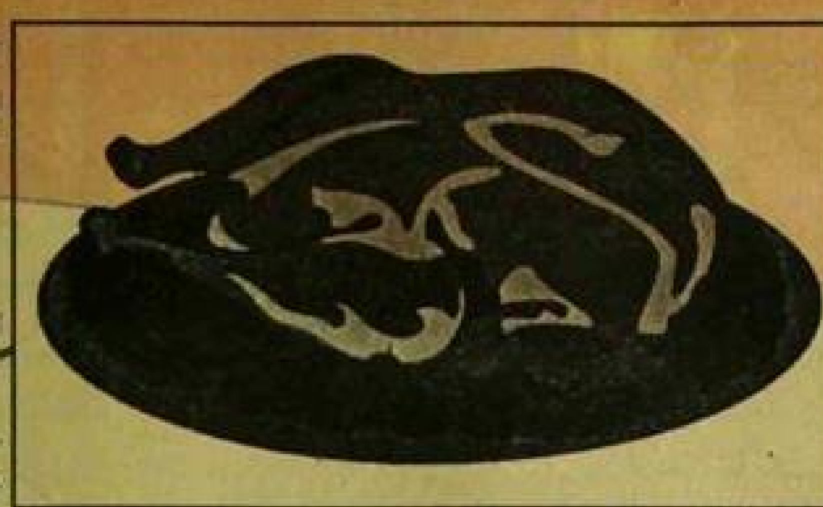
"ہوں دیکھوں گا" نواب رحمت نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "دیکھنا کیا ہے بیٹے وجاہت نے تم سے معافی تو مانگ لی ہے اب ہمارے تمہارے درمیان کوئی رنجش نہیں رہنی چاہئے۔" شیخ عبدالرحمن نے تمام جھگڑا محبت اور خلوص کے چند الفاظ سمیٹ کر ختم کر دیے۔ اگلی صبح وجاہت حسین نے نو بجے کے قریب دکان کھولی، مناسب جھاڑ پونچھ اور صفائی کے بعد وہ تلاوت قرآن میں مصروف ہو گیا۔ یہ وجاہت کا روز کا معمول تھا کہ وہ کاروبار کا آغاز کرنے سے پہلے ایک آدھ گھنٹہ تلاوت قرآن پاک ضرور کرتا اور پھر کام شروع کرتا۔ وہ تلاوت سے فارغ ہوا تو والد شیخ عبدالرحمن بھی دکان پر آن پہنچے۔ اسی اثناء میں چند پولیس کے لوگ وارنٹ گرفتاری کے ساتھ دکان کے اندر داخل ہوئے۔ "مسٹر وجاہت حسین کے خلاف تھانے میں پرچہ درج کروایا گیا ہے کہ اس نے نواب رحمت اللہ پر قاتلانہ حملے کی کوشش کی ہے۔ اسی جرم میں ہم گرفتار کرنے آئے ہیں۔" پولیس کے آدمیوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر وارنٹ گرفتاری دکھاتے ہوئے تفصیل بتائی۔ یہ سن کر شیخ عبدالرحمن کا غصے سے خون کھولنے لگا "ابھی رات تو ہم صلح کر کے آئیں اور اب صبح یہ .... "خیر بیٹا وجاہت، تم جاؤ ان کے ساتھ، میں ابھی کچھ کرتا ہوں۔" شیخ عبدالرحمن نے اپنے بیٹے کو پولیس کے ساتھ جانے کو کہا۔ پھر وہ کچھ سوچنے لگا اور اپنے دوست وکیل کو فون کیا اور تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔

"آپ بے فکر رہیں شیخ صاحب، ابھی چند گھنٹوں تک ضمانت کا انتظام ہو جائے گا اور باقی کام بھی میں خود دیکھ لوں گا۔" وکیل صاحب نے تفصیلات سننے کے بعد شیخ صاحب کو بھرپور تسلی دیتے ہوئے کہا۔ پھر چند گھنٹے بعد ہی وجاہت حسین اپنی دکان پر موجود تھا پہلے تو وہ ناچار ایک دفعہ نواب صاحب سے معافی مانگ چکا تھا مگر اب وہ اپنی بے عزتی کا بھرپور بدلہ لینے کا سوچ رہا تھا پھر کہتے ہیں "جوان خون تو جوان ہوتا ہے، جوش تو مارتا ہے نا"۔ شیخ عبدالرحمن بھی لڑائی جھگڑوں کے حق میں نہ تھے وہ تو صلح کے لئے پہلا قدم بھی اٹھا چکے تھے لیکن جب نواب صاحب کو چین نہیں تو پھر ہم کیوں پیچھے ہٹیں۔ وجاہت حسین نے تمام دن اندر ہی اندر کھولتے ہوئے گزارا۔ شیخ عبدالرحمن نے بھی نواب رحمت اللہ کو مزا چکھانے کی ٹھان لی تھی پھر اسی روز شام کو وہی پولیس کے لوگ نواب رحمت صاحب کو گرفتار کر کے لے گئے چونکہ نواب اکیلا اپنی دکان چلاتا تھا اس لئے اسے فوراً دکان بند کر کے تھانے جانا پڑا۔ پھر وہ دو دن تک جیل میں بند رہا۔ کوئی بھی اس کی ضمانت دینے کو تیار نہ تھا کہ وہ ہے ہی جھگڑالو آدمی۔ جب دو روز تک کسی نے دکان نہ کھولی، پیسے نہ کمائے اور کوئی گھر نہ لوٹا تو تیسرے روز صبح ہی صبح نواب کی بیوی شیخ صاحب کے پاس چلی آئی۔ "شیخ صاحب! پلیز میرے میاں کی ضمانت کروا دو۔ میں نے اسے لاکھ سمجھایا لڑائی جھگڑوں میں نہ پڑو چپکے سے اپنا کام کرتے رہو اللہ ضرور برکت دے گا مگر وہ میری سنتا کہاں ہے۔ آپ تو بڑے ہیں آپ چاہیں تو میرا میاں رہا ہو سکتا ہے پلیز کچھ کریں۔ میں ہمیشہ آپ کی احسان مند رہوں گی۔" نواب کی بیوی نے التجائیہ انداز میں درخواست کی۔ شیخ صاحب تو ہمیشہ کے نرم دل ٹھہرے ذرا سی تکلیف سن کر موم ہو جاتے۔ "تم چلو بہن میں ابھی کچھ کرتا ہوں" شیخ صاحب نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ وجاہت حسین تو ابھی نواب صاحب کو اور مزا چکھانا چاہتا تھا۔ مگر شیخ صاحب کو اس کے بیوی بچوں کی فکر دامن گیر تھی۔ اسی لئے فوراً نواب کی ضمانت کے لئے تھانے چل دیے۔

پولیس والے حیران تھے نواب رحمت اللہ، شیخ عبدالرحمن کو اپنے ضامن کے روپ میں دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا۔ "رکیے شیخ صاحب! مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے"۔ نواب رحمت اللہ شیخ صاحب کو تھانے کے دروازے سے باہر نکلتے دیکھ کر فوراً پکار اٹھے۔

میں واقعی غلطی پر تھا میں جن لوگوں کی شہ پر آپ سے لڑتا جھگڑتا رہا اور آپ کی تذلیل کی۔ ان میں سے کوئی بھی میری مدد کو نہ آیا۔ پولیس والے حیران تھے کہ یہ کیسا آدمی ہے اپنے مخالف اور دشمن کی ضمانت دینے چلا آیا ہے۔ وہ کیا جانیں نفرت اور غصہ تو ایسا زہر ہے جو اپنی ہی جان کو روگ لگا جاتا ہے۔ ہاں محبت اور معافی بھی تو اسی دل سے پھوٹتی ہے جہاں سے نفرت نے جنم لیا ہوتا ہے دل بڑا ہو تو یہ جذبے بڑی سی جگہ گھیرتے ہیں۔

آمنہ احتجاب



انسانی غذا میں گوشت کی اہمیت مسلمہ ہے۔ پتھر کے زمانہ سے لیکر اب تک گوشت حضرت انسان کی سب سے پسندیدہ خوراک رہی ہے۔ کچھ لوگ سادہ گوشت پسند کرتے ہیں جبکہ کچھ لوگوں کو بکرے کی کلیجی، مغز، زبان اور پائے زیادہ پسند ہوتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں اپنے اندر بے پناہ غذائیت رکھتی ہیں۔ حیوانی لحمیات کو نباتاتی لحمیات پر فوقیت حاصل ہے۔ گوشت میں جتنی چربی کم ہوگی اتنی ہی پروٹین زیادہ ہوگی اور جتنی پروٹین ہوگی اتنے ہی نمکیات بھی موجود ہونگے۔ dragan meat خاص طور پر کلیجی فولاد کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسکے علاوہ فاسفورس، سلفر، پوٹاشیم اور بہت کم مقدار میں کیلشیم بھی گوشت میں پایا جاتا ہے۔ وٹامن B کمپلیکس کی فراہمی کیلئے بھی گوشت اہم ہے۔ گوشت کی نرمی اور تازگی، جانور کی عمر، اسکی صحت وہ حصہ جہاں سے گوشت اتارا گیا ہو اور چربی کی کم مقدار پر منحصر ہوتی ہے۔ تازہ اور اچھے گوشت کی خصوصیات:

گائے کا گوشت سرخ رنگ کا ہوتا ہے اور اسکی چربی کریم رنگ کی سفیدی مائل ہوتی ہے۔ جبکہ بچھڑے کا گوشت ہلکا گلابی رنگ کا ہوتا ہے اور اس میں چربی کی مقدار بہت کم ہوتی ہے۔ اس گوشت میں نمی کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ میمنے کا گوشت سرخی مائل گلابی ہوتا ہے اور اسکی چربی کا رنگ سفید ہوتا ہے۔ بکرے کے گوشت کا رنگ گہرا سرخ اور اسکی چربی سخت، کھردری سفید رنگ کی ہوتی ہے۔

اچار گوشت

اشیاء: گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے آدھ کلو، دہی کلو، تیل یا گھی آدھ کپ، ادرک، لہسن پسا ہوا، ایک ایک چائے کا چمچ پیاز ایک عدد، سبز مرچ آٹھ، سرخ مرچ، میتھرے، سونف، سفید زیرہ، کلونجی، نمک، سب ایک ایک ٹی سپون۔

ترکیب: پیاز کو تیل میں براؤن کر کے گوشت دھو کر ڈال دیں۔ لہسن اور ادرک بھی ڈالدیں۔ بھون کر گوشت کا پانی خشک ہونے دیں۔ بیف یا مٹن ہو تو گلانے کیلئے تھوڑا سا پانی ڈال دیں۔ دہی میں نمک، مرچ ڈال کر پھینٹ لیں



اور گوشت میں ڈال کر پکنے دیں۔ جب دہی تقریباً خشک ہونے کو ہو تو سونف، میتھرے، زیرہ اور ہری مرچ کاٹ کر ڈال دیں۔ دس منٹ ہلکی آنچ پر دم پر رکھیں۔ یہ زیادہ خشک سا اچھا لگتا ہے۔

(غزالہ صدیق۔ راولاکوٹ آزاد کشمیر)

فرائی گوشت

اشیاء: بکرے کا گوشت۔ ایک کلو، پیاز دس عدد (درمیانہ سائز) لیموں سوکھے ہوئے دس عدد، نمک، کالی مرچ حسب ذائقہ۔

ترکیب: پیاز گول کاٹ کر ان کو فرائی کر لیں۔ اس میں گوشت کو ہلکا براؤن کر لیں۔ لیموں کو پیس کر سفوف بنا لیں اور اس پاؤڈر کو گوشت میں ڈال دیں۔ نمک و کالی مرچ ڈال کر ہلائیں اور پانی ڈال کر گلنے کیلئے رکھ دیں۔ جب گوشت گل جائے تو اس میں تھوڑی ہری مرچ اور ہرا دھنیہ چھڑک کر اچار اور ابلے چاولوں کیساتھ گرم گرم پیش کریں۔ (میمونہ مدثر۔ شارجہ)

گوشت کے پسندے

اشیاء: آدھ کلو پسندے، پیاز آدھ پاؤ، لہسن ایک گٹھی ادرک آدھ چھٹانک، سبز الائچی دس عدد، گرم مصالحہ پسا ہوا ایک ٹی سپون، گھی تین چھٹانک، دہی تین چھٹانک۔

ترکیب: گھی گرم کر کے پیاز تل لیں۔ بادامی ہونے پر گوشت ڈال کر ہلکی آنچ پر سرخ ہونے دیں پھر ادرک اور سبز الائچی پیس کر ڈال دیں۔ پانی کا چھینٹا دے کر بھونیں اور پھر دہی ڈال کر بھونیں۔ دہی کا پانی خشک ہونے پر گرم مصالحہ اور نمک و مرچ ملا دیں اور اتنا پانی ڈالیں کہ پسندے گل جائیں (پسندے جلدی گل جاتے ہیں لہٰذا پانی تھوڑا ڈالیں) پانی خشک ہونے پر بھون لیں اور جب گھی علیحدہ نظر آنے لگے تو اتار لیں۔ پسندے تیار ہیں۔ (ثانیہ ملک۔ چکوال)

کچن ٹپس

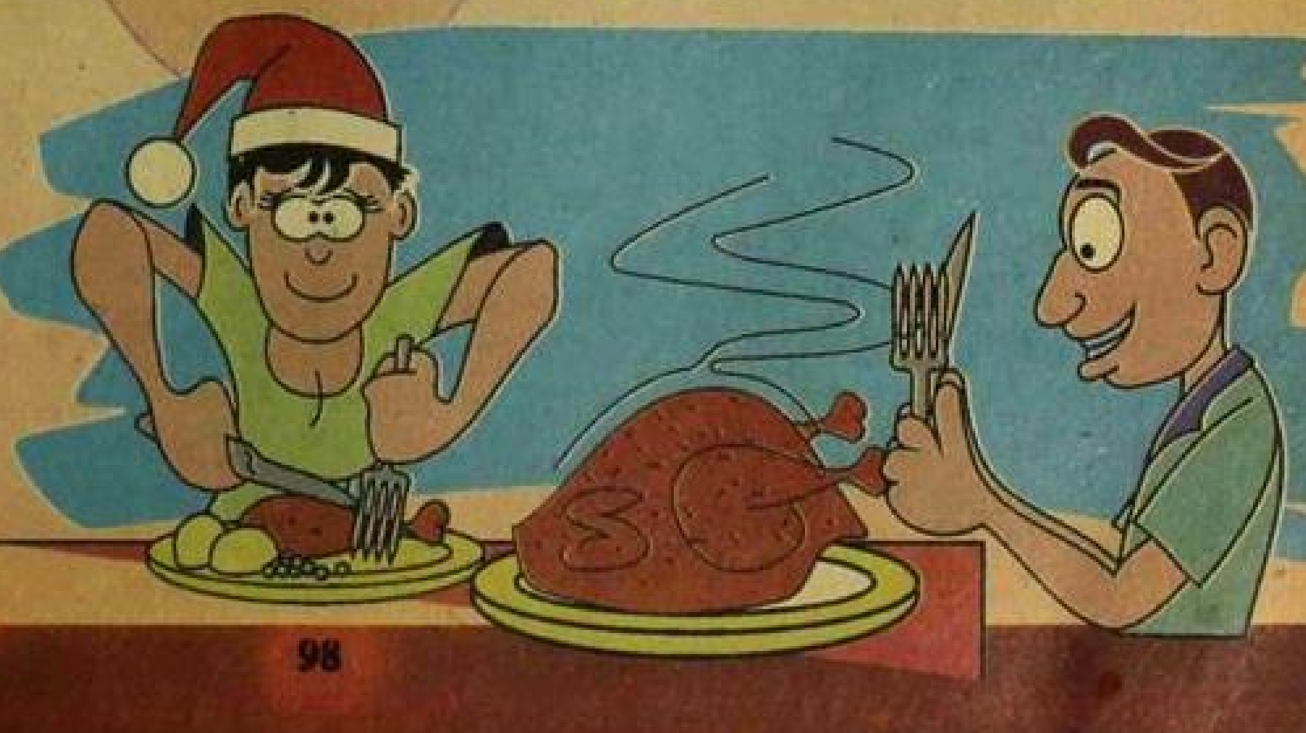
چیونگم اتارنے کے لئے روئی کے پھاہا پر مٹی کا تیل لگا کر رگڑیں (سعدیہ صابرہ۔ چنی گوٹھ)

اگر ہنڈیا میں نمک زیادہ ہو جائے تو گندھے ہوئے آٹے کا پیڑہ اس میں ڈالیں (مہوش عابد۔ جڑانوالہ)

بیوٹی ٹپس

منہ سے پیاز کی بو دور کرنے کیلئے تھوڑا سا دھنیہ چبا لیں۔ (عافیہ رحمت۔ کراچی) کہنیوں کو گورا کرنے کیلئے کسی پیالے میں تین چمچ دودھ ڈال کر آدھا لیموں نچوڑ لیں۔ جب دودھ پھٹ جائے تو اس پیسٹ کو کہنیوں پر ملیں۔ لگاتار ایک مہینہ کرنے سے کہنیاں صاف ہو جائیں گی۔ (شازیہ رشید۔ کراچی)

ان ساتھیوں کی تحریریں بھی ہم تک پہنچی ہیں لیکن شہر کے نام کے بغیر مثلاً اسلم خان، فریحہ، رفعت سعدیہ، رابعہ نیازی، ثناء اسلام، صائمہ عباس ڈار، رملہ کنول اور سیالکوٹ سے ایمن سلیم اعوان، ماریہ فیاض، سعدیہ طارق، فرح سعید، شہلا اختر، ساہیوال سے آمنہ حمید، قاریہ زہرا اور فیصل آباد سے ملیکہ سعید، صوفیہ وقاص، آپ سب کا بہت بہت شکریہ۔



آغوش

صدف بتول خان۔ صادق اباد

سورج کی تیز کرنوں کے گھاو سے کوئی بھی محفوظ نہیں تھا۔ گرمی اور حبس نے حضرت انسان کو چاروں شانے چت کیا ہوا تھا لیکن بیشتر کام ایسے تھے جو بہت سوں کے مابین یوں بنے ہوئے تھے کہ شدت اور حدت کی زنجیریں بھی رکاوٹ نہ ڈال سکیں۔ مریم اپنی امی کے ساتھ بہت دیر سے شاپنگ کر رہی تھی کیونکہ گھر میں روزمرہ استعمال کی اشیاختم ہو چکی تھیں اور بھائی نے اسے چند کتابیں لانے کو کہا تھا۔ گرمی کی چبھن اور حرارت سے بازار میں وہ زیادہ دیر رکنے کو تیار نہیں تھی ''امی میرا دم گھٹ رہا ہے پلیز جلدی چلئے'' مریم نے رکشے کی طرف بڑھتے اور شاپنگ بیگ سنبھالتے ہوئے کہا۔ رکشہ چلا تو گرم اور تپتی ہوا عذاب جاں بنی وہ تنگ کر بولی 'سورج بدلہ چکانے کو کم تھا جو اس ہوا نے بھی مہمان نوازی شروع کر دی'' کس بدلے کی بات کر رہی ہو؟'' امی نے ٹشو پیپر ہاتھ میں لپیٹتے ہوئے حیرانی سے پوچھا ''کہیں اور بھی اتنی شدت کا موسم ہو گا۔ بارش اور گھٹاؤں کی دعا مانگتے برسات گزر جائے گی لیکن قبولیت ندارد'' مریم کا لہجہ شکووں کی بھٹی میں تپ رہا تھا۔ امی نے کچھ نہ کہا۔ تھوڑی دیر میں گھر آ گیا بلکہ وہ گھر تک آ پہنچیں۔ اترتے ہی مریم نے بیل پر انگلی رکھی اور اس وقت اٹھائی جب گولڈی نے آ کر دروازہ کھولا۔ وہ اپنے ہاتھ سر پر رکھے دھوپ سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا ''اتنی دیر لگا دیتے ہو۔ میں تو مکئی کا بھٹہ بننے والی تھی باہر'' اس کی بڑبڑاہٹ میں فرق نہیں آیا تھا۔

امی نے سامان رکھا۔ اتنے میں عمران بھائی شربت لے آئے ''جنہیں کہہ رہی تھیں کہ دوپہر میں جانا ہے امی تو شام کو جا رہی تھیں۔ اب شکایتوں کی رسیدیں بھی ہمیں کو تھما رہی ہو؟'' عمران بھائی پاکستان کا میچ ہے شام تو اس لئے جلدی گئی تھی ...... اور اگر شربت بنا لیتے ہیں تو چینی کے تین چمچ اور شربت کے ایک قطرے کی ریشو مت رکھا کریں ویسے شکریہ'' مریم کی بیزاری ایک حد تک کم ہوئی تھی۔ پھر وہ امی اور بھائیوں کو باتیں کرتے چھوڑ کر سونے کے لئے چلی گئی A. C کی ٹھنڈی اور میٹھی ہوا کے جھونکوں کی آمد پر جلد ہی وہ نیند سے ناطہ جوڑ بیٹھی۔

آنکھیں کھلیں تو عصر کی اذان ہو رہی تھی۔ دھوپ ڈھلتے ڈھلتے دیواروں پر اتر آئی



تھی۔ ناراض سی مریم کے سکون میں خلل نہ ڈالنے کے لئے۔ اسے اب تک اپنے پپوٹے بھاری لگ رہے تھے "تھوڑا سا اور سو جاؤں تب اٹھ کر نماز پڑھ لوں گی" خود کو ملمع زدہ بہانے سے بہلا کر وہ دوبارہ سو گئی۔ "آپا اٹھئے نا کتنے گھنٹوں سے سو رہی ہیں" گولڈی نے مریم کو کندھے سے ہلا کر اٹھایا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو نظام شمسی کا صدر اپنی ایک ایک کرن سمیٹ کر نئی منزل کی جانب جا چکا تھا "اوہ نماز کا وقت بھی گزر گیا۔ تھوڑی دیر سورج رہتا تو ادا کر لیتی" اس کے عدل کے ترازو یقیناً بہت ٹیڑھے تھے۔ کبھی تو اتنی بیزاری کہ وجود بھی ناقابل برداشت اور کبھی اپنے مفاد کی خاطر موجودگی پر اصرار بہرحال اسے اپنے رویئے پر افسوس ہو رہا تھا۔ اوپر والے کے بنے بنائے اصولوں کو Indirectly سنائی تھیں شائد اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیا ہے میں نے؟" سوچوں میں کھبے ہوئے امی جان کو دھنئے کی بجائے پودینہ پکڑایا تو وہ بولیں "کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ الٹی سیدھی باتیں کرتی ہو اب کام بھی الٹے سیدھے" "اوہ سوری سویٹ مدر" اس نے امی کو ایک جملے کے تحفے سے فوراً منا لیا۔

اسی فارمولے پر عمل کرتے ہوئے مغرب کی نماز کے بعد اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور وہ الفاظ زبان اور دل کے تھال پر اشرفیوں کی طرح گرانے لگی جو بہت دیر سے اکٹھے کر رہی تھی "اے میرے پروردگار! تیرے لئے قلم میں وزن کہاں؟ بات میں چبھن کہاں؟ سوچ میں وسعت کہاں؟ لفظوں میں چاشنی کہاں؟ بس دل و دماغ میں ایک احساس ہے کہ میں نے غلط کیا میں نادم ہوں اور معافی کی خواستگار ہوں۔ تو نے توبہ کے دروازے کبھی بند نہیں کئے۔ شائد ان میں قفل کے لئے کوئی جگہ نہیں بنائی گئی۔ مجھے پتا ہے کہ تو گنہگاروں سمیت سبھی کی سنتا ہے۔ اس کے بعد وہ بھائیوں کے پاس ٹی وی کے سامنے آ بیٹھی۔ بہت زبردست میچ تھا' سنسنی خیز۔ اپنی جگہ شدید موسم کا گلہ کرنے والی اسی جگہ اسی ملک کی کامیابی کے لئے مسلسل دعا میں مصروف تھی۔ تسبیح ہاتھ میں حرکت کر رہی تھی۔ رات گئے تک میچ جاری رہا۔ کبھی آس پر اوس پڑتی کبھی امید کا پودا پھل دیتا۔ اسی مدوجزر میں فیصلہ ہو گیا اور پاکستان جیت گیا۔ غالباً اس کی دعا میں پنہاں جذبے کو کوئی آغوش میسر آ گئی تھی۔ "ہم ہیں پاکستانی ہم تو جیتیں گے ہاں جیتیں گے" تینوں مل کر باآواز بلند نغمہ گا کر خوشی اگل رہے تھے۔ امی مسکرا مسکرا کر انہیں تک رہی تھیں۔ اتنے میں بیل ہوئی ابو آئے تھے انہیں لاہور میں کوئی خاص کام تھا۔ کئی دنوں بعد لوٹے تھے گولڈی تو ابو ابو کہتے' دیکھتے ہی لپٹ گیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ بتانے لگے کہ ان کی زمین پر قبضہ کرلیا گیا ہے۔ دوسری پارٹی ہے تو مضبوط مگر وہ بھی اچھا وکیل کر کے آئے ہیں اس سلسلے میں وہ پریشان تھے لیکن خدا سے دعا گو بھی تھے۔ مریم اداس سی ہو گئی سکول میں بھی کھوئی کھوئی رہی۔ زمین ان کا آسرا تھی اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا کہ حقداروں کا حق چھیننے والے تحفظ کی چار دیواری میں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اسے قارون کے خزانوں اور فرعون کی سلطنت کی چاہ نہیں تھی اپنی چیز کو اپنا رکھنا چاہتی تھی۔ وہ گہری سوچوں پر اندیشوں اور آس کے پردے گرانے میں مگن تھی کہ گولڈی نے اپنی نوٹ بک سامنے لا کر رکھ دی "آپا LMC کیسے لیتے ہیں؟" مریم نے پین اٹھایا اور اسے سمجھانے لگی۔ زیرو' ون' ٹو' تھری اور پھر کتنے سلسلے بن کر اربوں تک یہ عدد پہنچ گئے۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے اور رستے کی عفریتوں اور دلدلوں سے بچتے بچاتے کارواں منزلیں طے کرتا رہا۔ بیشمار قافلے سے بچھڑے ہوں گے کسی کا نوالہ بنے ہوں گے لیکن صلہ دینے والے نے صلہ پانے والوں کو مایوس نہیں لوٹایا۔ میرا اللہ' پیارا سا رب بھی مجھے مایوس نہیں لوٹائے گا۔ سوال سمجھاتے ہوئے وہ ان باتوں میں الجھ گئی۔ فارغ ہو کر کمرے میں آئی تو امی کو پریشان دیکھ کر سبب پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ ایک طرف زمین کا معاملہ دوسری طرف عمران کو انجینئرنگ یونیورسٹی میں ایڈمٹ کروانا ہے۔ میں بہت پریشان ہوں حالات کیسے ٹھیک ہوں گے؟ اس نے امی کے گال پر پیار کیا "میری امی جی! جس نے اتنا نوازا ہے وہ آزما رہا ہے۔ امتحان لے رہا ہے۔ انشاء اللہ ہم سب اچھی تیاری سے فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوں گے" امی مسکرانے لگیں "اور تمہارے پچھلے امتحان کا رزلٹ کب آ رہا ہے؟" امی کل آئے گا

"بس امی آپ مجھے بتا دیجئے کہ میرا قصور کیا ہے؟" بیگ کرسی پر پھینک کر وہ سیدھی کچن میں امی کے پاس آئی۔ غصے اور دکھ کے آثار اس پر یوں چھائے ہوئے تھے جیسے پانی سے بھرے بادل آسمان پر۔ اس سے پہلے سکول سے وہ اتنے خراب موڈ میں کبھی نہیں آئی تھی "میں فرسٹ کیوں نہیں آئی۔ تھرڈ کیوں آ گئی ہوں؟" یہ اتنی شرمندگی والی بات تو نہیں" امی نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا "مجھے معلوم تھا آپ بھی ایسا ہی کہیں گی۔ کیا میرا کوئی حق نہیں تھا؟ دن رات پڑھا سب کچھ اچھا ایمپٹ کر کے آئی تھی۔ ہر نماز کے بعد دعا کی' رزلٹ صفر رہا۔ میرے ساتھ ہی ایسا ہونا تھا؟ دعائیں تو بر آنے کے لئے ہوتی ہیں پھر......" اس کے بعد مریم کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ جستجوئیں اور آرزوئیں جب یوں چوٹ کھائیں تو ان کے راگ بھیرویں میں لے نام کی کوئی شے باقی نہیں بچتی۔ "او بھئی پوزیشن ہولڈرا کیا بھوکے ہی قبرستان روانہ کر دینے کا ارادہ ہے؟" عمران بھائی مریم کے بارے میں "معلومات" لے کر اندر آئے تھے۔ مریم چپ چاپ بیٹھی تھی "ویسے فرسٹ اور سیکنڈ آنے والی سٹوڈنٹس" "پلیز مت نام لیں ان کا" اس نے بھائی کی بات نفرت کے چاقو سے کاٹ ڈالی۔ "ماشاء اللہ دو مرتبہ ٹاپ نہیں کیا تو اتنا نیگیٹو رویہ" وہ اسے حقیقت قبول کرنا سکھا رہے تھے "آپ اندازہ نہیں کر سکتے مجھے کتنا افسوس ہوا ہے۔ میں اتنی جلدی خود کو کور کیسے کر لوں۔ جب مان ہو اور ٹوٹ جائے بکھر جائے" مریم کی آنکھوں کا مطلع خاصا ابر آلود ہوا پھر موسلا دھار بارش ہونے لگی "ٹیک اٹ ایزی اتنے ملی میٹر بارش سے سیلاب آ گیا تو خطرناک انجکشن لازماً لگیں گے اور اگر پانی میں بہہ گئی تیرنا بھی تو نہیں آتا تمہیں" وہ فوراً بولی "سیلاب سے درخت بھی گرتے ہیں کسی شاخ کا سہارا لیا جا سکتا ہے" "ارے واہ اس کا مطلب ہے مشکل سے بچ نکلنا' آگے بڑھنا تمہارے لئے اتنا مشکل نہیں۔ پھر تم پوزیشن کے لئے کوئی شاخ نہیں ڈھونڈ سکتی؟" کچھ دیر سوچنے اور گہرا گہرا سانس لینے کے لئے مریم نے سر ہلایا "ٹھیک ہے پلے۔ آج تمہیں بھی ٹینس سکھا دوں" ریکٹ اور بال اٹھائے وہ مریم کے ساتھ کھیلنے لگے۔

عشا کی نماز سے سب فارغ ہو چکے تھے۔ مریم حیلے بہانوں کا سہارا لئے ہوئے تھی۔ جب دعا قبول نہ ہوئی' ہاتھ پھیلانے کی وقعت نہ رہی پھر جھکنا کیسا؟ حقوق اور فرائض کی ریشو عجیب ہو جاتی ہے جو حق نہیں دیتا فرض ادا کرنے میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے؟ "مریم نماز پڑھ لی تم نے؟" "جی...... پڑھنے لگی ہوں" وہ ہاتھ دھونے آئی تھی امی نے پوچھا تو بات بدل دی اب پوری کرنے کے لئے بادل نخواستہ وضو ہو رہا تھا۔ پھر

جا نماز پر کھڑی ہو کر اس نے خالی دل سے نیت باندھ لی۔

ابو امی کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ کیس کر دیا تھا مگر اپنے حق میں فیصلہ ہونے کے امکانات کافی کم دکھائی دے رہے تھے۔ دوسری پارٹی جھوٹے گواہوں اور روپے پیسے کی بدولت اپنی پوزیشن مضبوط تر بنا رہی تھی۔ امی بلاناغہ سورہ یٰسین اور نوافل پڑھتیں۔ انہیں اللہ کی طرف سے انصاف کی پوری امید تھی اس کی عظیم درگاہ سے خالی ہاتھ لوٹ آنے کا تصور تک ان کے ذہن میں نہیں تھا۔ مریم کی حالت ان کے برعکس تھی۔ دل میں جذبے اور ولولے ٹھاٹھیں کیا مارتے وہاں اتار چڑھاؤ تک نہ تھا! چار سو ویرانی اور مایوسی کی دھوپ میں جلتی رہتی کہیں چھاؤں کہیں سایہ نظر نہ آتا۔ چار دیواری میں دم گھٹتا۔ دل لگا کر نہ پڑھ سکتی تھی نہ کھیل سکتی تھی۔ ایک سراب میں قید تھی قریب آنے پر سب کچھ مٹ جاتا تھا۔ عجیب لمحے تھے۔ عجیب سلسلے تھے۔

اس رات خاموشیوں کی چادر اوڑھے سب بیٹھے ہوئے تھے۔ ہائی کورٹ کے فیصلے کے مطابق زمین پر ان کا کوئی حق نہیں تھا! حق بات کہا گیا تھا اور اوپر والے کی گہری چپ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی "ہم سپریم کورٹ میں اپیل کریں گے۔ میرا رب ظالم کا نہیں ہوتا" امی نے آنکھوں میں آنسو بھر کے گویا فیصلہ سنا دیا۔ آخر انہیں فرسٹ ڈویژن میں پاس ہونا تھا......

"مریم یہ لوچند سورتیں پڑھ کر سچے دل سے معافی مانگ کر دعا کرو تاکہ ہماری مشکلیں آسان ہوں" امی نے شہزاد رائے کی آڈیو پر سر دھنتی مریم کو آواز دی۔ وہ باہر نکلی، وضو کے بعد آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی کمرے میں چلی آئی۔ سارے چہرے پر اداسی اور مایوسی کی خود رو جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ قرآن پاک احترام سے اٹھایا اور چوما۔ معلوم نہیں عادت تھی منافقت تھی یا مجبوری؟ مختلف سورتیں پڑھتے پڑھتے وہ سورہ رحمٰن تک آ پہنچی۔ یہ "مہرباں" کی سورہ تھی پس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے" وہ پڑھتی گئی "دونوں مشرقوں کا مالک ہے اور دونوں مغربوں کا مالک ہے۔ صرف تمہارے رب کی ذات عظمت و کرامت والی ہے باقی رہے گی۔ اور جتنے لوگ سارے آسمان و زمین میں ہیں سب اسی سے مانگتے ہیں۔ گنہگار تو اپنے چہروں سے ہی پہچان لئے جائیں گے۔ پس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ تمہارا رب جو صاحب جلال و کرامت ہے اس کا نام بڑا بابرکت ہے" پھر ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ چھناکے سے کچھ ٹوٹ گیا۔ مریم کے وجود نے اس سے بغاوت کر دی تھی۔ قفل کھل گئے تھے۔ اس نے تو منہ موڑنا چاہا تھا مگر وہ اس جاہ کیسے رہ سکتی تھی جدھر "لافانی ذات" موجود نہ ہو۔ He is everywhere. وہ رگوں سے زیادہ قریب تھا۔ زمین پر پیار اتارنے والا خود کس قدر پیارا ہو گا۔ اس کے پیار کا شمار کرنا اس نے کبھی بھی نہیں سیکھا تھا۔ وہ تو اول تا آخر پیار ہی پیار تھا۔ مہرباں ہی مہرباں۔ رحیم ہی رحیم۔ اسے پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کر بیٹھی تھی اور اب کیا ہو چلا تھا۔ دل دماغ سے سارے عضو آنکھیں بن گئے وہ آنکھیں جو سپیدی سے پہلے احساس کر کے برس پڑتی ہیں۔ اتنے عرصے بعد گم گشتہ خزانہ مل گیا تھا۔ اتنی میل لمحوں میں دھل گئی۔ وہ کتنا بے نیاز ہے۔ "توحید ہستی ہم ہیں سارا جہاں ہمارا۔ ہم کافروں کے کافر، کافر خدا ہمارا" ابو البابہ کی طرح وہ توبہ کے ستون سے بندھ گئی تھی، ماں کی ڈوری تھامے کہ رحمت کے دریچے لے کر جائے گی کتنی دیر سے سمجھ آئی تھی۔ جب فائدہ ہوا تو اس کے حضور جھکنے میں خوشی محسوس ہوئی جب وقتی فائدہ نہ ملا تو فرض، خود غرضی کی بھینٹ چڑھ کر کٹی ہوئی پتنگ کی طرح فضا میں لہرایا۔ کاش کہ فرائڈ، والسن، اتنی سی دیدہ بینا رکھتے اس بندھن کی تہیں کھولتے Analyse کرتے۔ آفتاب کی کڑکتی دھوپ کی بجائے وہ اس "تپش" میں جل رہی تھی۔ اب کبھی ابو امی وسوسوں میں گھرے نظر آتے تو وہ خواہش کرتی کہ جس آغوش میں وہ جا بسی ہے سب کے سب وہاں امڈے آئیں۔

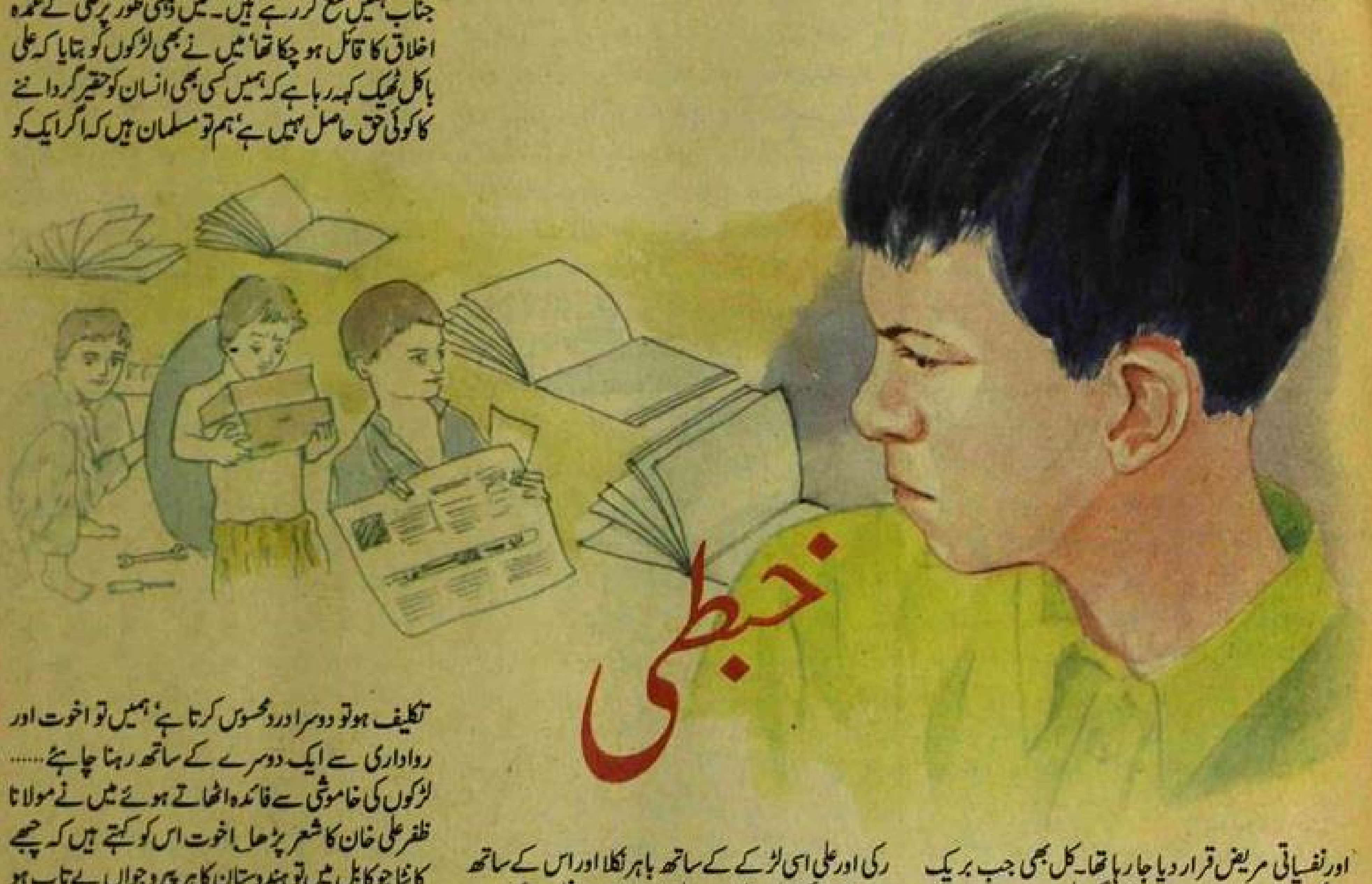
عمران بھائی حیران تھے مریم کی سوچوں کے موسم پر جو خزاں چھائی رہتی تھی وہ خود بخود بہار میں کیسے بدلتی گئی۔ پیارا گھر جس مشکل میں گرفتار تھا یہ اس کا اثر تھا یا اس کی ذاتی پریشانی اور عزائم کا رونا جس میں ناکامی پر اس نے حقیقت قبول کرنا شروع کر دی تھی۔ کئی ہفتے گزر گئے ان کا کیس چلتا رہا۔ روز بروز پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ ابو کی صحت اتنی اچھی نہیں رہی تھی۔ بھائی پڑھائی کے لئے پریشان اور امی سبھی کی خاطر۔ گولڈی گھر میں کسی خاصے مسئلے پر بڑوں کو فصیح و بلیغ باتیں کرتے سنتا اور دیکھتا۔ ہو سکتا ہے اس کا ننھا سا دل بھی دعا کرتا ہو۔ دنیاوی مسائل بھی عجیب ہوتے ہیں کبھی تو دنیا کا بنا دیتے ہیں اور کبھی اس سے دور لے جاتے ہیں بہرحال مریم نے دعا مانگنے اور سجدہ ریز ہونے کا ڈھنگ بدل لیا تھا۔ جب جائے نماز بچھا کر دوپٹہ اوڑھ کر کھڑی ہوتی تو شرمندہ سی نگاہیں اوپر ہی نہ اٹھا پاتی۔ پانچ وقت کی نماز پڑھ کر محسوس ہوتا کہ پیدا کرنے والے کی محبت ہر سو بکھر گئی ہے۔ طمانیت کا ایک احساس سا چھا جاتا۔

کورٹ کا فیصلہ اس ماہ کے آخری ہفتے کو سنایا جانا تھا۔ بڑے صبر اور امید سے اس دن کا انتظار کرتے چلے آ رہے تھے۔ ابو دو دن پہلے ہی اسلام آباد چلے گئے تھے۔ آج شام انہیں لوٹنا تھا۔ شام نے پر پھیلائے سب کی نظریں دروازے پر جم گئیں خوشخبری یا ......؟ بالآخر ابو آ گئے۔ مریم کا دل زور سے دھڑکا۔ آسمان کی طرف دیکھا اس کی سیاہ چادر پر سفید موتی جڑے ہوئے تھے! ابو اندر داخل ہوئے ان کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا اور چہرے پر خوشی اور فخر کے جذبات کا بے پناہ ہجوم۔ جسے دل سے عادل پکارا تھا، جس کی جانب آس لگائی تھی وہ کب مایوس کرنے والا تھا! فیصلہ ان کے حق میں ہوگیا تھا۔ اب وہ شکریہ کب اور کیسے کہتی۔ اسے پکارنے کے لئے ہر ہر لفظ ناموزوں لگ رہا تھا۔ پیار اور رحمت سے بھر دینے والے کے لئے شکریہ بہت چھوٹا لفظ تھا۔ وہ تو سب سے بڑھ کر تھا۔ رحمت دو عالمؐ کو پیدا کرنے والا۔ خود غرضی کا بت خود پر کر کے حضرت انسان اصل میں کبھی خوشنما نہیں رہا۔ مریم کچھ تو سمجھ گئی تھی۔ اس "پروسیجر" کا مقصد اور مصلحت...... وہ اپنی آنکھیں نہیں کھول رہی تھی وہ ادراک ہی نہ کر سکتی تھی کہ اس کی بارگاہ تک پہنچنے سے پہلے دل میں شک کا شائبہ بھی منزل سے دور کر دیتا ہے۔ مانگنا بھی اسی سے اور جتلانا بھی؟ پلکوں نے کھلنے سے انکار کر دیا تھا آنسوؤں کا بار اٹھائے آنکھیں اس کے سارے چہرے کو پانی پانی کر رہی تھیں وہ اس کے حضور جھکی بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر آغوش میں تھی اٹھ نہیں رہی تھی۔ صرف یہی کہ خدا سے محبت کا دعویٰ کیا جائے جو عقل کی وسعت سے بڑھ کر قبول کرنے والا ہے وہ نظریں اٹھا کر دیکھتی کہیں سے طعنہ زنی ہوتی نہ نشتر لگتے نہ طنز کے تیر برستے......

خبطی

محمد اسجد سلیم گوجر خان

جمال کی بلند آواز فضاء میں گونجی۔ ''ارے یار علی! یہ کیا تمہیں ہر وقت نصیحتیں ہی نصیحتیں کرنے کی عادت ہے کبھی تو کسی کو کچھ کرنے دیا کرو'' اور علی حسب معمول جمال کو سمجھانے لگا کہ اصل میں معاملہ کیا ہے...... پوری کی پوری کلاس علی کی نصیحتوں سے عاجز تھی...... علی کو ایک خبطی



اور نفسیاتی مریض قرار دیا جا رہا تھا۔ کل بھی جب بریک ہوئی اور تمام لڑکے باہر بھاگے' مگر علی صاحب تھے کے حبیب کو پکڑے نصیحتوں میں مصروف...... دو دن پہلے کی ہی بات ہے کہ اسمبلی کیلئے گھنٹی بجی' تمام لڑکے بمعہ علی' جب واپس آئے تو کلاس روم کی لائٹس اور پنکھے اسی طرح آن تھے...... علی نے فوراً مانیٹر صاحب سے اس لڑکے کا پوچھا کہ کس کی آج ڈیوٹی تھی اور لگے حسب معمول نصیحتوں سے نوازنے...... آخر یہ لڑکا اپنا دماغ کیوں خرچ کر رہا ہے؟ کیا اسے نصیحتیں کرنے کا خبط ہے؟ کیا یہ جنونی ہوتا جا رہا ہے؟...... میرا آج کلاس میں تیسرا دن تھا' میں مسلسل علی' اور کلاس کے بیچ اس کشمکش کا مشاہدہ کر رہا تھا' میرے ذہن میں بھی بہت سے سوالات' جوابات کیلئے کلبلا رہے تھے...... میں موقع کا منتظر تھا کہ علی سے ملوں اور اس

سارے قصے کا پس منظر جان سکوں...... لیکن آج جو میں سکول سے واپسی پر ڈرائیور کے ساتھ گھر جا رہا تھا کہ عجب سا منظر دیکھا۔ علی نے اپنی گاڑی ایک اخبار بیچنے والے لڑکے کے پاس روکی' اس سے ایک دو باتیں کیں اور اسی کو اپنے ساتھ بٹھا لیا...... میں جو علی کی نفسیات کو جاننے کیلئے بے چین تھا' فوراً ڈرائیور سے علی کی گاڑی کا پیچھا کرنے کا کہا' چند لمحوں کے بعد علی کی گاڑی ایک غریب سی بستی میں

رکی اور علی اسی لڑکے کے ساتھ باہر نکلا اور اس کے ساتھ اس کے کچے ٹوٹے پھوٹے مکان میں داخل ہو گیا...... میری نظریں مسلسل علی اور اس لڑکے پر تھیں...... بعد میں جو منظر میری آنکھوں نے دیکھا' وہ مجھے تمام سوالات کے جوابات دے گیا...... علی اس اخبار بیچنے والے لڑکے کو پڑھا رہا تھا' جو بڑے ذوق و شوق سے علی کی باتیں سن رہا تھا...... جو معلومات میں نے اس لڑکے کے بعض اہل محلہ سے معلوم کیں' ان کے مطابق وہ اپنی بیوہ ماں کا واحد سہارا تھا اور اس کا نام امجد تھا...... میرے ذہن میں علی' اپنی نہ مٹنے والی تصویر نقش کر چکا تھا' وہ بے شک مخلوق خدا سے بے لوث محبت کرنے والے' ایک بے غرض فرشتے کا روپ تھا......

تقریباً ایک گھنٹے بعد علی کی گاڑی دوبارہ روانہ ہوئی

اور جس کا اختتام سفر ایک شاندار کوٹھی پر ہوا...... میں علی کی شخصیت کے سحر میں مکمل طور پر کھو گیا۔ اگلے دن سکول پہنچا تو حسب معمول کلاس میں علی کی نصیحتیں جاری و ساری تھیں اور تمام کلاس علی کا مذاق اڑا رہی تھی۔ میں نے جو چند لڑکوں سے وضاحت طلب کی تو بمطابق توقع جواب ملا کہ آج کلاس میں ایک غریب سا لڑکا داخل ہوا ہے کہ جس کا رنگ سیاہ ہے اور تمام کلاس اسے مختلف ناموں سے پکار رہی ہے۔ علی کو یہ دیکھ کر سخت دکھ ہوا اور وہ جناب ہمیں منع کر رہے ہیں۔ میں ذہنی طور پر علی کے عمدہ اخلاق کا قائل ہو چکا تھا' میں نے بھی لڑکوں کو بتایا کہ علی بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے کہ ہمیں کسی بھی انسان کو حقیر گرداننے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے' ہم تو مسلمان ہیں کہ اگر ایک کو

تکلیف ہو تو دوسرا درد محسوس کرتا ہے' ہمیں تو اخوت اور رواداری سے ایک دوسرے کے ساتھ رہنا چاہئے...... لڑکوں کی خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے مولانا ظفر علی خان کا شعر پڑھا' اخوت اس کو کہتے ہیں کہ چبھے کانٹا جو کابل میں تو ہندوستان کا ہر پیر و جواں بے تاب ہو جائے میں جو اس لمحے کا منتظر تھا کہ لڑکے کچھ سبق سیکھ کر اس کے ساتھ اپنا رویہ درست کر لیں گے لیکن یہاں تو معاملہ ہی برعکس تھا...... وہ مجھے اس شعر پر یوں داد دے رہے تھے کہ جیسے کہ یہ میری اپنی سوچ کا شاہکار تھا...... مجھے قدرے مایوسی ہوئی لیکن علی کی ایک تھپکی نے مجھے سب کچھ بھلا دیا...... وہ مجھے کلاس روم سے باہر کینٹین میں لے گیا...... میں وہ پہلا لڑکا تھا کہ جس نے کھل کر علی کی باتوں کی سرعام حمایت کی تھی اور میری اس نڈر حرکت نے مجھے علی کے دل میں جگہ دے دی...... چند ہی لمحوں بعد میں علی سے پوچھ رہا تھا کہ آخر تم اتنے امیر گھرانے کے چشم و چراغ ہو لیکن تمہارا رویہ تو تمہاری دولت سے ان گنت گنا بڑا ہے؟ آخر اس کی وجہ؟ علی نے میرے سوال

کرنے کے انداز سے میری ذہن میں پڑی گرہیں کھولنے کا فیصلہ کر لیا تھا' وہ چند ثانیے میری باتوں پر غور کرتا رہا پھر بولا...... "یار! جب انسانی زندگی میں خود غرضی خود پسندی اور مفاد پرستی چھا جاتی ہے' تو انسان' انسان نہیں رہتا۔ وہ ایک بے جان لاش کی طرح ہوتا ہے' وہ صرف اپنے سکون کو تلاش کرتا ہے' اسے ان ان گنت انسانوں کی پروا نہیں ہوتی کہ جنہیں زندگی صرف اور صرف ستاتی ہے' رلاتی ہے' وہ یہ بھول جاتا ہے کہ زندگی کے اس حسین گلشن میں کتنے کتنے پیارے پھولوں کو مسلا جا رہا ہے۔ کتنی خزائیں' بہاروں کی جگہ لے رہی ہیں اور کتنے نخلستانوں کو ویرانوں میں بدلا جا رہا ہے...... اسے ان سے کوئی غرض نہیں ہوتی' اس کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے...... خود غرضی...... مفاد پرستی...... دھوکہ دہی کی دنیا...... علی جذبات میں بہت کچھ کہہ رہا تھا لیکن میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں...... علی اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا...... آج سے ایک سال پہلے میں بھی اسی دنیا کا فرد تھا' میری دنیا' اپنی ذات تک محدود تھی' میں اپنے سوا ہر کسی کو بھول چکا تھا' میرے پاس دنیا کی ہر دولت تھی' میں ہر چیز خرید سکتا تھا' جو چاہتا' کھاتا اور جو چاہتا پیتا' مگر ایک دولت میرے پاس نہ تھی اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اسے کیسے خریدوں...... میری زندگی میں یہ تمام سہولتیں تھیں مگر میں کبھی چین کی نیند نہ سویا' مجھے ہمیشہ مایوسی' تنہائی اور احساس کمتری کی فکر گھیرے رکھتی' میں ہمیشہ بے سکون رہا...... میری ماں' جدید طبقے کی ایک فیشن پرست اور ماڈرن خاتون ہیں۔ پارٹیز اور فنکشنز کرنا ان کا مشغلہ ہے جبکہ میرے ابو ایک بہت کروڑ پتی بزنس مین ہیں۔ لیکن میری بدقسمتی کہ میری ملاقات امی' ابو سے صرف ناشتے کی میز پر ہوتی ہے اور ہوتی تھی اور میں...... ڈرائیور کے ساتھ سکول جاتا ہوں' واپس آتا ہوں اور دن گزار کر سو جاتا ہوں...... میری زندگی صرف اور صرف سکول کے گرد گھومتی تھی یا پھر گرمیوں کی چھٹیوں میں جب میں اپنے انکل جو کہ سکاٹ لینڈ میں ڈاکٹر ہیں۔ کے پاس چلا جاتا تھا...... اور پھر یونہی حسب معمول میں برطانیہ گیا...... اپنے کزن نوید کے ساتھ' ہم شہر کی خوبصورتی سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ اچانک ہی ایک بوڑھا شخص ہماری کار کے سامنے آ گیا' جو شکل سے انگریز لگ رہا تھا...... حادثہ بہت سیریس تھا' نوید نے بوڑھے کی پرواہ نہ کرتے گاڑی بھگا دی اور خود بے فکر ہو کر گھر آ گئے اور اس حادثے کو ایسے سمجھ کر فراموش کر دیا کہ جیسے کوئی جانور ہماری گاڑی تلے آ گیا تھا...... اتفاق کی بات کہ وہ زخمی شخص میرے انکل ہی کے ہسپتال میں لایا گیا۔ انکل سے ہم نے جو کار ایکسیڈنٹ سے زخمی ہونے والے بوڑھے کا سنا تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ہم نے ہمت کر کے مزید پوچھا تو پتہ چلا کہ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے اور وہ خطرے سے باہر ہیں...... ہم از راہ ہمدردی وہاں گئے کہ کونسا ان کو پتہ ہے کہ حادثہ ہماری کار سے ہوا ہے لیکن وہاں تو معاملہ ہی الٹا ہو گیا...... وہ شخص جو شکل سے انگریز لگ رہا تھا' بولا...... "میرا نام عبدالرحمٰن ہے' میں نے ایک سال پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ میں نے حادثہ کے وقت نہ صرف آپ کو دیکھ لیا تھا بلکہ آپ کی گاڑی کا نمبر بھی میری جیب میں موجود ہے۔ میں سب باتوں سے قطع نظر آپ سے صرف یہ پوچھتا ہوں کہ کیا آپ واقعی مسلمان ہیں؟ کیا ایک مسلمان کے بارے میں' میں نے جو پڑھا ہے' وہ سب غلط ہے؟ تم اپنے خدا اور رسول ﷺ کے احکامات کی یہ پیروی کر رہے ہو؟ تمہارے رسول ﷺ تو بے سہاروں کا سہارا تھے مگر تم تو کسی کے بے سہارا کر کے' مجھ جیسے نو مسلم کو یہ سبق دے رہے ہو کہ یہ مسلمان ایسے ہوتے ہیں۔ واقعی یہ ڈوب مرنے کا مقام تھا...... ہمارے سر ندامت سے جھکے ہوئے تھے مگر میرا ذہن تو فیصلہ کر چکا تھا کہ اس کا مداوا کیا کرنا ہے؟ یہ کہہ کر علی نے ایک لمبی آہ بھری اور بولا...... میں نے اپنے آپ سے عہد کر لیا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے گا میں ذاتی مفاد اور ذاتی غرض سے ہٹ کر دوسروں کی خیر خواہی سوچوں گا اور اس پر عمل کروں گا۔ اب میری یہ حالت ہے کہ میں غلط کام اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا نہیں دیکھ سکتا' مجھے بے اختیار انہیں سمجھانا پڑتا ہے کہ وہ صحیح نہیں کر رہے ہیں...... میرا ذہن کسی غلط چیز کو نظر انداز نہیں کرتا۔ میری سوچ پر جو تازیانہ اس نو مسلم نے لگایا تھا' اس کی ٹیسیں ابھی تک محسوس ہوتی ہیں۔

تمہیں پتہ ہے ذیشان! علی مجھ سے مخاطب ہوا...... جب میں کسی برائی کو روکتا ہوں' جب میں کسی نادار بچے کی فیس اپنی جیب سے ادا کرتا ہوں یا جب کسی مفلس بچے کو پڑھاتا ہوں تو مجھے کیسا احساس ہوتا ہے...... ایسا محسوس ہوتا ہے' ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میرا دل خوشی سے بھر گیا ہو مجھے اپنے آپ سے محبت ہو جاتی ہے' مجھے اپنے خدا اور رسول ﷺ سے محبت کا نیا سبق ملتا ہے یہ کہہ کر علی کی بھرائی ہوئی آواز ڈوب گئی میں نے اسے سہارا دیا اور ہم کلاس روم واپس آ گئے ایک دن بعد ہی علی کے ساتھ ساتھ میں بھی ایک ایسے ہی بچے ابرار کو پڑھا رہا تھا کہ جو ایک موٹر مکینک کی دکان میں ملازم تھا وہ پڑھنے کا بے حد شوقین تھا لیکن مفلسی اور گردش دوراں کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے یہ اوزار ہاتھ میں لینا پڑے تھے اور جب میں ابرار کو پڑھا کر نکلا تو ایسا محسوس ہوا کہ گویا میری روح میں ایک عجیب سی تازگی' ایک عجیب سا ٹھنڈک اور سکون کا احساس اتر گیا ہو میں بے قرار تھا کہ اس احساس کا دوبارہ مزا لوں اور اب علی کے ساتھ ساتھ میں بھی خبطی قرار دیا جا رہا تھا لیکن مجھے اس کی پروا بھی نہیں۔

بقیہ: جڑانوالہ

وصول کی۔ تیسرا ڈرامہ علامہ اقبال پبلک سکول کے بچوں نے الیکٹرک مشین پیش کیا۔ ڈراموں کے دوران حاضرین کے پیٹ میں ہنس ہنس کر بل پڑ گئے۔ ڈرامے تینوں بڑے ہی اچھے تھے اور سبھی نے پسند کیا۔ کوئی ایک آدھ شخص ہی ہو گا جسے ڈرامے پسند نہ آئے ہوں۔ شاہین پبلک سکول کے بچوں نے "اوی تیری اوی میری" پیش کیا جس میں دلہن کے رونے کی ایکٹنگ بڑی زبردست تھی (کیونکہ وہ رونے کے دوران ہی ہنس پڑتی تھی اور پھر جیسے ہی یاد آتا کہ اسے رونا ہے تو وہ پھر سے رونا شروع کر دیتی)

پھر فاران پبلک سکول کی طرف سے خاکہ پیش کیا گیا جس نے پورے پروگرام کی تھکن دور کر دی۔ پروگرام کے بنیادی کردار عادل اور رضوان کے تھے۔ حاضرین نے انہیں بطور خاص داد دی اور خاکہ کو بہت پسند کیا۔ اس کے بعد یونائیٹڈ پبلک سکول کے طلبہ نے آ کر پروگرام کیا ہنسی مذاق تو سبھی کو اچھا لگتا ہے بس ان کا خاکہ بھی حاضرین نے بہت پسند کیا۔ اس کے ساتھ ہی مقابلہ جات ختم ہو گئے۔ ہماری مہمان خصوصی نے خطاب کیا تو انہوں نے پروگرام میں بلانے کے لئے شکریہ کہا اور بچوں کو پروگرام کروانے پر مبارکباد دی اور پھر سٹیج سے روانہ ہو گئیں۔ پھر ہر دلعزیز شخصیت ہمارے ایڈیٹر بھیا کو خطاب کرنے کی دعوت دی گئی۔ بھیا مسکراتے ہوئے سٹیج کی طرف بڑھے اور حسب عادت مذاق مذاق میں تقریر کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے بھیا نے کہا کہ آج کل تو ماں باپ کو بچوں کو ڈانٹنے کا موقع چاہئے انہیں ایسا کرنا شاید بہت اچھا لگتا ہے۔ (ایسا بھیا نے اس لئے کہا کہ کچھ دیر پہلے مجھے امی سے ڈانٹ پڑ رہی تھی)۔ انہوں نے کہا جڑانوالہ میں آنے اور رہنے کیلئے جڑوں کا مضبوط ہونا بہت ضروری ہے۔ ورنہ سڑکیں ہم کو جڑ سے ہی اکھاڑ پھینکیں۔ آخر میں بھیا نے کہا کہ اگر کوئی شخص اوپر چڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور تھوڑا سا کامیاب ہو جاتا ہے تو اسے اپنا کندھا دے کر اوپر چڑھائیں تاکہ اس کی ٹانگ کھینچ کر نیچے گرانے کی کوشش کریں اور کہا کہ کسی کی کامیابی کو دیکھ کر خوش ہونا بڑے لوگوں کی خوبی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے جڑانوالہ پھول گرلز کلب کی ٹیم کا اعلان کیا۔ پھول گرلز کلب جڑانوالہ کی صدر مہوش عابد کو بنایا گیا۔ نائب صدر کے طور پر نازیہ حنیف کو چنا گیا۔ جنرل سیکرٹری سیرا شفیق کو بنایا گیا اور جوائنٹ سیکرٹری کا عہدہ رابعہ خالد کے سپرد کیا گیا۔

نتائج کے مطابق تلاوت میں فاران پبلک سکول نے پہلی جگہ علامہ اقبال پبلک سکول نے دوسری پوزیشن حاصل کی۔ نعت میں علامہ اقبال پبلک سکول کی لڑکی وحیدہ نے پہلی اور فاران پبلک سکول کے رضوان اور شاہین پبلک سکول کے لقمان رشید نے دوسری پوزیشن حاصل کی۔ ملی نغمہ کے مقابلے میں سدرہ راحت نے فاران سکول کی طرف سے پہلی اور علامہ اقبال پبلک سکول کی لڑکی وحیدہ نے دوسری پوزیشن پائی۔ ٹیبلو میں شاہین پبلک سکول پہلے جبکہ مسلم گرائمر سکول دوسرے نمبر پر رہے۔ خاکہ میں پہلی پوزیشن فاران پبلک سکول اور دوسری یونائیٹڈ پبلک سکول کا مقدر بنی۔ ڈرامہ میں شاہین پبلک سکول پہلی جبکہ علامہ اقبال پبلک سکول دوسرے نمبر پر رہا۔ پھول کلب نے انعامات کی بوچھاڑ کر دی اور اتنے سارے بچوں کو انعام دیئے گئے۔ حسن کارکردگی کی ٹرافی کا حقدار فاران پبلک سکول قرار پایا کیونکہ سب سے زیادہ فرسٹ پرائز فاران پبلک سکول نے حاصل کئے تھے اور آخر میں یونائیٹڈ پبلک سکول کی طرف سے ان کے پرنسپل محمد ندیم علوی نے بھیا اور آپی کو شیلڈز پیش کیں اور چار گھنٹے جاری رہنے کے بعد یہ شاندار تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔

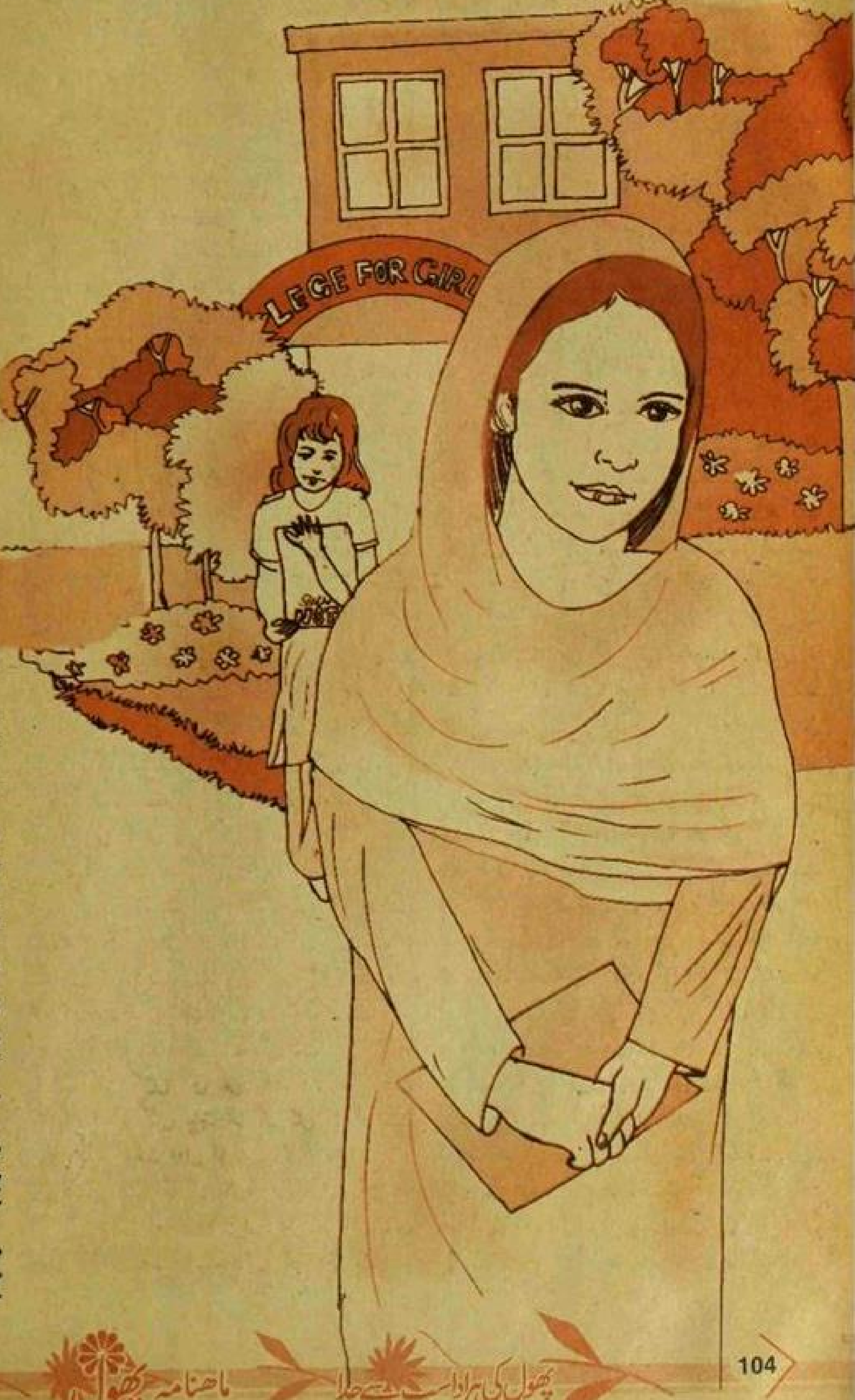
تعاون: ڈاکٹر عبدالرزاق انجم، ویلج گیس کٹ، اسلم اینڈ کو، الحمد جیولرز، عطا محمد کریانہ سٹور۔

اعتماد

ایک کمزور بیٹی کی داستان
اسے ایک روز چھوٹا سا امتحان دینا پڑ گیا تھا

عین الفاطمہ ۔ فیصل آباد

حیدر یہ کیا ہو رہا ہے ابا کی گونجدار آواز پورے لاؤنج میں گونجی حیدر کا ثنا پر اٹھا ہوا ہاتھ جہاں تھا وہیں رہ گیا میں جو پورے انہماک سے آٹا گوندھ رہی تھی پوری جان سے لرز گئی ابا کی یہ آواز میں نے شاید پوری زندگی میں پہلی مرتبہ سنی تھی آٹا لگے ہاتھوں کے ساتھ ہی میں نے چپکے سے کچن کے دروازے میں سے جھانکا ابا روتی ہوئی ثنا کو ساتھ لگائے کھڑے تھے حیدر کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں مارتا تو اکثر ہی تھا تو پھر آج کیا نیا ہوا لیکن ابا کے سامنے یوں پول کھلے گا اس کی اسے بھی امید نہ تھی ابا کے چہرے پر کرب کا جو سایہ تھا وہ حیدر سے بھی برداشت نہ ہو سکا فوراً شرمندگی سے نظریں جھکا لیں اور ابا کے پاس آ کر بولا سوری ابا! آئندہ ایسا نہیں ہو گا لیکن ابا کی آنکھوں میں بے یقینی کے سائے ابھی بھی باقی تھے ابا کہہ تو دیا سوری اب آئندہ ایسا نہیں ہو گا پلیز ابا نے اپنی نگاہیں ہٹا لیں اور ثنا کو ساتھ لگائے حیدر کا ہاتھ پکڑے وہیں صوفے پر بیٹھ گئے میں اس منظر پر حیران حیران سی دوبارہ آٹا گوندھنے میں مصروف ہو گئی جو آخری مرحلے میں تھا تبھی ابا کی آواز میرے کان میں پڑی بیٹا آپ کو پتہ ہے بہن کو مارنا کتنی بری بات ہے لیکن ابا ہاشم تو کہتا تھا یہ بہت گندی ہوتی ہیں غلط کہتا ہے ہاشم ابا کی آواز پھر اونچی ہوئی دیکھو بیٹا یہ تو محبت کا سمندر ہوتی ہیں بہنیں ہو یا بیٹیاں ہمیشہ ماں باپ اور بھائیوں کی عزت ہوتی ہیں ان کا وقار ہوتی ہیں ان کا مان ہوتی ہیں تم اتنے بڑے ہو گئے ہو تمہیں یہ تک علم نہیں ہو سکا کہ تمہارے ابا کو اپنی بیٹیاں کتنی پیاری لگتی ہیں جبکہ میری بیٹیاں میری آنکھ کا اشارہ تک سمجھتی ہیں اور پھر میرے لئے تو میری بیٹیاں رحمت ہیں میرے اللہ کی رحمتیں جو اس نے مجھ پر نچھاور کیں تم سمجھ رہے ہو ناں میری بات تو میں کیوں کر یہ برداشت کروں کہ کوئی ان رحمتوں سے جو اس نے مجھ پر تم پر اس گھر میں نازل کیں برا سلوک کرے ادھر ابا حیدر کو سمجھا رہے تھے اور ادھر چپکے سے دو آنسو میری آنکھوں سے نکل کر دوپٹے میں جذب ہو گئے ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا ابا کی ایسی باتیں میرا



مان بڑھا دیتی مجھے ابا کے منہ سے اپنی اہمیت کا احساس پہاڑوں کی سی مضبوطی عطا کرتا پر یہ دل ابا کی اتنی محبت پا کر آنکھوں کے رستے بہنے لگتا جی چاہتا اتنا روؤں کہ محبتوں کا سارا قرض اتر جائے ابا کی محبتیں دیکھ کر آنکھیں بھر بھر آتیں نجانے ایسا کیوں ہوتا دل چاہتا ابا کی محبتیں انہیں لوٹا کر ہلکی پھلکی ہو جاؤں پر ایسا کیسے ممکن ہے۔ ہم چھ بہنیں اور تین بھائی تھے اور ابا کے دل میں ہر ایک کیلئے ٹھاٹھیں مارتا ہوا محبت کا سمندر موجود تھا یوں تو اماں بھی بہت پیار کرتی تھیں پر ابا کی بات ہی کچھ اور تھی میں چوتھے نمبر پر تھی اور بھائی تینوں مجھ سے چھوٹے تھے سبھی بہنوں کے کام بھی ابا کے سپرد تھے ادھر کسی آپا کو سہیلی کے پاس نوٹس لینے جانا ہے تو دوسری ٹیوشن جانے کو تیار بیٹھی ہیں ابا نے کبھی بے جا روک ٹوک نہ کی تھی بس ابا نے ایک بات ہماری گھٹی میں ڈال دی تھی کہ جو کام بھی کرو مذہب کی حدود میں رہ کر کرو اسلام نے عورت پر بھی ترقی کے سب در وا کئے ہیں تعلیم عورت کیلئے بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ مرد کیلئے لیکن عورت پر کچھ پابندیاں بھی عائد کی ہیں جو معاشرے کیلئے اور بذات خود عورت کیلئے بڑی سودمند ہیں اگر وہ غور کرے تو! جبھی ابا نے ہم سب بہنوں کو پردے کا پابند کر دیا تھا اور ہمیں اس پر کوئی اعتراض بھی نہ تھا۔ کالج میں ایڈمیشن لئے مجھے تین ماہ ہو گئے تھے پڑھائی پورے زوروں پر تھی اشارہ ہمارے گروپ میں نئی انٹری تھی کچھ ویسے دیکھنے میں ہم سے بڑی بڑی لگتی تھی کچھ باتیں بھی ٹھوک کے دلائل کے ساتھ کرتی تھی لیکن ایک بات سے میں خاصی جزبز ہوتی کہ وہ ہمیشہ نقاب والی لڑکیوں کا مذاق اڑایا کرتی تھی میں اسے ہمیشہ یہی کہہ کر ٹوک دیتی کہ بھئی تمہیں کیا ان کی مرضی وہ جو چاہیں کریں میرا دل چاہتا کہ میرے پاس بھی اس کی طرح دلیلوں کے ڈھیر لگے ہوں اور میں اسے لاجواب کر دوں مگر ایسا کبھی نہ ہوا لو بھئی اگر نقاب کرتی ہیں تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یا تو انہیں خود پر اعتماد نہیں جو دوسروں کے سامنے اعتماد سے آ سکیں یا پھر ان کے والدین کو ان پر اعتماد نہیں مجھے اس کی یہ بات سخت بری لگتی شاید اس لئے کہ میں بھی نقاب کرتی تھی جب بھی اس بات پر ٹوک جھونک ہوتی وہ یہی کہتی کہ بھئی ہمیں خود پر اعتماد ہونا چاہئے ہماری آنکھوں میں حیا ہونی چاہئے ہمیں اتنا مضبوط ہونا چاہئے کہ دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکیں اور میں اندر ہی اندر اس کی باتوں پر قائل ہونے لگتی اور پریشان بھی ہوتی۔ آخر ایک دن اپنی پریشانی آپا سے کہہ ڈالی آپا کچھ بھی نہ بولیں بس میری باتوں کے جواب میں اپنی الماری سے قرآن مجید کی تفسیر نکال کر مجھے دی مہرو! تم اس کو اچھی طرح پڑھ لو تمہیں کبھی سے دلیلوں کی ضرورت نہیں رہے گی یہ ابا نے مجھے میٹرک میں پوزیشن لینے پر دی تھی۔ اف میں تو ابا کی محبتوں میں ہی پور پور ڈوبی ہوئی تھی انہی کی محبتوں کا قرض چکانے کا سوچ رہی تھی تو یہ اپنے اللہ جی کی بےحد و حساب محبتوں کا قرض کیسے چکاؤں گی اپنے اللہ کی محبتوں کا انکشاف جی چاہتا تھا ساری دنیا تج دوں اتنا روؤں کہ سارے گناہوں کی سیاہی آنسوؤں میں ڈھل جائے یہ دنیا ان میں ڈوب جائے پر یقین تھا پھر بھی اپنے اللہ کی محبتوں کا ایک پائی قرض ادا نہ ہو گا اللہ جی میں کیوں اتنی انجان رہی جی چاہ رہا تھا کہ اتنے انجانے لوگوں کو جو اللہ کی محبت سے بے خبر ہیں بتاؤں کہ دیکھو اللہ جی کتنا پیار کرتے ہیں ہمیں جہاں غلط کاموں سے باز رکھنے کیلئے اپنے عذاب سے ڈرایا تو عین وہیں پر ہمارے اچھے کاموں پر جنت کے انعام کی بشارت بھی دیتے ہیں اللہ جی آپ کتنے رحیم و کریم ہیں مجھے برائی سے بچانے کیلئے کہاں رہنمائی نہیں کی۔

(ترجمہ) اے نبیؐ مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (النور ۔ 31)

تو پھر مجھے اور کسی دلیل کی ضرورت ہے جب میرے اللہ نے ہر معاملے میں قرآن کے ذریعے ہماری رہنمائی کر دی ہے اور جس نے ابا کے دل میں ہمارے لئے اتنی محبت ڈالی ہے تو وہ خود ہم سے کتنی محبت کرتا ہو گا۔ میرے دسمبر ٹیسٹ شروع ہو چکے تھے ابا اب بھی اقرار کرتے کہ تمہیں بھی میں چھوڑ آتا ہوں کالج لیکن میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ میں ابا کو اپنے لئے کوئی تکلیف دوں ابا جب کالج وین ہے تو پھر آپ کیوں اتنا جی ہلکان کرتے ہیں بس بیٹا میرا جی چاہتا ہے میری بیٹیاں میرے آس پاس میری نظروں کے سامنے رہیں پھر وہی بات ابا کی اس محبت پر میرا دل بھر آیا جی چاہا ابا سے کہوں ابا مت کیا کریں ہم سے اتنی محبت ہم سے تو اپنے اللہ جی کی محبتوں کا بوجھ ہی نہیں سہارا جا رہا لگتا تھا کسی دن اتنی بےلوث اور بےریا محبتوں پر دل پھٹ جائے گا مگر آنسو حلق سے اتارتی اباجان کو خدا حافظ کہہ کر خاموشی سے باہر نکل آئی واپسی پر اشارہ کی فرنٹ گیٹ والی وین نکل گئی تو وہ بھی میرے ساتھ بیک گیٹ کی طرف چل دی اسے ابھی تک نہیں پتہ تھا کہ میں بھی نقاب اوڑھتی ہوں مجھے ایک دم پریشانی ہونے لگی کہ میں اشارہ کے سامنے کیسے نقاب اوڑھوں گی اشارہ کی باتیں میرے ذہن میں گونجنے لگ گئیں جو وہ نقاب والی لڑکیوں کے بارے میں کرتی رہتی تھی۔ کیا واقعی مجھ میں اعتماد نہیں یا مجھے خود پر اعتبار نہیں اشارہ کی باتیں میرے دماغ پر اپنا تسلط جمانے لگیں۔

میں چاہے کتنی مضبوط سہی لیکن اس ایک لمحے میں شیطان کے بہکاوے میں آ کر میں ایسا فیصلہ کر بیٹھی جس پر میں خود حیران ہو گئی اشارہ گلے میں دوپٹہ ڈالے لاپرواہی سے میرے ساتھ ساتھ گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی میں نے بھی فیصلہ کر لیا کہ آج نقاب نہیں کروں گی لیکن اپنے دوپٹے سے خود کو اچھی طرح ڈھانپ لیا جوں جوں گیٹ نزدیک آ رہا تھا میرا دل بھی ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ میں نے اپنے چادر نما دوپٹے کو اور مضبوطی سے پکڑ لیا اور ایک نظر اشارہ پر ڈال کر باہر گیٹ کی طرف دوڑائی تو میں اندر تک کانپ گئی کئی نظریں میرے آر پار ہو گئیں مجھے یوں لگا جیسے سب کو پتہ ہو کہ آج میں بغیر نقاب کے جا رہی ہوں اسی لمحے گیٹ سے باہر آتے ہوئے میرے ہاتھ نے غیر ارادی طور پر چادر کے پلو سے میرا منہ ڈھانپ دیا اشارہ جو دو قدم آگے چل رہی تھی مڑ کر مجھے دیکھا تو فوراً حیرت سے بولی مہرو کیا تمہیں بھی خود پر اعتبار نہیں یا تمہارے اماں ابا کو؟ نہیں اشارہ نہ مجھے خود پر اور نہ میرے ماں باپ کو مجھ پر بےاعتباری ہے لیکن مجھے دوسروں کی نظروں پر اعتبار نہیں یہ کہہ کر میں نے اعتماد سے اپنی وین کی طرف قدم بڑھا دیئے کہ یہی تو وقت تھا اپنے اللہ جی اور ابا کی محبتوں کا قرض چکانے کا ان کی عزت سے مان بڑھانے کا۔

غلطی پہ غلطی



محمد تنویر جبار ۔ شاہ جلیل ناروال

ایک صبح کی کہانی اس روز بارش میں پھسلنا بہت آساں ہو گیا تھا

صبح صبح ہی بارش شروع ہو گئی۔ میں دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی کہ چلو آج تو سکول سے چھٹی کر لوں گی۔ ہوم ورک بھی نہیں کیا تھا اور پھر ریاضی کا تو ٹیسٹ بھی ہے لیکن میری خوشی زیادہ دیر نہ چل سکی۔ بارش تھمتے ہی میری خوشی غمی میں بھیگ گئی۔ بارش کیا تھم گئی امی نے تو مجھے فوراً تیار کر دیا اور یوں مجھے مجبوراً سکول جانا پڑا۔ اس سے پہلے کہ میں ناشتہ مکمل کر پاتی، اتنے میں میری محلہ دار سہیلیاں نبیلہ، رابعہ اور صبا بھی آ گئیں۔ میں نے جلدی جلدی سے ناشتہ ختم کیا ہم چاروں نے میرے امی ابو کو سلام کیا اور سکول چل دیں۔ ابھی ابھی تو بارش تھمی تھی۔ چنانچہ راستے میں پھسلن، کیچڑ اور جگہ جگہ پانی کھڑا تھا۔ اوپر سے سکول سے دیر ہو رہی تھی۔ ہم جلدی چلنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ صبا اور میں چونکہ ایک ہی کلاس یعنی چھٹی میں پڑھتی تھیں، اس لئے صبا سے میری دوستی زیادہ تھی۔ میں اور صبا ہونے والے ٹیسٹ کے متعلق باتیں کرتی تیزی سے چل رہی تھیں کیونکہ رابعہ اور نبیلہ ہم سے تھوڑا آگے نکل گئی تھیں۔ گلی میں ہر طرف کھڑے پانی نے کیچڑ پھیلا رکھا تھا۔ بس ایک چھوٹا سا راستہ تھا جس پر سے ایک وقت میں ایک ہی آدمی لمبی لمبی چھلانگیں مارتا گزر سکتا تھا۔ صبا نے جلدی میں مجھ سے آگے نکلنے کی کوشش کی تاکہ یہ خطرناک راستہ وہ مجھ سے پہلے عبور کر

جائے۔ پھسلن کی وجہ سے اس کا پاؤں پھسلا وہ دھڑام سے کیچڑ بھرے پانی میں گر پڑی۔ ساتھ ہی اس کے منہ سے "اوئی میں مری" نکلا۔ اس کے منہ سے "اوئی میں مری" کا نکلنا اور میری ہنسی کے نکلنے کا فرق صرف چند لمحوں ہی کا تھا میں تو ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہوئے جا رہی تھی۔ صبا کے گرنے کی آواز اور میری ہنسی سن کر رابعہ اور نبیلہ نے پلٹ کر دیکھا تو بجائے ہنسنے کے انہوں نے صبا کو کیچڑ سے باہر نکال لیا۔ میری ہنسی تو رک ہی نہیں رہی تھی۔ ہنستے ہنستے میں نے قدم آگے بڑھایا تو نجانے کیا ہوا۔ اچھا بھلا مضبوطی سے قدم رکھا تھا......دھڑام سے میں زمین پر گر گئی۔ گرتے ہی میرے منہ سے "ہائے مر گئی" نکلا۔ میں کیچڑ میں لت پت ہو گئی۔ سارا یونیفارم خراب ہو گیا۔ رابعہ نبیلہ اور صبا نے جب مجھے پکڑ کر نکالا تو معلوم ہوا کہ میرے تو ٹخنے میں موچ بھی آ گئی ہے۔

خیر رابعہ اور نبیلہ نے ایک قریبی گھر سے ہمارے یونیفارم صاف وغیرہ کئے۔ یونی فارم سکول جانے کے قابل ہو ہی گئے میں تو اب لنگڑا کر چل رہی تھی۔ تینوں میں سے کسی نے مجھ سے آگے چلنا پسند نہ کیا وہ مجھے ساتھ ملا کر چلتی رہیں۔ ایسے تیسے جب ہم سکول پہنچیں تو اسمبلی ہو چکی تھی اور درس قرآن بھی۔ مس کنیز فاطمہ درس حدیث دے رہی تھیں۔ اتفاق دیکھئے اس وقت انہوں نے جو حدیث مبارکہ سنائی وہ یہ تھی کہ اپنے بھائی (بہن) کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کرو۔ ورنہ اللہ اس پر رحم فرمائے گا اور تجھے مصیبت میں ڈال دے گا۔" میں نے یہ حدیث مبارکہ سنی تو کانپ گئی کلاس میں آ کر پہلے صبا سے اور پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔

بے شک صبا کو مصیبت میں دیکھ کر نادانگی میں مجھ سے غلطی ہوتی تھی مگر غلطی تو غلطی ہی ہوتی ہے۔ اس پر اکڑنا اور نہ ماننا اس سے بڑی غلطی ہے میں بھلا غلطی پہ غلطی کیسے کر سکتی تھی۔

مہمان ......

فہمیدہ جبیں لودھراں

مہمان تو اللہ کی رحمت ہوا کرتا ہے لیکن جوں جوں ان کے قیام کی مدت بڑھتی ہے نہ جانے کیوں رحمت کی "ز" پر ایک لطیف سا نقطہ ابھرنا شروع ہو جاتا۔ کسی بھی چیز کی بہتات کوئی اچھا شگون نہیں ہوتا اسی طرح زیادہ مہمان بعض اوقات بلکہ ہر وقت مسئلہ بن جاتے ہیں اور اس مسئلے کا حل ہم جیسا موٹا دماغ رکھنے والوں کے بس کا روگ نہیں۔

بعض اوقات ایک ہی مہمان مہمانوں کے لشکر پر بھاری رہتا ہے آج ہم ایسے ہی ایک مہمان کا تذکرہ کرتے ہیں جو نہ صرف مہمانوں کی آبرو ہیں بلکہ پیکل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مہمان ہونے کے ساتھ ساتھ بدقسمتی سے وہ ہمارے دوست بھی ہیں اور دوست بھی وہ کہ ہم دنیا کے کسی کونے میں جا پناہ لیں وہ حضرت ہمیں ضرور ڈھونڈ نکالیں گے اس لئے تو ہم نے ان کے خوف سے چھپنا ترک کر دیا ہے اور نہ اس سے بچنے کی کوئی راہ دکھائی نہیں دی

موصوف ایک روز بخار کی حالت میں غریب خانے کو عزت افزائی بخشنے نازل ہوئے نصیب دشمناں آج آپ کی طبیعت کچھ ناساز محسوس ہوتی ہے ہم نے اخلاقی خول چڑھاتے ہوئے پوچھا۔ بس پھر کیا تھا اللہ دے اور بندہ لے۔

پہلے تو لیٹ گئے پھر سرہانے کو دہرا کیا اور اس پر سر ٹکا لیا۔ میز پر پڑی کتابوں کا حشر نشر کرنے کے بعد جب کرے میں ان کے مطلب کی کوئی چیز ہتھے نہ چڑھی تو 'بے کشا ہوئے۔

"یار کیا بتائیں آج کل تو بخار کا موسم ہے جسے دیکھو وہی کراہتا پھرتا ہے۔ اور جسم میں اگر سانسوں کی کچھ رمق باقی ہو تو وہ ڈاکٹر صاحب بل سنا کر نکال دیتے ہیں۔ اس پر ستم یہ کہ پیاز کھانے کا مشورہ دیتا ہیں ہم جیسا بھلا غریب آدمی کہاں کھا سکتا ہے معلوم نہیں یہ پیاز اتنے مہنگے کیوں ہو گئے ہیں۔ ویسے تو ہر شے کی قیمت آسمان سے باتیں کر رہی ہے لیکن پیاز سمجھ نہیں آتا زندہ ہے تو آئندہ سال ہم بھی پیاز کی کاشت کریں گے اور خوب پیسہ کمائیں گے اور خوب پیسہ کمائیں گے ویسے تو پیسے کی بھی کوئی قدر و قیمت نہیں ہائے! وہ پہلے والا زمانہ کہاں سے لائیں جانے کہاں گئے وہ دن جب مٹھی بھر پیسے لے جاتے اور بوری بھر کر سامان لاتے اور اب خدا کی پناہ بوری بھر کر پیسے لے جاؤ اور مٹھی میں سامان لے آؤ۔ میں پہلے ہمہ تن گوش بیٹھا تھا۔ حضرت کی تمہید سن کر لیٹ گیا پھر فرمانے لگے۔

"یار باتیں کرنے سے کچھ پسینہ آ گیا ہے اور طبیعت کچھ کھل سی گئی ہے۔ آپ بور تو نہیں ہو رہے؟

میں سینہ پر ہمالیہ کا بوجھ لگاتے ہوئے اخلاقاً بولا۔ نہیں تو باتیں کیجئے ...... بہت مزیدار اور پر لطف باتیں ہیں آپ کی...... "یار کمال کے آدمی ہو صرف باتیں سنے جا رہے ہو چائے نہ پانی" "چائے آ رہی ہے آپ اپنا بیان جاری رکھیں" ہاں تو کونسی بات میں کہہ رہا تھا' مجھے کیا پتہ۔ اچھی باتیں سن رہے ہو آں۔ ہاں یاد آیا۔ نہیں یار۔ ایک تو مجھے بھول جانے کی بری عادت ہے کہیں مجھے نسیان کا مرض ہی نہ ہو جائے۔ ویسے تو پورے معاشرے پر نسیان کا مرض طاری ہے۔ ہائے ہائے کیسے کیسے لوگ یہاں سے چلے گئے اب تو ہم جیسا چھان بورا باقی ہے۔ بے شک! یہ دو لفظ غیر ارادی طور پر میرے منہ سے نکل گئے لیکن داد دیجئے موصوف کے 'نسیار' کہ انہوں نے اس طرف دھیان دیئے بغیر اپنی تقریر جاری رکھی۔

کوئی کسی کو یاد کر کے راضی ہے ہی نہیں حال احوال پوچھنے کی رسم تو اب ختم ہوتی جا رہی ہے اب تو لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنا معیوب سمجھتے ہیں سب کچھ مشینی ہو کر رہ گیا ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں جب لوگوں کے پاس سلام کرنے کا بھی وقت نہ ہو گا۔ بس ہر ایک دولت سمیٹنے کی ہوس میں ہے ہر کوئی کار کوٹھی اور بنک بیلنس کی خواہشات کا پجاری معلوم ہوتا ہے کسی کو کسی کی کوئی خبر نہیں سب اپنی دھن میں مگن اپنی اپنی جہنم میں جل رہے ہیں جسے بلایئے وہی منہ میں آگ لئے پھرتا ہے اور باتوں کی بجائے منہ سے شعلے نکالتا ہے۔ لیکن مجھے تو برف جیسے ٹھنڈے دماغ کے لوگ اچھے لگتے ہیں جب جذبات کی تپش پہنچتی ہے تو آہستہ آہستہ پگھلنا شروع ہو جاتے ہیں ویسے جسم تو میرا بھی برف کی مانند ٹھنڈا پڑ گیا ہے بخار بھی اب اترتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ یار تم بھی مجھے برف کے آدمی معلوم ہوتے ہو برف کی طرح جم کر بیٹھے ہو کچھ منہ سے بولو یا آج مجھے ہی بولنا ہے۔ اور میں مستقبل قریب میں ہونے والی مزید دھواں دھار تقریر کے خطرے سے بچنے کے لئے بالآخر بول ہی پڑا۔ "یار! کیا بولوں؟ اب بولنے کے لئے رہ ہی کیا گیا ہے" میں نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔ "تمہاری طبیعت بھی کچھ خراب نظر آتی ہے" چائے کا آخری گھونٹ پی کر مہمان صاحب بلکہ دوست صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں آپ سے اترا ہوا بخار اب مجھے چڑھ رہا ہے" باقی سب خیریت ہے میں نے دل میں سوچا کیونکہ مروت بھی تو کوئی شے ہوتی ہے۔

دیکھ دسمبر اب مت آنا



بے یقینی کی داستان کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ کہنے کو بہت کچھ ہوتا ہے اور کہا نہیں جاتا

قراۃ العین فاروق، چوکپنڈوڑی

میری ماں جی محبت اور شفقت کا پیکر تھیں۔ شفیق سی صورت اور مہربان سا سراپا لئے کبھی وہ پانی کا گھڑا سر پر لئے کنوئیں کا رخ کئے ہوتیں اور کبھی لکڑیوں والے چولہے کے پاس بیٹھی پھونکیں مار مار کر آگ تیز کر رہی ہوتیں۔ اس دوران دھوئیں کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے پانی رواں رہتا مگر وہ دوپٹے کے پلو سے آنکھیں پونچھ کر دوبارہ کام میں مصروف ہو جاتیں۔ نہ تو جھلتی دوپہر میں فصل کاٹتے ہوئے ان کی زبان شکر کے کلمات سے ناآشنا ہوتی اور نہ ہی سرد دسمبر میں کنوئیں کے یخ پانی سے کپڑے دھوتے ہوئے انہوں نے اپنے اللہ سے کوئی شکوہ شکایت کی تھی۔ سانولی سی رنگت، تیکھے تیکھے نقوش اور لمبے قد کاٹھ والی ماں جی کا بچپن بنگال میں دھان کے کھیتوں اور چائے کے باغات کے درمیان گزرا تھا۔

شادی کے بعد وہ لاہور آ گئیں کیونکہ ابا جی کا سارا خاندان لاہور میں ہی بستا تھا۔ یہاں کا ماحول تو ماں جی کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ گندم کے کھلے کھلے کھلیان اور اتنی گائیں بھینسیں انہوں نے پہلے بھلا کب دیکھی تھیں یہاں چاول، مچھلی کی جگہ، لسی اور کچے آم کے اچار نے لے لی تھی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اسی طرز زندگی سے مانوس ہوتی چلی گئیں۔ کچے صحن میں جھاڑو دیتے ہوئے پانی چھڑکتیں تو مٹی سے اٹھنے والی سوندھی سوندھی خوشبو انہیں اپنا اسیر کر لیتی۔ اس وقت بریانی، حلیم، نوکھے، پائے اور چنے چھولے وغیرہ کے بجائے چٹنی لسی اور اچار کا زیادہ رواج تھا اور ماں جی کو روایت کا یہ ذائقہ بے حد بھلا لگتا تھا۔ وہ گایوں، بھینسوں کا دودھ بھی دوہتیں اور کچے صحن، دیواروں اور چھت پر گارے کا لیپا بھی لگاتی تھیں۔ ماں جی نے مجھے بتایا تھا کہ جب شام ہوتی تو ہماری حویلی کے صحن میں میلہ سا لگ جایا کرتا تھا۔ عورتیں ایک طرف بنے تنور پہ گندم کی روٹیاں لگا رہی ہوتی تھیں اور پوری حویلی روٹیوں سے اٹھنے والی خوشبو سے مہک رہی ہوتی تھی۔ صحن میں گاؤں کے بڑوں اور بوڑھوں کی محفل ہوتی تھی۔ حقے کی گڑگڑاہٹ میں باتوں کا دور چلتا رہتا تھا۔ پچھلے صحن میں لڑکیاں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر چکر لگاتیں اور ساتھ ساتھ یہ بول گاتیں "کِکلی کلیر دی، پگ میرے ویر دی" گاؤں کے وسط میں جو میدان تھا اس میں لڑکے شام کو پٹھو گرم کھیلتے تھے۔ اس وقت سارا گاؤں ایک خاندان کی طرح ہوتا تھا۔ سب ایک دوسرے کے دکھ کو اپنا درد اور خوشی کو اپنی خوشی سمجھتے تھے۔ شادی بیاہ یا تو ماتم وغیرہ میں سارا گاؤں اکٹھا ہوتا اور سب ایک دوسرے کے کاموں میں اپنے کاموں کی طرح شریک ہوتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی تقریبات بھی بڑی خوشی سے منائی جاتی تھیں مثلاً بیساکھی کا میلہ اور اسی طرح کی

دوسری تقریبات۔ بعض جگہوں پر تو بسنت وغیرہ بھی منائی جاتی تھی لیکن زیادہ تر اسے اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ کوئی شہر میں نوکری کرتا ہوتا تو واپس آتے ہوئے پورے گاؤں کے لئے تحفے تحائف لائے جاتے تھے اور کسی بچے بوڑھے کو نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا۔ ابا جی فوج میں ملازم تھے ابا کی تنخواہ اور زمینوں کی آمدنی سب ملا کر بڑے ٹھاٹھ سے گزارا ہو رہا تھا۔ یہ غالباً 70ء کی بات ہے۔ میری کوئی 8 یا 10 سال عمر ہوگی ہو گی۔ ابا کی پوسٹنگ ڈھاکہ ہوگئی۔ اماں جی بڑی خوش تھیں انہیں تو عرصے بعد بنگال جانے کا موقع مل رہا تھا۔ ہم بہت خوش خوش روانہ ہوئے۔ ڈھاکہ ائرپورٹ پر اترے تو فضا کچھ سہمی سہمی سی لگی۔ کچھ عرصے میں ہی کشیدگی میں بے حد اضافہ ہوگیا۔ ہر ایک کے چہرے پر نفرت کی داستانیں رقم تھیں۔ کسی اردو بولنے والے کو کہیں دیکھا جاتا فوراً گولی مار دی جاتی۔ گلیوں میں جوان لاشے تڑپتے رہتے اور کسی کو اٹھانے کی ہمت نہ ہوتی۔ ہنگاموں کی وجہ سے ہم تو اپنے کوارٹر میں بند ہو کر رہ گئے تھے۔ باہر نکلنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ابا جب گھر آتے تو عجیب بری بری خبریں سناتے۔ 'اپنے' اپنوں کے ہاتھوں مر رہے تھے۔ مجھے وہ دن نہیں بھول سکتا۔ جب محلے کے چند شرپسندوں نے پاک پرچم کو آگ لگا دی تھی اور جئے بنگلہ کے نعرے لگائے تھے اور مجھے وہ لمحہ بھی یاد ہے جب باغیوں' نفرت کے علمبرداروں کے جاتے ہی اماں جی نے گلی سے وہ راکھ اٹھا کر اپنے پلو میں باندھ لی تھی۔ پھر بابا نے جانے کیسے جہاز کی سیٹیں حاصل کیں اور ہمیں پاکستان بھیج دینے کا پروگرام بنایا۔ وہ خود تو فوج چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے لیکن انہوں نے ہمیں واپس پاکستان بھجوا دیا۔ بنگالیوں کے لئے یہاں پر بھی بے حد نفرت تھی۔ 16 دسمبر کی شب سب خاموش تھے یوں لگتا تھا جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ فضا تو چیخ چیخ کر جیسے کسی خطرے کا الارم بجا رہی تھی۔ اگلے ہی روز 17 دسمبر کو ہمیں پتا چلا کہ مشرقی پاکستان ''بنگلہ دیش'' ہوگیا ہے۔ تعصبات کی جو ہوا چلی تھی اس کے نتیجے میں ایسا تو ہونا ہی تھا۔ آج تو سارے رو رہے تھے۔ سب کو بابا کی فکر لاحق تھی۔ سب ریڈیو کے ساتھ لگے بیٹھے تھے۔ لمحہ لمحہ کی خبریں آ رہی تھیں اور سب کو رلا رہی تھیں۔ ابا کو بھارتی فوجیوں نے قید کر دیا تھا۔ 1974ء میں ابا واپس گھر آئے۔ یہ تین سال انہوں نے پاکستانی فوجی ہونے کی سزا میں جبر مسلسل کی طرح کاٹے تھے۔ وہ بے حد کمزور اور لاغر ہوگئے تھے۔ داڑھی کے بال اور سر کے بال بہت بڑھے ہوئے اور بے ترتیب تھے ناقص غذا اور گندے ماحول کی وجہ سے انہیں آنتوں کا کینسر ہوگیا تھا اور وہ مزید چند سال ہی ہمارے ساتھ رہ پائے تھے۔ دسمبر 1983ء میں ماں جی کو بھی خدا نے اپنے پاس بلا لیا۔

یہ اگست 1998ء تھا۔ اخبار میں خبر آئی کہ کراچی میں چند شرپسندوں نے قومی پرچم کو نذر آتش کر دیا۔ میرا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ میں کسی طرح وہ راکھ اٹھا لاؤں اور اماں کے دوپٹے کے پلو میں بندھی راکھ کے ساتھ شامل کر دوں اپنے پیاروں سے بچھڑنے کا موسم بھی عجیب ہوتا ہے کئی سال گزر جانے کے باوجود بھی اسی طرح رہتا ہے جیسے کل کا ہو۔ دسمبر بھی آ گیا ہے اور میں اپنے بچوں کو یہ کہتا سن رہا ہوں پاپا ہمارا جی چاہتا ہے کہ دسمبر جلدی جلدی گزرے تاکہ ہم نیو ائر نائٹ منائیں۔ میں بے یقینی کے عالم میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں اب میں انہیں کیا بتاؤں کہ میرا بھی جی چاہ رہا ہے کہ دسمبر گزر جائے لیکن اس لئے کہ دسمبر اپنے ساتھ بے حد کربناک یادیں لے کر آتا ہے۔ اماں کا آنسوؤں بھرا چہرہ پلو میں بندھی راکھ گلیوں میں بکھرے لاشے' ابا کا نحیف بدن سب میرے سامنے آ جاتے ہیں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ اب دسمبر بھی نہ آئے۔ لیکن اپنے بچوں سے ایسے کہتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ انہیں اپنا ماضی بتاتے خوف آتا ہے کہ کہیں وہ یہ نہ کہہ دیں کم آن پاپا اچھا نہ ہوا کہ بنگلہ دیش الگ ہوگیا ورنہ وہاں آنے والے روز روز کے سیلابوں کا خرچ ہمیں برداشت کرنا پڑتا۔ آج میں نے کہیں یہ نظم پڑھی تھی یہاں پر بھی لکھے دیتا ہوں۔

دیکھ دسمبر اب مت آنا
اور اگر تو آ بھی جائے
اپنے دکھ کی برف پہن کر
دھوپ دیاروں تک مت جانا
میرے پیاروں تک مت جانا
دیکھ دسمبر اب مت آنا

بوکھلانے کو جی چاہتا ہے

نادیہ نورین بہاول پور

ہم اکثر ہی بوکھلائے ہوئے رہتے ہیں اسے ہماری عادت سمجھ لیجئے یا شوق۔ جب تک کسی کی بات پر منہ پھاڑ کر کا اظہار نہ کریں کسی کی بات کا مزہ ہی نہیں آتا اور کئی دفعہ تو ہمیں اس سے بہت فائدہ ہوا ہے ایک دفعہ ہم بڑے اطمینان سے کلاس میں لیکچر سن رہے تھے کہ ٹیچر نے اچانک ہماری طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ ''جی آپ بتایئے اقبال کے اس مصرعے کا کیا مطلب ہے ہمیں تو آج تک اپنی سمجھ نہیں آئی اقبال کی بات کا کیا مطلب بتاتے۔ جی ہم بتائیں ہم گڑبڑا گئے جی آپ ٹیچر کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ دراصل بات یہ ہے ہم جونہی بوکھلا کے اٹھے تو ہماری ٹانگ اپنی ہی کرسی میں اس طرح الجھی کہ ہم دھڑام سے کرسی سمیت زمین بوس ہو گئے نتیجہ کو اپنے سوال بھول کر ہماری فکر پڑ گئی ہمیں جلدی سے ڈسپنسری پہنچایا گیا اور یوں اس عذاب سے جان چھوٹی۔ اور تو اور کسی کو اپنے جیسا سوٹ

فقیر گھبرا کر اپنا کٹورا بھی آپ کے ہاتھ میں دے جائے

پہنے ہوئے دیکھ کر اس قدر بوکھلاہٹ کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ خود اپنے سوٹ کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگ جاتا ہے۔ اسکے علاوہ بوکھلانے کے بھی بہت سے مواقع ہوتے ہیں۔ مثلاً بس کا کرایہ دیتے وقت اتنی بوکھلاہٹ کا اظہار کرتا کہ کنڈیکٹر دو دن تک آپ کو بس میں مفت بٹھاتا رہے فقیر کو کچھ دیتے وقت کچھ اس طرح بوکھلاتا کہ فقیر گھبرا کر اپنا کٹورا بھی آپ کے ہاتھ میں دے جائے اور ہاں کسی سے قرض لیتے وقت خاص طور پر شدید بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کریں تاکہ اسے معلوم ہو کہ آپ سے زیادہ دنیا میں ضرورت مند اور کوئی نہیں ہے اور قرض کی واپسی کو بھول جائے اور کبھی مطالبہ کرے تو پھر اس سے بھی شدید انداز میں بوکھلایئے انشاءاللہ افاقہ ہو گا اور جو کچھ اس کے پاس موجود ہو گا وہ بھی آپ کو قرض دینے پر تیار ہو جائے گا یقین جانیے آپ ہمارے ان رہنما اصولوں پر عمل کریں گے تو چند دنوں میں بہت اچھا بوکھلانا سیکھ جائیں گے اور ہمارے یہ اصول کسی صدارتی آرڈیننس 2000 میں آ جائیں گے اور آپ یہ گانا گاتے پھریں گے۔

بوکھلانے کو جی چاہتا ہے

کیا آپ نے اتنی جلدی بوکھلانا سیکھ لیا ہے۔ نہیں شکر ہے ورنہ ہم تو بوکھلا ہی گئے تھے۔

داستان لہو رنگ

سعدیہ فیض

حسن الادریس ڈیوڑھی کا دروازہ کھول کر گھر میں داخل ہوا تو صحن میں بچوں کا غل مچا ہوا تھا صارم شمس النساء کی کامدار اوڑھنی کا جبہ بنا کر پہنے ہوئے تخت پوش پر جلوہ افروز تھا اسکے گلے میں راضیہ اور اسماء کی رنگ برنگ مالائیں چمک رہی تھیں۔ صارم کے ساتھ ہی خبیب بن عبداللہ نے وزیر خاص کی کرسی سنبھالی ہوئی تھی حارث



نے مجرم کا روپ دھارا ہوا تھا جبکہ صہیب بن عبداللہ بطور کوتوال مجرم کی زنجیر تھامے کھڑا تھا۔ صالح، راضیہ اور اسماء درباریوں کے فرائض سرانجام دے رہے تھے حسن الادریس کو دیکھ کر بچے اپنی اپنی جگہ ساکت ہو گئے۔ لیکن اسکے لبوں پر مسکراہٹ دیکھ کر بچوں کے چہروں پر رونق لوٹ آئی وہ بھی وہ پہلے ملک شام صوبوں اور شہروں کی حکومت میں بٹا اب بیت المقدس کے بھی گھر گھر حکومت شروع ہو گئی ہے ارے بیٹا کوئی مردانہ کھیل کھیلا کرو۔ عورتوں کی طرح سج بن کر تخت پر بیٹھ جانا بھی کوئی زندگی ہے۔ حسن نے پیار سے صارم کے سر چپت لگاتے ہوئے کہا۔ "تو چچا جان کیا ہم لڑائی لڑائی کھیلا کریں؟" وزیر خاص خبیب بن عبداللہ چہکا "ہاں بیٹا وہ لڑائی جو میدان جنگ میں لڑی جائے ایک مرد مومن کے اصل جوہر میدان جنگ میں ہی کھلتے ہیں بشرطیکہ مدمقابل مسلمان بھائی کی بجائے دشمن اسلام ہو حسن الادریس سنجیدگی سے کہتا ہوا کمرے کی جانب چلدیا۔ حسن الادریس اور عبداللہ دو بھائی اور شہر کے مشہور ہتھیار ساز تھے اسکے بنائے ہوئے ہتھیاروں کی مضبوطی اور کارکردگی کی ہر جگہ دھوم تھی۔ اس لئے لوگوں کا پہلا انتخاب حسن الادریس اور عبداللہ کا ہتھیار خانہ ہی تھا کچھ عرصہ قبل عبداللہ کا انتقال ہو گیا تھا تب سے اپنے بھائی کی بیوہ شمس النساء اور تین بچوں خبیب بن عبداللہ صہیب بن عبداللہ اور اسماء کی کفالت کی ذمہ داری حسن الادریس نے لے لی تھی اب وہ سب ایک ہی گھر میں رہ رہے تھے۔ عبداللہ کے بعد ہتھیار خانے میں کام بڑھ گیا تھا جس کی وجہ سے حسن کو دو مزید کاریگر ملازم رکھنے پڑے تھے کام کا بوجھ تو بٹ گیا تھا مگر ان میں مہارت کی کمی تھی چنانچہ کچھ مخصوص آرڈر پر جو ہتھیار تیار کرنے کا کام ملتا تھا اس کے لئے حسن نے گھر کا ایک کمرہ مختص کیا ہوا تھا جہاں وہ رات کو بیٹھ کر کام کیا کرتا تھا کھانا کھانے کے بعد حسن باہر نکلا تو صحن سنسان پڑا تھا بادشاہ سلامت کا دربار برخاست ہو چکا تھا۔ بچے شاید کھیلنے کیلئے باہر چلے گئے تھے حسن چند تیار شدہ ہتھیار اٹھانے کمرے میں گیا تو وہاں چیزیں الٹ پلٹ ہوئی پڑی تھیں۔ حسن بہت زیادہ نفاست پسند تھا اسے بے ترتیبی بالکل پسند نہ تھی رات کو وہ تمام اوزار سمیٹ کر سوتا تھا یوں لگتا تھا جیسے بچوں نے اودھم مچایا ہو بہرحال اس وقت پوچھ کچھ نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ حسن الادریس ہتھیار لیکر بازار چلا گیا۔ شام کو نعرہ تکبیر بلند کرتی سات تلوار بردار بچوں پر مشتمل ایک فوج گھر میں داخل ہوئی حسن الادریس ان ننھے فوجیوں کو دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑا بچوں سے متعلق اس کا سارا غصہ کافور ہو گیا تلواریں

لکڑی سے تراشی گئی تھیں اور لاؤڑی پن واضح جھلک رہا تھا پھر بھی ننھے کاریگروں نے نقل بمطابق اصل کی اچھی کوشش کی تھی تم نے ایک اچھا کام کرنے کیلئے دو غلط کام کئے ایک تو میرے اوزار لینے کیلئے مجھ سے اجازت نہیں لی دوسری بات یہ کہ چیزوں کی الٹ پلٹ ظاہر کرتی ہے کہ تم بالکل بھی سلیقہ مند بچے نہیں ہو حسن الادریس نصیحت کے ساتھ ساتھ سب کو باری باری گود میں بھر کر پیار کرنے لگا۔ آبادی سے باہر واقع سرسبز نخلستان میں اس وقت چھوٹا سا میدان کارزار برپا تھا بچے دو گروہوں عیسائی فوج اور مسلم فوج میں بٹے ہوئے تھے۔ اس جنگ میں دست بدست لڑائی تلوار زنی نشانہ بازی جیسے تمام فنون حرب آزمائے جا رہے تھے۔ راضیہ اور اسماء زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کر رہی تھیں خبیب نے مخالف فوج کے سپاہیوں کا غلیل سے نشانہ لیا عین اسی وقت سامنے سے پادری اور اس کا بیٹا گزرے پتھر پادری کے بیٹے کی کنپٹی پر جا لگا۔ اس نے خونخوار نظروں سے خبیب کو گھورا اس کا زور دار تھپڑ خبیب کے منہ پر پڑنے ہی والا تھا کہ پادری نے آگے بڑھ کر بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا بس بیٹا بس ان کے ظلم کا آخری وقت آن پہنچا ہے یسوع مسیح کی مدد ہم سے آن ملی ہے ہماری فوج سارے حساب چکا دے گی دولت اور اقتدار کی خاطر لڑنے والے مذہب کی خاطر کبھی نہ لڑ سکیں گے بیت المقدس بہت جلد ہمارا ہونے والا ہے پادری اور اس کے بیٹے نے ایک حقارت بھری نظر ان ننھے جنگجوؤں پر ڈالی اور آگے بڑھ گئے۔

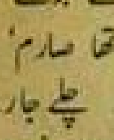
حسن الادریس امت مسلمہ کا درد دل میں رکھنے والا ایک حساس شخص تھا مسلمانوں کے دن بدن بڑھتے ہوئے زوال اور اقتدار کی خاطر مسلمانوں کی خانہ جنگیوں سے وہ سخت نالاں تھا مگر بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح وہ کڑھنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا رات کو اپنے دوست اسحاق کے ساتھ چہل قدمی کرتے ہوئے بھی حسن الادریس دن والے واقعہ پر ہی تبصرہ کر رہا تھا شام اور بیت المقدس پر بنی فاطمہ کی حکومت ہے مشرق میں چنگیز خانی ترکوں کی فتوحات چاروں طرف پھیل رہی ہیں بغداد کی برائے نام خلافت میں ہر صوبہ ہر شہر اور ہر قصبہ خود مختار حکمران بن چکا ہے یورپ کے عیسائیوں کو شام پر حملہ کرنے کیلئے بھلا اس سے بہتر کوئی اور موقع مل سکتا ہے۔ گھر آ کر حسن نے رات گئے تک اپنے کمرے میں کام کیا صبح حسن الادریس کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے تیر کمانوں کا ایک بنڈل تھا پہلے اس نے صحن کے ایک کونے میں لکڑی کا ایک تختہ نصب کیا پھر تیر کمان بچوں میں تقسیم کرتے ہوئے انہیں ہدایت کی کہ وہ اور ان کے دوست روزانہ یہاں نشانہ بازی کی مشق کیا کریں ہفتے بعد نشانہ بازی کا مقابلہ ہوا کرے گا جس کا نشانہ سب سے بہتر

ہوا اسے انعام ملے گا۔ 1095-96 کے موسم سرما کے طویل اور بے کیف مہینوں میں شمال مشرقی فرانس میں غیر معمولی سرگرمی اور ہلچل دکھائی دے رہی تھی ہر گلی کوچے میں ایک ہی واعظ کی آواز سنائی دیتی تھی چھوٹے قد کا سیاہ فام' نازک اندام لمبی سفید داڑھی والا یہ شخص جو خچر پر سوار شہر بہ شہر گھومتا پھرتا تھا "پیٹر دی ہرمٹ" تھا اس شخص کے مجنونانہ مواعظ سے لوگ دھڑا دھڑ بیت المقدس پر چڑھائی کیلئے صلیب لے رہے تھے۔

پوپ وکٹر ایشیا کے مسلمانوں پر عیسائیوں کا حملہ دیکھنے اور اپنے مشن کو پورا کرنے سے پہلے مر گیا اور اس مقدس خونریزی کے کام کو ایک غیر معروف اور گمنام شخص "پیٹر دی ہرمٹ" کے لئے چھوڑ گیا۔ ایک دن میں مسیح کی قبر کے سامنے سربسجود تھا میں نے مسیح کی آواز کو سنا جو مجھ سے کہہ رہی تھی پیٹر اٹھ کھڑا ہو اور میرے لوگوں کی مصیبت مشتہر کرنے میں جلدی کر اب یہ وقت ہے کہ میرے خادم مدد حاصل کریں اور مقدس مقامات چھڑا لئے جائیں۔ اس وقت اربن ثانی پوپ تھا جو پوپ وکٹر کا شاگرد اور معتقد تھا۔ اس نے اس تجویز کو بڑی خوشی سے اختیار کیا اور پیٹر کو گلے لگا لیا اس کے ارادوں کی تعریف وتوصیف کی اور یروشلم کی آنے والی آزادی کو مشتہر کرنے کیلئے آگے جانے کا حکم دیا پیٹر ملک بہ ملک شہر بہ شہر یروشلم اور عیسائیوں کی مصیبتوں کو بڑی دردناک اور دل شگاف صدا سے بیان کرتا ہوا پھرنے لگا۔ اسی دوران میں رومی شہنشاہ الیکسی اس نے جسے ترکوں کے ہاتھوں قسطنطنیہ کھو بیٹھنے کا ڈر تھا پوپ کے پاس اپنے سفیر بھیجے اور مسلمانوں سے نجات حاصل کرنے کیلئے مدد چاہی پوپ نے الیکسی اس اور مشرقی عیسائیوں کی مدد کیلئے ایک کونسل قائم کی اس کے اجلاس میں پوپ کی تقریر نے جو ایک آتش فشاں پہاڑ سے آتشیں سیال کی طرح نکل رہی تھی لوگوں کے ساتھ وہ کام کیا جو جلتی آگ کے ساتھ ہوا کا طوفان کرتا ہے۔ تمام سامعین بے خود ہو گئے بیساختہ انکے منہ سے نکلا یہ خدا کی مرضی ہے پوپ نے اپنی تقریر کو جاری رکھا اور کہا بے شک یہ خدا کی مرضی ہے اسی نے تمہیں یہ الفاظ سکھائے ہیں انہیں الفاظ کو اپنا نعرہ جنگ بناؤ پوپ نے انہیں نجات کا نشان صلیب دکھلایا اور کہا خود مسیح اپنی قبر سے اس صلیب کو تمہارے لئے پیش کرنے نکلا ہے۔ پوپ نے تقریر ختم کی تو لوگوں نے پرجوش نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیا انہوں نے قسم کھائی اور اپنے کپڑوں کو سرخ صلیب سے زینت دی لوگوں نے ذاتی تنازعے فراموش کر دیئے۔ آپس میں لڑنے والوں کو بھی مسلمانوں کے سوا کوئی دشمن نظر نہ آتا تھا۔ اس وقت سے جو لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے میں مصروف ہوئے وہ صلیب بردار کہلائے اور اس مقدس جنگ کا نام کروسیڈ رکھا گیا جو

لوگ ایشیا میں موت تلاش کرنے جا رہے تھے وہ امیدوار خوشی سے بھرے ہوئے تھے یورپ جلاوطنی کی سرزمین معلوم ہوتی تھی۔ جسے چھوڑنے پر ہر شخص سرگرم عمل تھا "پیٹر دی ہرمٹ" بلاشبہ اپنے خونی اور خطرناک مقاصد میں پوپ اربن کی حمایت سے کامیاب ہو گیا تھا۔ بیت المقدس کے مسلمانوں میں شدید خوف وہراس پھیلا ہوا تھا بیت المقدس کی مسلمان آبادی اس وقت ایک بڑے میدان میں جمع تھی گورنر افتخار الدولہ کی پرجوش آواز میدان میں گونج رہی تھی بلاشبہ ہمیں اس نوبت تک پہنچانے کے لئے جس طرح مسلمان امراء اور ریاستوں کے حکمرانوں نے اپنی حکومت کے تحفظ کی خاطر صلیبیوں کے دلکش اور حسین تحفے قبول کئے اور اسکے عوض صلیبی فوج کو تحائف رہبر راستہ اور رسد دیکر اپنے قبلہ اول کی جانب روانہ کیا وہ ایک شرمناک کہانی ہے پھر بھی کچھ لوگ زندہ تھے جن کی روحیں ایمان سے منور تھیں وہ بیت المقدس کی پاسبانی کرتے اور لہو کے نذرانے دیتے رہے عرقہ کے امیر کی جنگی طاقت صلیبیوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھی پھر بھی اس نے صلیبیوں کو مقابلے کے لئے للکارا مسلمانوں نے ایسی بے جگری سے مقابلہ کیا کہ صلیبی فوج نے بہت سا جانی نقصان اٹھا کر تین ماہ بعد محاصرہ اٹھا لیا اور راستہ بدل کر آگے چلی گئی۔ جس وقت افتخار الدولہ اپنے عوام سے خطاب کر رہا تھا صلیبی فوج یروشلم سے سولہ میل دور رملہ میں پہنچ چکی تھی 4 سال کے طویل سفر میں عیسائی فوج کی کل تعداد پچاس ہزار باقی رہ گئی تھی دو لاکھ سے زیادہ آدمی جنگوں قحط اور بیماریوں سے ضائع ہو چکے تھے 6 جون 1099 کو عیسائی فوج یروشلم کے سامنے جا پہنچی افتخار الدولہ نے تمام نواح کو ویران کر دیا اور پانی میں زہر ملا دیا لیکن راستہ میں کوئی مزاحمت نہ کی فوج نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔

حسن الادریس دو چھکڑوں پر بڑے بڑے صندوق لادے امیر لشکر کی جانب رواں دواں تھا صارم' حارث' صالح' خبیب صہیب اسکے ساتھ چلے جا رہے تھے میری عمر بھر کی کمائی بس یہ ہے حسن نے صندوقوں اور لڑکوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا میری پیش



ڈاک ٹکٹ شائقین

100 مختلف روس یادگاری خوبصورت 175 روپے
100 مختلف ہٹلری یادگاری 125 روپے
333 دنیا کے مختلف ممالک 199 روپے

مکمل فہرست بمعہ تحفہ مفت

غیر ممالک میں دوست بنانے کے 3 عدد عالمی شہرت یافتہ رسالے قیمت 200 روپے

رقم پیشگی بذریعہ V.P. طلب کریں۔ ڈاک خرچ 20 روپے

گرینکو F ریلوے روڈ خان پور - 64100
FAX80707 - 72646

ہیں آنکھوں نے کئی سال پہلے یہ منظر دیکھ لیا تھا۔ میں نے اپنی راتوں کی نیند اپنی امنگیں اپنے جذبے ان ہتھیاروں کی صورت میں ڈھال دیئے ہیں اور تمہاری تربیت میں 'میں نے پوری کوشش کی ہے کہ تمہارے سینوں میں دل کی جگہ صرف اسلام دھڑکے تم اس کمائی کو رائیگاں تو نہ جانے دو گے؟ حسن نے اپنی سوالیہ نظریں نوجوانوں کے چہروں پر گاڑ دیں جن سینوں میں اسلام دھڑکتا ہو ان سے آپ ایسی توقع رکھ سکتے ہیں صارم نے سب کی سفارت کرتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں سوال در سوال کر دیا نہیں میرے بیٹو! بیت المقدس ہمارا قبلہ اول ہے مسجد اقصیٰ کا تقدس خانہ کعبہ سے کم نہیں رسول اللہ یہیں سے معراج پر تشریف لے گئے۔ بیت المقدس مسلمانوں کا نظریاتی سرچشمہ ہے۔ کبھی کوئی فوج اتنے جوش سے آگے نہ بڑھی تھی جتنے جوش سے عیسائی فوج نے یروشلم پر حملہ کیا صلیبی فوج کو اندرون شہر سے عیسائی پل پل کی خبریں پہنچا رہے تھے مگر مسلمان باہر کے حالات سے بالکل لاعلم تھے پہلے شدید حملے میں ہی فوج نے باہر کی دیوار توڑ ڈالی مگر فصیل شہر کے بعد اندرونی دیوار رکاوٹ بن گئی وہ زینہ لگا کر اس پر چڑھ گئے اور مسلمانوں سے دست بدست لڑنے لگے مگر مسلمانوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور صلیبی فوج کو پسپا ہونا پڑا۔

بیت المقدس کے محاصرے کو ایک ماہ گزر گیا تھا مسلمان مقدور بھر اپنا دفاع کر رہے تھے حسن الادریس کے گھر کے ایک کمرے میں بھی تین افراد بلا امتیاز دن رات بڑی سرگرمی کے ساتھ مصروف عمل تھے ایک ماہ سے ان کے ہاتھ مسلسل حرکت میں تھے راضیہ اور اسماء پوری مہارت اور تندہی سے حسن کے ساتھ سخت جان لوہے کو مختلف ہتھیاروں کے روپ میں ڈھال رہی تھیں حسن نے لڑکیوں کی تربیت سے بھی کوتاہی نہیں برتی تھی رات کا نجانے کونسا پہر تھا جب صارم تیار شدہ ہتھیار لینے آیا اور اپنے ساتھ حسن کیلئے ایک خوشخبری بھی لایا کہ حارث اور صہیب کے بعد صالح بھی اسے سرخرو کر گیا میرا خیال ہے فیصلہ کن معرکے کا وقت آن پہنچا ہے اب یہ ہتھیار کچھ کام نہ دیں گے صرف جذبے لڑیں گے میں گھر میں صلیبیوں کی تلوار کا نشانہ بننے کی بجائے میدان جنگ میں موت کا سامنا کرنا پسند کروں گا۔ حسن الادریس نے ہتھیار سمیٹے اور ساتھ چلنے کو تیار ہو گیا میری بہنو مجھ میں حوصلہ نہیں رہا لیکن وہ وقت دور نہیں جب تمہاری چیخیں بدمست فاتحوں کے قہقہوں میں دب کر رہ جائیں تمہاری مدد کو آنے والے کوئی نہ رہیں تب اپنی تربیت کا حق ادا کر دینا اپنی حفاظت خود کرنا صارم نے سنجیدگی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا ڈیوڑھی سے باہر نکلتے ہوئے ننھی ربیعہ کا ایک معصوم سا جملہ اسکی سماعتوں سے ٹکرایا۔ خدا کرے ایسا ہی ہو صارم نے ٹھنڈی سانس بھر کر سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

13 جولائی 1099ء کا سورج طلوع ہوا اور بیت المقدس میں مسلمانوں کے 475 سالہ شاندار دور کا سورج غروب ہو گیا صلیبی فوجی بدمست ہاتھیوں کی طرح شہر میں داخل ہو گئے ان کی تلواریں نہتے مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھیں گھر مقتل بن گئے بیت المقدس میں مسلمانوں کیلئے کوئی پناہ نہیں تھی۔ صارم زخموں سے چور گرتا پڑتا اپنی قوت ارادی کے بل بوتے پر گھر پہنچ تو گیا مگر دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر وہیں بے دم ہو کر گر گیا اندر کی حالت اسے ساری داستان سنا رہی تھی صحن میں بہت سے صلیبیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں ایک کونے میں راضیہ اور اسماء کی جھلک نظر آ رہی تھی انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھاما ہوا تھا ان کے دوسرے ہاتھ خنجروں کے دستوں پر جمے ہوئے تھے جو ان کے سینے میں پیوست تھے پیاری بہنو تم نے اپنے ہنر کو خوب آزمایا ہے۔ صارم ان کے وجود کو ایک چادر سے ڈھانپتے ہوئے بڑبڑایا ربیعہ گھر میں کہیں بھی نہیں تھی تبھی ربیعہ کا وہ معصوم سا جملہ اسے زیادہ صراحت کے ساتھ اس کے کانوں میں گونجنے لگا۔ "اللہ میاں تو سب سے بڑے ہیں اللہ میاں کا گھر بھی سب سے بڑا ہے اگر فوجی آ گئے تو میں تو بھاگ کر اللہ میاں کے گھر چلی جاؤں گی۔ انہوں نے ہمیں مارا تو اللہ میاں بھی انہیں مارے گا اللہ سے تو سب ہی ڈرتے ہیں نا!" صارم نے ٹوٹتی سانسوں کی ڈوری کو پھر سے جوڑا اور مسجد عمر کا رخ کیا جو ان کے گھر سے کچھ فاصلے پر واقع تھی۔ مسجد ایک مذبح خانے کا منظر پیش کر رہی تھی وہاں سوائے گریہ زاری اور موت کی چیخوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا تھا صارم کی جوڑی ہوئی سانسوں کی ڈوری نے ایک جھٹکا کھایا اور وہ بھی اس قربان گاہ کی بھینٹ چڑھ گیا۔ بھاری بوٹوں کی ایک بڑی تعداد اس کے بے جان وجود کو کچلتی ہوئی آگے بڑھ گئی بھاگنے کی کوشش کرنے والوں کے تعاقب میں فتح مند لاشوں کے ڈھیروں کو بھی پامال کر رہے تھے۔

بغداد کا دربار خلافت ماتم کدہ بنا ہوا تھا جو بدنصیب جان بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے انکے نوحوں سے آسمان کا کلیجہ شق ہو رہا تھا۔ ہر کسی کے پاس سنانے کو ایک ہی کہانی تھی بے دردانہ 'قتل عام' بے رحمانہ خونریزی' مسلمانوں کی تباہی اور جگر خراش مصیبتیں عورتوں کی گریہ زاری بچوں کی چیخیں ایک عمر رسیدہ بزرگ کے ہاتھ کانپ رہے تھے زبان لڑکھڑا رہی تھی لفظ اس کے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے۔ ستر ہزار...... ستر ہزار قتل عام...... تھوڑا نہیں ہوتا...... مسجد اقصیٰ محراب داود...... حجرہ سلیمان' ہر جگہ انبیاء کی اس سرزمین میں ہر جگہ مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہادی گئیں۔ مسجدوں کے صحن میں گھوڑوں کے سم مسلمانوں کے خون میں ڈوبے ہوئے تھے ہم جیسے بدنصیبوں کو اس لئے بچایا گیا کہ گلیوں بازاروں میں لگے لاشوں کے انباروں کو دفنائیں صلیبیوں کو بیماریوں سے بچائیں بوڑھا شخص بول رہا تھا اور قطرہ قطرہ آنسو اس کی داڑھی کو بھگو رہے تھے خلیفہ بغداد کے پاس بھی اپنی اس بے اختیاری اور برائے نام خلافت میں یروشلم کے مظلوم مسلمانوں کیلئے سوائے آنسوؤں اور دعاؤں کے بھلا کیا تھا۔ "ارے تم بھی روتے ہو؟" نجم الدین نے بیٹے کا سر تھوڑی سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اس کی آنکھیں آنسوؤں سے نم تھیں بیٹا یہ دلفگار حقیقتیں یہ لہو رنگ داستانیں میرے باپ نے مجھے سنائی تھیں میں نے کسی امانت کی طرح انہیں سینے سے لگائے رکھا میں آج یہ ورثہ نسل در نسل تمہیں منتقل کر رہا ہوں یاد رکھو بیٹا بیت المقدس کو تمہارے آنسوؤں کی نہیں تمہارے خون کی ضرورت ہے۔ ابی میں قسم کھاتا ہوں کہ انشاءاللہ بیت المقدس کو ضرور آزاد کراؤں گا۔ بچے نے پرجوش انداز میں اپنے عزم کا اظہار کیا۔ انشاءاللہ ایسا ہی ہو گا بیٹا۔ نجم الدین نے فخر سے بیٹے کی پیٹھ تھپتھپائی۔

یہی بچہ جب نوعمر جنگجو کے روپ میں اپنے چچا سپہ سالار شیر کوہ کے ساتھ صلیبیوں کے خلاف پہلی جنگ لڑنے چلا تھا تو اس کا دادا کہہ رہا تھا مجھے نظر آ رہا ہے کہ تم کسی جگہ کے حکمران ہو گے یاد رکھو بیٹے آج سے تم میرے نہیں قوم کے بیٹے ہو۔ جو لوگ قوم کی آن پر اللہ کی راہ میں شہید ہوئے ہیں انہیں نہ بھولنا جو قوم اپنے شہیدوں کو بھول جاتی ہے اس قوم کو خدا بھول جاتا ہے جس قوم سے خدا نظریں پھیر لیتا ہے یہ دنیا اس کے لئے جہنم بن جاتی ہے اس کی عبادت گاہیں اصطبل اور اسکی بیٹیاں دشمن کی عیاشی کا سامان بن جاتی ہیں۔ اس قوم کی تقدیر اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے ...... سلطنت کی مسند پر بیٹھ کر اپنے دشمن کو اس لئے نظر انداز کئے رکھو کہ اطمینان سے قوم پر حکومت کر سکو تو اس مسند کی عمر طویل نہ ہو گی شہیدوں کی روحیں جنات بنکر تمہاری مسند الٹ دیں گی۔ جینے کا مقصد وہ رکھو جو خدا کو عزیز ہو جس میں قرآن کا حکم شامل ہو بے مقصد جینے سے قبل از وقت مر جانا بہتر ہے۔ یہ لو بیٹا میں نے اپنی جوانی تمہیں دی جو کام میں نہ کر سکا وہ تم کرو بیت المقدس جاؤ یہی تمہارے جینے کا مقصد ہو گا" دوانے بڑھاپے سے کانپتے ہاتھوں سے اپنی تلوار اس کی طرف بڑھا دی۔ نوجوان نے تلوار نیام سے کھینچ کر سونت لی اور گرجدار لہجے میں کہا "میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ تلوار اس دن نیام میں واپس جائے گی جب مسجد اقصیٰ آزاد کرا لوں گا" قسم کھانے والے کا نام "صلاح الدین ایوبی" تھا۔

مجال ہے ذرا استعمال کر لیں

جویریہ انجم بخت

اکثر جب معمولی سی بات پر غور کرنے بیٹھو تو سوچوں کے در وا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ابھی کل کی ہی بات لے لیں۔ میں ایسے ہی شام کو عصر کے بعد ذرا ٹہلنے کے لئے چھت پر گئی تو پچھلی گلیوں کے مولوی صاحب بڑے جوش و خروش سے وعظ فرمارہے تھے۔ نہ تو وہ جمعہ کا دن تھا اور نہ ہی کوئی ایسا خاص دن کہ خطبہ یا وعظ دیا جائے۔ یہ حضرات لاؤڈ سپیکر کو جانے کیا سمجھتے ہیں کہ کسی بچے نے اگر دو روپیہ چندہ دیا تو بھاگے بھاگے آئیں گے، لاؤڈ سپیکر آن کریں گے اور اعلان فرمائیں گے۔ سوچنے کی بات تو یہ ہے ناں کہ دو روپے کے چندے کے پیچھے جانے کتنے روپے کی بجلی استعمال میں لائی جارہی ہے۔ بہرحال میں بات کر رہی تھی کل کی۔ وہ حضرت کہہ رہے تھے کہ "جمعرات کے دن روحیں زمین پر آتی ہیں اور اگر ان کے لواحقین ان کے نام کی خیرات دیں اور مل جل کر رہیں تو وہ خوش ہو کر آسمان کی جانب پرواز کر جاتی ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ ناراض ہو جاتی ہیں۔" میں نے ابا جی سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ اللہ میاں نے روحوں کو اتنا شتر بے مہار نہیں کیا کہ ادھر ادھر کی سیریں کرتی پھریں۔ جو روح ایک مرتبہ قبض ہو جاتی ہے وہ لوٹ کر نہیں آتی یہ سب باتیں خود ساختہ ہیں اور اللہ رسول کے بعد اب روحوں کے نام پر مانگنا شروع کر دیا ہے۔

اسی طرح ایک دن وہ حضرت فرمارہے تھے کہ "اللہ کے نام پر مانگو اور کوئی نہ دے تو خیر ہے مگر رسولؐ اللہ کے نام پر نہ دینا کفر ہوتا ہے۔" خدا کی پناہ یہ تو خود ایک کفر ہے کہ رسول کے نام پر مانگا جائے جبکہ سب کا پالنہار اور رزاق تو خدا تعالیٰ ہے نہ کہ رسولؐ اللہ۔ خود رسول خدا کو یہ پتا چلے گا تو کس قدر افسوس ہو گا اور کیا سوچیں گے ہمارے بارے میں۔ آج پھر سوچوں کے در وا ہیں۔ کبھی کبھی ایسے جاہل اور کم عقل لوگوں پر غصہ آتا ہے جنہوں نے لوگوں کو سمجھانے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ جو خود اصل بات سے بے بہرہ ہو، وہ دوسروں کو کیا علم بانٹے گا۔ یہ تو سراسر گمراہی بانٹنے کی بات ہے۔ ایسا بندہ اپنے لئے تو گمراہی کا راستہ منتخب کرتا ہی ہے، اپنے ساتھ اپنے عقیدت مندوں کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ "ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ کی طرف لیجاتی ہے۔" اللہ نے انسان کو عقل جیسی نعمت ودیعت کی ہے تو کیوں دوسروں کے پیچھے جائیں جو خود اپنی منزل سے بے خبر ہیں۔ بالآخر عقل کا مقصد کیا ہے اور یہ کیونکر دی گئی ہے۔ سب سے بہترین رہنما خدا کے رسولؐ ان کی کتابیں اور ان کی زندگیاں ہیں۔ جب ہمارے سامنے نبی کریمؐ کی ساری زندگی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ قرآن پاک جیسا رہبر موجود ہے تو کیوں لوگوں کے خود ساختہ

جب دلوں پہ شام کا بسیرا ہو تو ہر چیز دھندلی لگتی ہے

وہ گدھے پہ بیٹھ کر گدھے پہ سامان نہ رکھتے کہ گدھے پہ بوجھ نہ پڑے

عقل ہرن کے سینگوں جیسی نہیں ہوتی کہ ہر سال نئی اگ آئے

اصولوں پر عمل کریں۔ کسی کی بات کا اس وقت تک یقین کیوں کریں جب تک کہ وہ بات ہم قرآن پاک یا حدیث پاک میں نہ پائیں۔ تقسیم کا زمانہ تھا۔ ہر طرف لوٹ مار مچی ہوئی تھی۔ ایک بستی میں پولیس نے چھاپہ مارا اور دکانوں کا لوٹا ہوا مال برآمد کرنے لگی۔ لوگوں سے جہاں تک ہوا وہ مال چھپا کر یا اس سے جان چھڑا کر خود کو بے گناہ ثابت کر رہے تھے۔ ایک شخص کے پاس شکر کی دو بوریاں تھیں۔ اس نے راتوں رات جلدی جلدی بوریاں گھسیٹیں اور قریبی کنویں کی طرف جا نکلا۔ ایک بوری تو جیسے تیسے پھینک دی مگر بری قسمت کہ دوسری بوری پھینکتے پھینکتے ساتھ خود بھی کنواں برد ہو گیا۔ اس نے خوب چیخیں ماریں۔ لوگ متوجہ ہوئے۔ رسیاں کنویں میں ڈالیں گئیں مگر جب تک اسے برآمد کیا گیا وہ گزر چکا تھا۔ لوگوں نے خیر اس کو دفنا دیا۔ اگلی صبح جو لوگوں نے کنویں سے پانی نکالا تو وہ میٹھا۔ ہر طرف دھوم مچ گئی۔ گھر والے اس حقیقت کو جانتے تھے۔ وہ کیا بتاتے کہ چوری کا مال چھپاتے ہوئے ایسا ہو گیا۔ ضعیف الاعتقادی کو ایسے لوگ اور ماحول بہت راس آتا ہے جو سوچتے نہیں ہیں سنتے ہیں اور بس پھر لے کر چل پڑتے ہیں۔ اس کنویں پہ کپڑے ٹانگ دیئے گئے۔ رات کو دیئے جلنے لگے۔ مخلوق خدا جو پہلے وہاں سے گھر کے استعمال کا پانی لیتی تھی اب اس نعمت سے بھی محروم ہو گئی۔ گدی نشین پیدا ہو گئے۔ پانی تبرک بن گیا اور بطور تبرک تقسیم ہونے لگا۔

اللہ تعالیٰ بھی ایسے مناظر اور عقائد کو دیکھ کر مسکراتے ہوں گے۔ کہ اتنی عقل اور سمجھ دی تھی اس مخلوق کو۔ مجال ہے ذرا استعمال کر لیں۔

مجھے کچھ کہنا ہے

پھر ایک نیا سلسلہ

اپنے دل کی بات دل والوں سے کہیے وہ سنتے بھی ہیں اور سر دھنتے بھی ہیں

مجھے کچھ کہنا ہے

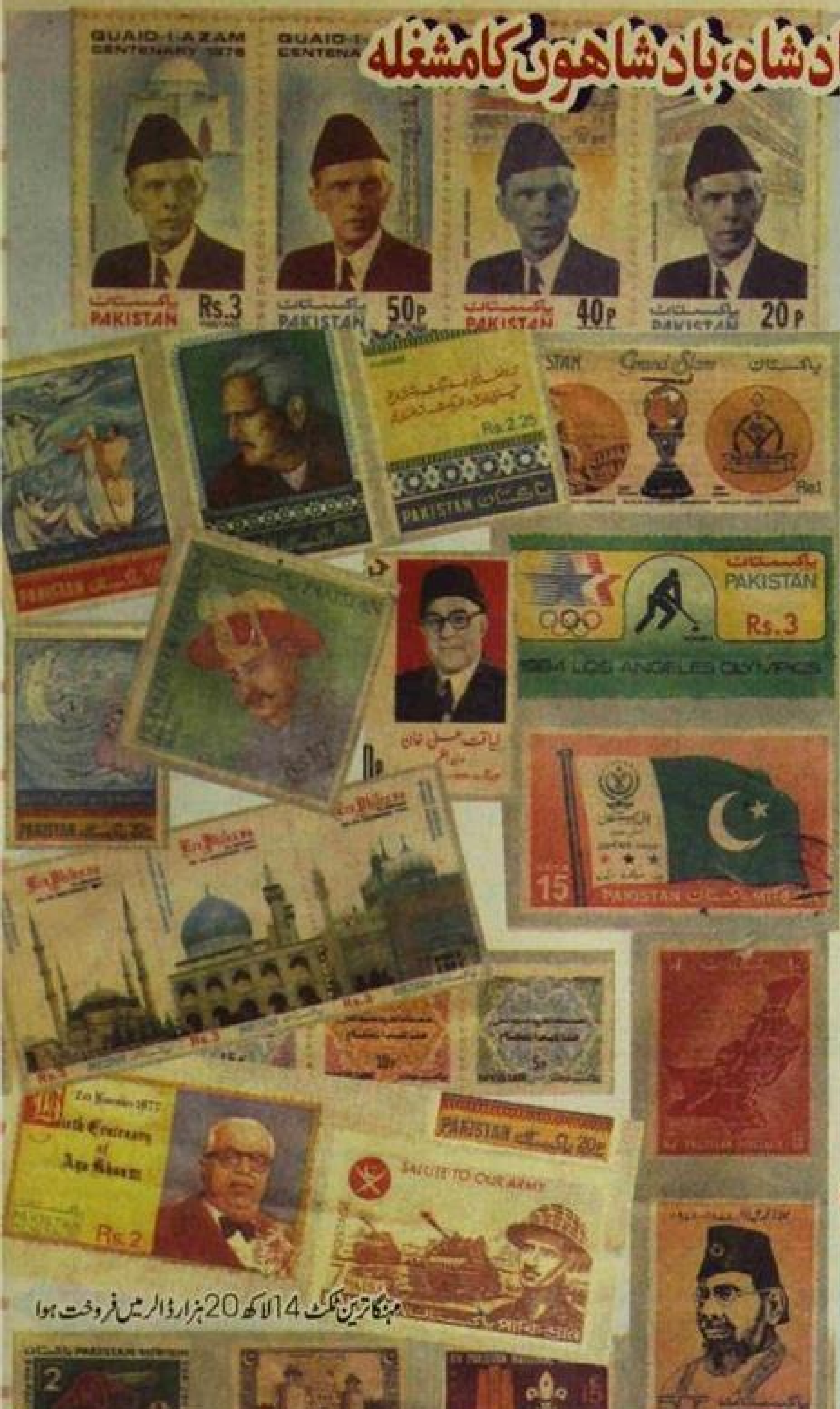
بچہ تو بچہ ہوتا ہے

بچہ تو بچہ ہوتا ہے چاہے کسی بھی عمر کا ہو، جس کے دانت آئے نہ ہوں وہ بھی بچہ اور جس کے سارے آکر نکل بھی گئے ہوں وہ بھی بچہ، ہر انسان کے اندر ایک بچہ ہے اور ہر بچے کے اندر ایک انسان ہے۔ کیا آپ نے کبھی اپنے دادا کے منہ سے اپنے ابو کیلئے یہ کہتے سنا، یہ میرا بڑا جوان ہے یا پردادا کو یہ کہتے سنا دادا کے بارے میں کہ یہ میرا بوڑھا ہے! نہیں یہی سنا میرا بچہ، اب سوال یہ ہے بچہ آخر بچہ ہے کیوں؟ آیا بچہ واقعی ہی بچہ ہے یا ہے تو کیوں بچہ ہے! انسان کا بچہ اپنے بچے کو انسان اور گدھے کا بچہ اپنے بچے کو گدھا بناتا ہے۔ گدھے کا بچہ انسان کے بچے سے عقل نہیں سیکھتا اس لئے کہ وہ گدھا ہے اور گدھے کا بچہ انسان کے بچے پہ سواری نہیں کر سکتا اور انسان کا بچہ گدھے کے بچے پہ سواری کر سکتا ہے جیسے ملا نصیرالدین جو گدھے پہ بیٹھ کر اپنا سامان سر پر اٹھائے رکھتے کہ گدھے پہ بوجھ نہ پڑے شاید عقل کا اثر تھا۔

ہمیں بچوں کو گدھوں میں نہیں انسانوں میں بڑا کرنا اور انسان بنانا ہے۔ جب شام کی تاریکی ہو تو سلفا کی چیاں گلاب جیسی لگتی ہیں۔ ایسے ہی جب ہمارے ہاں دلوں پہ شام کا بسیرا ہوتا ہے تو ہر چیز دھندلی دکھتی ہے اور ہمیں صحیح انسان کی پہچان میں غلطی ہو جاتی ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ لگاتا تو ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے تو کیوں نہ

باقی صفحہ نمبر 51 پر

ٹکٹ جمع کرنا مشغلوں کا بادشاہ، بادشاہوں کا مشغلہ



مہنگا ترین ٹکٹ 14 لاکھ 20 ہزار ڈالر میں فروخت ہوا

وقاص باقر نقوی

ڈاک کا نظام تو بہت پرانا ہے یہ نظام خلیفۃ المسلمین حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت سے رائج ہے۔ اس نظام کے مروج ہونے سے لوگوں کو پیغام رسانی میں انتہائی سہولتیں حاصل ہو گئیں۔ لیکن ڈاک ٹکٹ جن سے ہر خاص و عام واقف ہے پہلی مرتبہ برطانیہ کی طرف سے جاری ہوئے دنیا کے پہلے ڈاک ٹکٹ

9 جولائی 1948 کو پاکستان کا پہلا ڈاک ٹکٹ جاری ہوا

1840ء میں جاری کیے گئے۔ 2 ٹکٹوں کا سیٹ جن پر ملکہ وکٹوریہ کی تصویر ڈیزائن کی گئی تھی ان میں سے نیلے رنگ کے ٹکٹ کی مالیت 2 پنی جبکہ سیاہ رنگ کے ٹکٹ کی مالیت ایک پنی تھی۔ اس طرح ڈاک ٹکٹوں کا استعمال شروع ہوا۔ اسکے بعد 1843ء میں سوئٹزرلینڈ نے 2 اور برازیل نے بھی تین ٹکٹ جاری کیے۔ بعدازاں ٹکٹوں کی چھپائی تمام ملکوں میں شروع ہو گئی اور انکی ضرورت کو تسلیم کر لیا گیا۔ امریکہ کے محکمہ ڈاک نے پہلی بار 1847ء میں 2 ٹکٹ جن میں سے ایک پر فرینکلن اور دوسرے پر جارج واشنگٹن کی تصویر تھی جاری کیے۔ اسلامی ممالک میں ڈاک ٹکٹوں کی اشاعت کا آغاز ترکی سے ہوا۔ ترکی نے 1863ء اس کے بعد مصر نے 1866ء ایران میں 1870ء قبرص میں 1880ء افغانستان نے 1871ء سوڈان میں 1894ء لیبیا

دنیا کا پہلا ٹکٹ 1840 میں جاری ہوا جس پر ملکہ وکٹوریہ کی تصویر تھی

میں 1912ء حجاز میں 1916ء (مملکت سعودی عرب کے وجود میں آنے سے پہلے) فلسطین اور عراق میں 1918ء حضرموت 1955ء ایشیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ سندھ میں یکم جولائی 1852ء کو جاری کیا گیا۔ اس وقت سر بارٹل فریر سندھ کے گورنر تھے۔ انہوں نے آدھ آنے کا ٹکٹ جس پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا نشان اور سندھ ڈسٹرکٹ ڈاک کے الفاظ تحریر تھے جاری کیا۔

ڈاک کے ٹکٹ اپنے ملک کی تاریخ، قومی خصوصیات رسم و رواج اور تاریخی وتفریحی مقامات کی بہترین عکاسی کرتے ہیں یادگاری ٹکٹ عام ٹکٹ سے تھوڑے مختلف ہوتے ہیں اور تھوڑے عرصے کیلئے جاری کیے جاتے ہیں۔

14 اگست 1947ء کا دن وہ تاریخ ساز دن ہے جبکہ اقوام عالم میں ایک نئی آزاد اور خودمختار اسلامی مملکت کا قیام عمل میں آیا اور رفتہ رفتہ عالم اسلام کی پہلی ایٹمی طاقت بھی بن گئی۔

9 جولائی 1948ء کا دن پاکستان کی ڈاک کی تاریخ کا اہم دن ہے جب نومولود مملکت نے اپنے ٹکٹ جاری کیے۔ پاکستان کے ڈاک ٹکٹوں کا پہلا سیٹ جو کہ 4 ٹکٹوں پر مشتمل تھا جاری ہوا۔ ان چاروں میں یہ قدر مشترک تھی کہ ان چاروں پر "پاکستان زندہ باد 15 اگست 1947ء" کے الفاظ تحریر تھے۔ پہلے ڈاک ٹکٹوں کے اجراء کے 36 دنوں بعد پاکستان کی پہلی سالگرہ کو محکمہ ڈاک نے بھی شایان شان انداز میں منایا۔ اور 3 پائی سے لیکر 25 روپے مالیت تک کے 20 ڈاک ٹکٹ جاری کیے جن پر سات مختلف ڈیزائن بنے ہوئے تھے۔ اس کے 2 برس بعد تک محکمہ ڈاک نے کوئی ٹکٹ جاری نہیں کیا۔ 1951ء میں مصور مشرق عبدالرحمان چغتائی کے ڈیزائن کیے ہوئے 8 ٹکٹوں کا سیٹ جاری کیا گیا۔

1955ء میں آزادی کی سالگرہ پر جو ٹکٹ جاری کیے گئے ان کا موضوع صنعت و حرفت تھا جن پر کاغذ سوتی کپڑے پٹ سن کے کارخانے اور سوئی گیس کا پلانٹ بنا ہوا تھا۔ اس موقع پر کاغذ کے کارخانے والے ٹکٹ کو سرخ رنگ میں دوبارہ چھاپا گیا یہ پاکستان سیکورٹی پرنٹنگ پریس میں شائع ہونے والا پہلا ٹکٹ تھا اس سے قبل تمام ٹکٹ برطانوی ادارے میں شائع ہوتے تھے۔

23 مارچ 1956ء کو پاکستان کےh پہلے آئین

ڈاک ٹکٹ ملکی تاریخ قومی خصوصیات اور رسم ورواج کے بہترین عکاس ہوتے ہیں

تشکیل پایا اس اہم موقع پر محکمہ ڈاک نے 2 آنہ مالیت کا ٹکٹ جس پر آئین ساز اسمبلی بلڈنگ کراچی کی عکاسی کی گئی تھی جاری کیا۔ 8 جون 1962ء کو ملک میں صدارتی نظام کے نفاذ پر 40 پیسہ کی مالیت کا نمونہ ٹکٹ جاری کیا۔

1965ء پاکستان کی تاریخ کا اہم ترین سال ہے جب افواج پاکستان کے جری و بہادر جوانوں نے اپنے سے کئی گنا زیادہ فوج کو زیر کر دیا اوردنیا کی نئی فوجی تاریخ رقم کی۔ 17 دن کے معرکے میں دشمن کا 1600 سکوائر میل علاقہ قبضے میں لیا گیا 9500 فوجی افسروں کو جہنم واصل کیا گیا جبکہ 110 جہاز اور 475 ٹینک تباہ کئے۔ قومی ہیروز کی شاندار کامیابیوں کو خراج تحسین پیش کرنے کیلئے تین خوبصورت ٹکٹوں کا سیٹ جن میں 7 پیسہ مالیت کا ٹکٹ جس پر فوجی اور ٹینک 13 پیسے مالیت کا ٹکٹ جس پر بحری جہاز اور بحری فوج کا آفیسر اور 50 پیسے کی مالیت کا جس پر سٹار فائٹر اور پائلٹ چھپا تھا جاری کیا۔

سکاؤٹس جمبوری کے موقع پر 15 پیسے کی مالیت کا خوبصورت ٹکٹ جاری کیا گیا۔

1973ء میں پاکستان کا متفقہ آئین منظور کیا اس موقع پر قومی پرچم اور دستوری کتاب بنے ہوئے ٹکٹ کا اجرا کیا یہ ٹکٹ مختار احمد نے ڈیزائن کئے تھے۔

1976ء میں قائداعظم کے صدسالہ جشن ولادت کے موقع پر 14 اگست کو محکمہ ڈاک نے 8 ٹکٹوں کا سیٹ جاری کیا جس پر قائداعظم اور ان سے تعلق رکھنے والی عمارتوں کی تصاویر نمایاں تھیں۔ اسی سال علامہ محمد اقبال کے صدسالہ جشن ولادت کے موقع پر 5 خوبصورت ٹکٹوں کا اجرا ہوا۔ جن میں علامہ اقبال کی تصاویر ان کے اشعار کو بہترین انداز میں ڈیزائن کیا گیا تھا۔ 1989ء میں محکمہ ڈاک نے ٹکٹوں کے اجراء میں نئی جدت پیدا کی اور تحریک آزادی کے رہنماؤں اور نامور مسلمانوں کی تصاویر پر مشتمل ٹکٹوں کا اجرا کیا۔ اس طرح ان رہنماؤں کی کاوشوں کا اعتراف کیا گیا۔ پہلی دفعہ میں تحریک آزادی کے 27 رہنماؤں کے یادگاری ٹکٹ جاری کئے گئے۔ اس کے بعد تاحال یہ سلسلہ جاری ہے اور PIONEERS OF FREEDOM کے عنوان سے اب تک سینکڑوں رہنماؤں کے یادگاری ٹکٹوں کا اجرا کیا جا چکا ہے۔

اس کے علاوہ عالمی سطح پر منائے جانے والوں دنوں واقعات کی مناسبت سے بھی ٹکٹ جاری کئے جاتے ہیں تاریخی اہمیت کی حامل عمارتوں سکولز کالجز مالیاتی اداروں بزرگوں کے مزاروں اور دیگر اہم مواقع پر ٹکٹ جاری کئے جا چکے ہیں۔

پاکستان کی تاریخ کا اہم موڑ 1997ء تھا جب پاکستان نے اپنے قیام کی 50 ویں سالگرہ گولڈن جوبلی کے طور پر منائی۔ اور دشمنوں کے ان عزائم کو خاک میں ملا دیا جس میں وہ چاہتے تھے کہ نوزائیدہ مملکت جلد ختم ہو جائے گی۔ گولڈن جوبلی کے موقع پر جب مملکت کے تمام اداروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا محکمہ ڈاک نے بھی اپنے انداز میں حصہ لیا اس سال قائداعظم، فاطمہ جناح، لیاقت علی خان اوردیگر اکابرین کے خوبصورت رنگین ٹکٹ جاری کئے گئے جن کی مالیت تین روپے تھی۔ تینوں مسلح افواج جوانوں کی تصویروں پر مشتمل ٹکٹ جسکی مالیت 7 روپے تھی جاری کیا گیا۔

1998ء میں سینٹ کی سلور جوبلی کے موقع پر 2 روپے مالیت کا ٹکٹ جاری کیا گیا اسی سال حکومت کے پروگرام 2010 کے منصوبے پر مشتمل خوبصورت ٹکٹوں کا سیٹ جاری کیا گیا جن میں سال 2010 تک ملک کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل کرنے کے عزم کا اعادہ کیا گیا تھا۔

28 مئی نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کیلئے تاریخی اور اہم ترین دن ہے جب پاکستان کے پسماندہ ترین علاقے چاغی کے پہاڑوں سے گونجنے والی آوازوں نے مسلمانان عالم کو یہ نوید سنائی کہ آج عالم اسلام کی پہلی ایٹمی طاقت کے طور پر پاکستان ابھر کر آ گیا ہے اور مسلمانوں نے اس میدان میں اپنا لوہا منوا لیا ہے۔ اس تاریخ ساز موقع پر محکمہ ڈاک نے چاغی کے پہاڑ اور پاکستانی جھنڈے پر مشتمل ٹکٹ جاری کیا۔ اس کے بعد خیبر سے پشاور تک قومی پرچم مارچ یوم تکبیر کے مواقع پر بھی خصوصی ٹکٹ جاری کئے گئے۔

21 ستمبر 1999ء کو پاکستان کے دیرینہ اور انتہائی قابل اعتماد دوست ملک چین کے قیام کی گولڈن جوبلی کے موقع پر پاکستان نے 2 یادگاری ٹکٹ جاری کئے جن میں سے ایک پر ماوزے تنگ کی تصویر اور دوسری پر پاک چین دوستی کے حوالے سے اہم واقعات کی عکاسی تھی۔ اسی سال پاکستان کو موسیقی کی دنیا میں عالمی سطح پر متعارف کرانے اور صوفیانہ کلام سے گرمانے والے استاد نصرت فتح علی خان کی برسی کے موقع پر 2 روپے مالیت کے ٹکٹ کا اجرا ہوا۔

2000ء میں فوجی حکومت کے آنے کے بعد محکمہ ڈاک نے ہیومن رائٹس کنونشن کے موقع پر 2 روپے مالیت کا ٹکٹ جاری کیا۔ اس سال کو احترام انسانیت کے سال کے طور پر منانے کا اعلان کیا گیا۔ SOS چلڈرن ولیجز کے 25 سال مکمل ہونے پر خوبصورت ٹکٹ جاری کیا گیا۔ اگست میں قائداعظم کے دیرینہ رفیق احمد ایچ جعفر کی یاد میں 10 روپے مالیت کا ٹکٹ جاری کیا گیا۔ جبکہ 6 ستمبر کو نشان حیدر کی سیریز میں کیپٹن سرور شہید اور میجر محمد طفیل شہید یادگاری ٹکٹ جاری کئے گئے جن کی مالیت 5 روپے ہے۔

دنیا کا نایاب ترین اور قدیم ٹکٹ کا نیلام سوئٹزرلینڈ کے شہر زیورخ میں 1997ء میں ہوا۔ یہ ٹکٹ ڈیڑھ سو سال قدیم ہے اور اسے سوئٹزرلینڈ کے ایک بینکار نے 14 لاکھ 20 ہزار امریکی ڈالر میں خریدا اس سے قبل دنیا کا نایاب اور مہنگا ٹکٹ گیانا کا ایک سینٹ کا ٹکٹ تھا جو 1856ء میں جاری ہوا۔ 1970ء میں یہ ٹکٹ ایک نیلام 2 لاکھ 80 ہزار ڈالر یعنی 70 لاکھ روپے میں فروخت ہوا تھا۔

ڈاک ٹکٹ جمع کرنا کافی پرانا مشغلہ ہے اور دنیا میں لاکھوں لوگ اس علمی معلوماتی اور دلچسپ مشغلے سے وابستہ ہیں۔ اس مشغلے کے اختیار کرنے سے نوجوانوں کو دنیا کے مختلف مذاہب اقوام معاشرے اور افراد کے حالات و واقعات کے بارے میں گھر بیٹھے بیٹھے معلومات حاصل ہوتی ہے اور افراد اداروں نئی تحقیقات کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ آجکل کے ترقی یافتہ دور میں جب معلومات اور پیغام رسانی کے ذرائع سے معلومات کو ترقی دینے کا عمل آج بھی جاری ہے یہ ٹکٹ کسی بھی ملک کے قومی ہیروز نامور شخصیات قومی ایام یادگاروں عمارتوں اور قدرتی مناظر کی شناخت ہوتے ہیں ان کے ذریعے رسم ورواج کی بہترین عکاسی ہوتی ہے۔ سارک ممالک کی سطح پر ''اسپانس کلب'' کے نام سے تنظیم ہے جو اس مشغلے کی ترویج و ترقی میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

ڈاک ٹکٹ جمع کرنے کے مشغلے میں اپنے فارغ وقت کا بہترین مصرف ملتا ہے اور گھر بیٹھے اس شوق کو پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔ اس کیلئے دیگر افراد سے ٹکٹوں کی EXCHANGE سرکاری اداروں میں ہونے والی ڈاک سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

ہمارے ملک میں ڈاک ٹکٹوں کی اہمیت و قیمت کو آج تک تسلیم نہیں کیا گیا ہم گوروں کی تقلید صرف ان چیزوں میں کرتے ہیں جن سے فی الحقیقت ہماری ذات کو کوئی فیض نہیں پہنچتا۔

ڈاک ٹکٹ جمع کرنے کا شوق بھی مغربی ممالک سے شروع ہوا یہ ایسا مشغلہ ہے جس سے کسی نقصان کا احتمال نہیں ''زندہ ہاتھی لاکھ کا اور مردہ سوا لاکھ کے مقولے کے تحت جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے ان ٹکٹوں کی مانگ اور قدر و قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں اس مفید مشغلے کی غیر مقبولیت کی وجہ یہ ہے کہ اسکی اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

آج کے اس پرآشوب دور میں جب ہر شخص معاشی اور معاشرتی مسائل کے خلاف جنگ میں مصروف ہے اور روزگار کے حصول میں دشواریاں پیدا ہو رہی ہیں تو ایسے مشاغل سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ جو کہ ذہنی پریشانیوں میں کمی کا سبب بن سکتا ہے بلکہ یہ مشغلہ مالی طور پر نفع بخش ہے۔ ڈاک ٹکٹ جمع کرنے کا مشغلہ دلچسپی کا سامان اور مالی فوائد اور بہتر مستقبل کی امید ہے۔ یورپ اور امریکہ میں لاکھوں کروڑوں روپے کا کاروبار ٹکٹ جمع کرنے والوں کی تجارت پر چل رہا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق صرف امریکہ میں 80 لاکھ سے زائد افراد اس علمی شغل کے ساتھ منسلک ہیں۔ انگریزی کی ایک مثل ہے کہ ''ٹکٹ جمع کرنا تمام مشغلوں کا بادشاہ ہے اور بادشاہوں کا مشغلہ'' یہ اپنی قسم کا واحد مشغلہ ہے جو بغیر سرمائے کے بھی جاری رکھا جا سکتا ہے اور سرمایہ لگا کر بھی انگلستان کا ٹکٹ دنیا بھر میں منفرد ہے اور یہ دنیا کا واحد ٹکٹ ہوتا ہے جس پر اسکے ملک کا نام نہیں ہوتا بلکہ اسکے ٹکٹ کو بادشاہوں کی تصاویر سے پہچانا جاتا ہے۔

کھڑے ہوئے...... ندیم، گل نواز محمد اشفاق امین شاہد عامر شکیل ندیم خان محمد انور شعیب قادر زبیر پراچہ محمد اعجاز اور قاری عبدالماجد



بیٹھے ہوئے افتخار شاہ لیاقت مجاہد اختر عباس چودھری حاکم علی اور منظر وحید

یہ صورت گر

انٹرویو: شموس الہدیٰ نور + شفا علی
رپورٹ: شفا علی

کبھی آپ نے کسی پھول کی پنکھڑی کو غور سے دیکھا ہے؟ یہ پنکھڑی کتنی خوبصورت ہوتی ہے۔ یہی پنکھڑیاں اکٹھی مل کر ایک خوبصورت پھول کا وجود بناتی ہیں۔ ہمارا ''پھول'' بھی کچھ اسی طرح بنا ہے۔ وہ لوگ جو اس کا حصہ ہیں' اسے سجاتے' بناتے اور سنوارتے ہیں پنکھڑیوں کی مانند ہی تو ہیں۔ آیئے آپ کو ان سے ملواتے ہیں:

عامر شکیل عامر:

یہ پھول میں سینئر ڈیزائنر ہیں۔ پھول سے ان کا تعلق 6 سال سے ہے۔ ان کے نزدیک ٹائیٹل کی پرنٹنگ اور ڈیزائننگ کوالٹی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ پھول میں صرف بیڈ ٹائم سٹوری پڑھتے ہیں۔ پھول کا کام بہت توجہ سے کرتے ہیں۔ ان کو اپنا نام رسالے میں چھپا ہوا دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ نام کی لاج رکھنا چاہتے ہیں اس لئے محنت سے کام کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں پھول کے اچھا ہونے کی وجہ اس کے آئیڈیاز کی کثرت ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ پھول میں کمپیوٹر انفارمیشن زیادہ ہونی چاہئے کیونکہ یہ وقت کی ضرورت ہے۔ ان کے شوق بڑے عجیب سے ہیں یہ اپنے آپ کو ''کبوتر پرور'' کہتے ہیں۔ انہوں نے کبوتروں کے متعلق ایک directory بھی لکھی The directory of pigeon-mastar ہے جو 300 صفحات پر مشتمل ہے۔ انہیں مختلف ممالک کی ماچسیں جمع کرنے کا بانسری بجانے کا اور ڈرائینگ کرنے کا بہت شوق ہے۔ انہوں نے خود بھی خاصے کبوتر پالے ہوئے تھے۔

شعیب قادر:

شعیب قادر پھول کی کمپیوٹرائزڈ لے آؤٹ اور کلر پینٹنگ کا کام کرتے ہیں شروع ہی سے پھول کے ساتھ ہیں انہیں پھول اس لئے اچھا لگتا ہے کہ اس کے سینٹر میں ورائٹی ہوتی ہے اور پھول سے بہت سی انفارمیشن بھی مل جاتی ہے واہ کیا بات ہے کا کالم انہیں بہت پسند ہے ان کا کہنا ہے کہ پھول کے پروگراموں اور انعامات کی تعداد میں اضافہ ہونا چاہیے پھول صرف انہیں ہی نہیں بلکہ ان گھر والوں کو بھی بہت اچھا لگتا ہے

محمد اعظم یاد:

یہ اپنے کہنے کے مطابق پھول کا فیلڈ ورک کرتے ہیں۔ پھول سے پانچ' چھ سال سے وابستہ ہیں۔ ان کو پھول ٹھیک لگتا ہے اور دوسرے رسالوں سے مختلف اس لئے ہے کیونکہ اس میں مختلف قسم کے سلسلے ہیں۔ ویسے بھی ہی جامع رسالہ ہے۔ ان کے نزدیک کام کو احسن طریقے سے سرانجام دے پانا بھی اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ فارغ اوقات میں مطالعہ کرتے ہیں اور واک کرتے ہیں۔ ان کے مطابق اگر یہ پھول میں کام نہ کر رہے ہوتے ہوتو ایک بزنس مین ہوتے۔

عاصم رضا: (سرکولیشن)

گزشتہ 5 سال سے پھول کی سرکولیشن کا کام کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک پھول پرفیکٹ ہے کیونکہ یہ مارکیٹ میں واحد رسالہ ہے۔ جو ٹین ایجرز کے لئے بہت موزوں ہے۔ انہیں پھول میں بیڈ ٹائم سٹوری بہت پسند بھیا کا انداز تحریر: بھا لگتا ہے۔ یہ بتاتے ہیں کہ مارکیٹ میں پھول کی سرکولیشن سب سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ دوسرے رسالوں کی عمر زیادہ ہے مگر پھول پھر بھی زیادہ مقبول ہے اس لحاظ سے اس نے زیادہ ترقی کی ہے۔ انہیں پھول سے اپنا تعلق اچھا لگتا ہے۔ انہیں مطالعے کا شوق ہے۔ یہ کرکٹر بننا چاہتے تھے۔ اب ویسے ہی کھیل لیتے ہیں۔ سرکولیشن میں ہونے کی وجہ سے پھول ان کے پاس پہلے کو ہی آجاتا ہے مگر پہلے یہ سب میں بانٹتے ہیں اور پھر خود پڑھتے ہیں۔

چوہدری حاکم علی: (چیف اکاؤنٹنٹ)

ان کے نزدیک پھول بچوں کا اچھا رسالہ ہے۔ اور اس کا اچھا ہونا بچوں پر ہی منحصر ہے۔ ایک اچھے رسالے کی کامیابی کیلئے یہ اس کے میٹریل اور پوری پروڈکشن کو اہم قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی میں محنت بہت اہمیت رکھتی ہے اسکے بغیر کامیابی کا کوئی تصور نہیں۔

محمد انور:

تمام خط و کتابت اور دعوت نامے ان کی ذمہ داری ہیں۔ پھول سے ان کا تعلق شروع ہی سے ہے۔ یہ کبھی کبھار پھول پڑھتے ہیں۔ انہیں پھول میں احادیث اور اداریہ اچھا لگتا ہے پھول کی کہانیوں کا معیار بھی اچھا ہے۔ انہیں پھول میں تاریخی سلسلے کی کمی لگتی ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ تاریخ کبھی ختم نہیں ہوتی ایک اچھے رسالے کی کامیابی کیلئے ایک اچھا ایڈمنسٹر ہونا ضروری ہے جو بھیا کی صورت میں پھول کو میسر ہے۔ پھول ایک معیاری رسالہ ہے۔ عام رسالوں سے مختلف ہے اس کی



عثمان خادم محمد عرفان الحق ایڈیٹر بھیا منظر وحید اور سید غضنفر علی عبدالصمد مظفر منصور حسین رانا بابر حیات پھول کی کامیابی پر خوش نظر آتے ہیں

کہانیاں زندگی کے تجربات بتاتی ہیں۔

شاہد سرور: (کمپیوٹر کمپوزر)

کہانیاں کمپوز کرتے ہیں۔ کام کا Load زیادہ ہے اس لئے پروف ریڈنگ میں غلطیوں کی شکایت آتی ہے۔ پھول آدھے سے زیادہ کمپوزنگ کے دوران ہی پڑھ لیتے ہیں اور ایسا کرنے میں انہیں بہت مزہ آتا ہے۔

عمیر صفدر: (السٹریٹر)

پھول سے 3 سال سے وابستہ ہیں۔ انہوں نے MFA کیا ہوا ہے۔ پھول کے تمام قارئین سے پہلے کہانیاں پڑھتے ہیں۔ کہانی پڑھ کر جو تخیل بنتا ہے اس کے لحاظ سے تصویر بناتے ہیں۔ پھول میں اداریہ اچھا لگتا ہے۔ ان کے خیال میں پھول typical قسم کا رسالہ نہیں ہے بلکہ ہر طرح کے کالم اس میں شامل ہیں۔ البتہ کہانیوں میں بعض اوقات یکسانیت ہو جاتی ایک کامیاب رسالے کیلئے ان کے نزدیک کسی ایک age group کیلئے مخصوص ہونا ضروری ہے۔

لیاقت علی مجاہد: (جنرل مینجر شعبہ اشتہارات)

پھول سے تعلق 96 سے ہے۔ یہ پھول کے تاثر کو اچھا قرار دیتے ہیں کہتے ہیں اس میں بیگانہ سی بات نہیں ہے۔ پھول بچوں کو ان کے ایک خاص Level پر رہ کر ہر اچھی بات بتاتا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ کوئی کام بغیر dedication کے نہیں ہو سکتا۔ اس میں ذاتی دلچسپی اور پیشے کے اعتبار سے دلچسپی لینا ضروری ہے۔ کسی ڈر یا خوف سے کچھ نہیں مل سکتا۔ رسالے کی کامیابی کیلئے اشتہارات کو اہم قرار دیتے ہیں۔ فارغ وقت میں بھی کام ہی کرتے ہیں۔ اس بات پر فخر محسوس کرتے ہیں کہ یہ ایک سیلف میڈ انسان ہیں۔ کام کی تعریف نہیں کی جا سکتی بس کام میں دلچسپی ہونی چاہئے اور ساتھ میں مواقع بھی ملنے چاہیں۔ ان کے نزدیک بچپن کی کوئی حد مقرر نہیں۔ یہ غصے کو پی جانا ضروری خیال کرتے ہیں۔ ہمیں معاشرتی اقدار کو اہمیت ضرور دینی چاہئے۔ انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ زندگی میں کوئی نہ کوئی point of satisfaction ضرور ہونا چاہئے۔ انہیں سیلف میڈ لوگ اچھے لگتے ہیں۔

سید اختر علی شاہ: (چیف فوٹو گرافر)

78 سے یہ کام کر رہے ہیں۔ پورے پاکستان میں 36 فوٹو گرافران کے ماتحت ہیں۔ فوٹو گرافی کا شوق انہیں اس وقت پیدا ہوا جب انہوں نے دیکھا کہ سٹوڈیو میں عام آدمی کا جانا منع ہے مگر فوٹو گرافرز بلا روک ٹوک آ جا رہے ہیں۔ اور دوسرے اخبارات سے آفرز آئیں مگر انہوں نے کوئی پیشکش قبول نہیں کی۔ لاہور میں ان کے ساتھ صرف 6 فوٹو گرافرز ہیں۔ کام زیادہ ہے مگر بھاگ دوڑ اور محنت سے پورا کر لیتے ہیں کوشش کرتے ہیں کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہ دیں۔ پھول میں رپورٹیں پڑھتے ہیں۔ اپنی تصویریں دیکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ روپیہ پیسہ آنے جانے والی چیز ہے' عزت مشکل سے بنتی ہے اور بگڑنے میں پل بھی نہیں لگتا۔

منظر وحید: (سب ایڈیٹر)

بہت شگفتہ انسان ہیں۔ ان کے خیال میں بہت سے لوگ ان سے irritate بھی ہوتے ہیں۔ کیوں ہوتے ہیں؟ یہ ان لوگوں کا اپنا مسئلہ ہے۔ پھول انہیں اس لئے اچھا لگتا ہے کیونکہ ان کے خیال میں اپنی چیز کسے بری لگتی ہے۔ پھول دوسروں سے مختلف اس لئے لگتا ہے کہ یہ خود اس میں شامل ہیں۔ رسالے کی کامیابی کیلئے ان کے خیال میں یہ خود بہت ضروری ہیں۔ اس کے علاوہ رسالے کا میٹر مختلف ہونا چاہئے۔ ان کے نزدیک رسالے کو بنانے کا سارا پراسس ایک پیپر جیسا ہوتا ہے ایسا امتحان کہ جس کا رزلٹ ہر ماہ نکلتا ہے۔ زندگی کو Lightly گزارنے کے قائل ہیں۔ اچھے لوگوں سے مل کر خوش ہوتے ہیں۔ فارغ وقت میں کتابیں پڑھتے ہیں۔ بچپن کا دلچسپ واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا کہ چوتھی جماعت کے امتحان میں کاغذ کے پھول لے کر جانے تھے۔ گھر والوں نے کہا کہ جاؤ اپنی کزن سے جا کر لے آؤ۔ یہ جا کر بس میں بیٹھ گئے اور کہا کہ آخری بس سٹاپ پر اتار دو۔ آخری سٹاپ پر اتر کر دیکھا تو جگہ بہت انجانی لگی۔ اتہ پتہ پوچھا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ آخرکار اسی بس میں بیٹھ کر شام ڈھلے گھر واپس آئے۔ پیچھے گھر والے سب پریشان کہ پاس ہی تو گھر ہے۔ بچہ پتہ نہیں کہاں چلا گیا۔ شام کو جب گھر واپس آئے تو گھر والوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ انہیں گرم دودھ پلا کر سلا دیا گیا۔ بھائی جا کر پھول لے آیا۔ پھول ٹیم کے بارے میں ان کا یہ خیال ہے کہ خامیاں ہر ایک میں مگر ہم سب کی اچھی باتیں مل کر ایک اچھے میگزین کی صورت میں سامنے آتی ہیں۔

عرفان الحق:

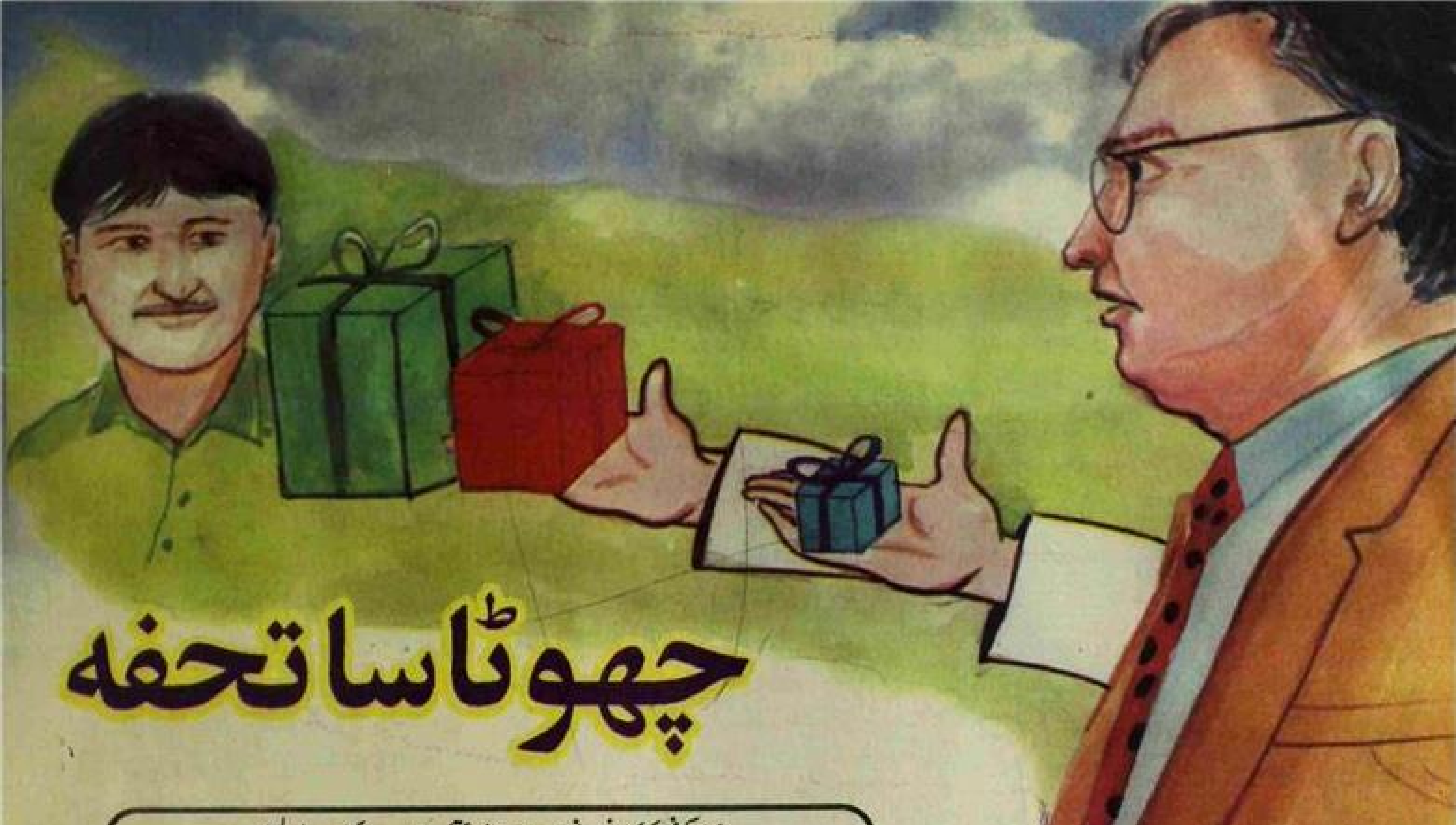
پھول سے ان کا تعلق 4 سال سے ہے۔ یہ سیکنڈ ایئر میں تھے جب پھول دیکھا۔ اس وقت اس کی طرف قدم بڑھانے کو دل چاہا اور اسی طرح آہستہ آہستہ پھول سے تعلق مضبوط ہوتا گیا۔ یہ کہتے ہیں کہ پھول نے انہیں جو مقام دیا وہ ان کے لئے باعث فخر ہے۔ انہیں اچھے لوگوں سے ملنا اچھا لگتا ہے اور وہ جو زندگی میں آگے بڑھنے کا طریقہ جانتے ہیں۔

شفا علی۔ لاہور

جی! میں شفا علی ہوں۔ پھول سے 98 سے تعلق ہے۔ تھرڈ ایئر کی طالبہ ہوں۔ پھول اس لئے اچھا لگتا ہے کیونکہ اس نے بہت پیار سے بہت مان سے اللہ جی پر یقین رکھنا اور ان سے محبت کرنا سکھایا ہے۔ پھول کے ساتھ تعلق ہی میری زندگی کا ایک بہت خوشگوار واقعہ ہے۔ اب میری پوری کوشش یہی ہوتی ہے کہ میں دوسرے لوگوں کو یہ اچھا احساس منتقل کر سکوں۔ لوگوں کی اچھی عادات کو پسند اور بری عادات کو ناپسند کرتی ہوں۔ اللہ جی کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے زندگی کو اچھے لوگوں سے بھرا ہوا ہے اور ان لوگوں میں سرفہرست میری ماں ہیں پھول سے تعلق پر بہت مطمئن اور خوش ہوں۔ بھیا نے مجھے باقاعدہ ''پھول رپورٹر'' کی ذمہ داری دے دی ہے۔ اچھی اچھی رپورٹس لکھ کر مجھے بھی بہت اچھا لگتا ہے۔



ماریہ مجید تسلیم کوثر آمنہ اعظم عقیلہ اقبال تعظیم کوثر بشریٰ عظمت شموس الہدیٰ نور نسرین نادر طیبہ فاطمہ پھول کی خوشیوں میں شریک



چھوٹا سا تحفہ

ایک کم فہم کی کہانی وہ نہیں جانتا تھا کہ عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے

اشتیاق احمد

''آج شام تم میری کوٹھی پر آ جانا...... ایک ضروری بات ہے...... جو وہیں ہو سکتی ہے'' اپنے آفیسر کے یہ الفاظ سن کر سلمان نذیر فکر مند ہو گیا۔ وہ ان کا ہیڈ کلرک تھا۔ اس سے پہلے انہوں نے کبھی اسے گھر نہیں بلایا تھا اس نے پریشان نظروں سے ان کی طرف دیکھا' پھر بولا: ''ایسا کیا کام آ پڑا سر'' ''کیوں...... کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ میرے گھر آؤ'' ''یہی بات ہے سر...... اس لئے کہ لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے'' ''باتیں بنانا لوگوں کا کام ہے...... تم کچھ کرو گے' تو بھی وہ باتیں بنائیں گے...... نہیں کرو گے' تب بھی باتیں بنائیں گے...... لوگ تو کسی طرح جینے نہیں دیتے لہٰذا تم آ جانا بس...... میں نے کہہ دیا' یہ میرا حکم ہے''۔

''ج ج...... جی اچھا'' وہ اپنے گھر پہنچا تو بہت فکر مند تھا...... اس پر نظر پڑتے ہی اس کی بچی نے چہک کر کہا۔ ''آ ہا ابو آ گئے' آج تو میری گڑیا ضرور لائے ہیں نا'' ''نن...... نہیں میری بچی...... آج تنخواہ نہیں ملی...... تنخواہ لیٹ ہے اس بار...... شاید تین دن تک ملے گی...... جس روز ملی میں آپ کی گڑیا ضرور لاؤں گا...... ویسے تو آپ خود گڑیا ہیں'' ''بس بس ابو رہنے دیں...... آپ ہر بار یہی کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ چھ ماہ ہو گئے یہ جملہ سنتے ہوئے تو...... میں جان گئی آپ نہیں لا کر دیں گے''۔ ''ایسی بات نہیں اس تنخواہ پر ضرور......'' ''پکا وعدہ......'' اس نے خوش ہو کر کہا۔ ''ہاں! بالکل پکا'' ''اور میرا سوٹ'' اس کی بیگم نے کہا۔ ''وہ بھی اس بار ضرور آئے گا'' ''اب مجھے بھی فاخرہ کے الفاظ دہرانا پڑیں گے...... یہ سنتے ہوئے تو پورے چھ ماہ گزر گئے'' ''بس! چند دن اور......'' اس نے فوراً کہا۔ ''خیر آپ کے چند دن بھی دیکھ لیتے ہیں''۔ بیگم نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ ''ہاں ضرور...... ضرور دیکھ لیجئے گا...... میں اس بار سوٹ بھی لاؤں گا اور گڑیا بھی'' ''یہ آپ اس لئے کہہ رہے ہیں کہ ابھی آپ نے ادھار والوں کا حساب نہیں لگایا''۔

''وہ بھی لگ جائے گا...... میں جانتا ہوں تنخواہ سے زیادہ حساب دینا ہے مجھے...... لیکن میں ہر دکاندار کو پچاس روپے کم دوں گا''۔ ''پھر...... اگلے ماہ کیا کریں گے'' ''اگلے ماہ...... وہ اگلے ماہ دیکھی جائے گی'' ''اس طرح یہ مسائل حل نہیں ہوں گے...... یہ پوری کالونی کلرکوں اور ہیڈ کلرکوں کی ہے...... ان لوگوں کے پاس ہر چیز ہے...... گھروں میں ہر چیز کی ریل پیل ہے...... یہ لوگ اس قدر آسانی سے آخر کس طرح لے آتے ہیں'' ''یہ...... یہ باتیں تمہارے سمجھنے کی نہیں ہیں بیگم...... سوٹ اور گڑیا کا مطالبہ ہے...... وہ میں اللہ نے چاہا تو اس بار ضرور پورا کر دوں گا''۔ ''اوہو...... میں جاننا چاہتی ہوں یہ کلرک لوگ کس طرح آپ سے زیادہ خوشحال ہیں۔ مالدار ہیں' ہم کیوں اتنے غریب ہیں'' ''میں یہ باتیں پھر کسی وقت بتاؤں گا...... اس وقت میں ایک اور پریشانی میں مبتلا ہوں۔ آج شام مجھے میرے آفیسر نے اپنی کوٹھی پر بلایا ہے...... شیخ اکبر نے آج تک مجھے کبھی اپنے گھر نہیں بلایا''۔ ''واہ...... یہ تو بہت اچھی بات ہے...... ضرور ہمارے فائدے کے لئے ہی بلایا ہوگا''

''ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا'' ''اللہ کرے...... کوئی مزیدار بات سننے میں آئے'' ''دیکھو...... میں تو بہت الجھن محسوس کر رہا ہوں'' ''آپ کو تو ہر بات میں الجھن محسوس ہوتی رہتی ہے'' بیگم نے جل بھن کر کہا اور وہ اداس انداز میں مسکرا دیا۔ شام کو وہ شیخ اکبر کی کوٹھی پہنچ گیا...... شیخ اکبر اس کے محکمے کے سربراہ تھے۔ انہوں نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا...... ہاتھ پکڑ کر ڈرائنگ روم تک لے آئے...... پھر بولے۔ ''بیٹھو بیٹھو...... کیا پینا پسند کرو گے'' ''جی...... گگ...... کچھ نہیں...... آپ کام بتائیں''

''کام بھی بتاتا ہوں۔ پہلے چائے پانی ہو جائے...... میرا خیال ہے' چائے بہتر رہے گی۔ موسم سرد ہو چلا ہے'' ''جیسے آپ کی خوشی...... میں تو کسی چیز کی ضرورت محسوس نہیں کر رہا''۔ ''نہیں...... یہ ضروری ہے'' یہ کہہ کر انہوں نے میز پر رکھی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ جلد ہی ملازم اندر داخل ہوا۔ ''چائے لے آؤ...... اور لوازمات ٹرے میں رکھنا نہ بھولنا'' ''او کے سر'' اس نے کہا اور چلا گیا۔ چند منٹ تک شیخ اکبر اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے

رہے...... پھر ملازم چائے لے آیا...... ٹرے مختلف قسم کی چٹ پٹی چیزوں سے بھری ہوئی تھی۔ آخر وہ چائے سے فارغ ہو گئے...... جب ملازم ٹرے اٹھا کر چلا گیا تو انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور بولے۔ "دیکھو سلمان نذیر...... میں جانتا ہوں...... تمہارا ہاتھ بہت تنگ ہے...... گھر کا گزارا بہت مشکل سے ہو رہا ہے...... اخراجات پورے نہیں ہوتے۔ ادھار سر پر چڑھتا جا رہا ہے...... بیوی اور بچی کی فرمائشیں تم پوری کرنے کے قابل نہیں ہو...... میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟" "یہ...... یہ آپ سے کس نے کہہ دیا سر...... میں تو اللہ کا شکر ہے بالکل ٹھیک ہوں...... خوش حال ہوں...... کوئی تنگی نہیں" "بھائی تم کلرکوں کی کالونی میں رہتے ہو...... کلرک تو ایک دوسرے کو جانتے ہیں یا نہیں۔ مجھے کچھ کلرکوں سے تمہارے حالات کا پتہ چلا ہے...... آخر تم اپنا حصہ کیوں نہیں لیتے۔ جب باقی سب لیتے ہیں تو تم بھی لے لیا کرو" "نہیں سر...... میں رشوت کا حصہ نہیں لے سکتا" "بھئی گزر بسر آسانی سے ہو جایا کرے گی"۔ "لیکن میں اپنے اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا" "اوہو...... یہ سب بیکار کی باتیں ہیں" "توبہ توبہ سر...... آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں...... آخر ایک دن مرنا ہے...... مرنے کے بعد حساب کتاب کا دن آنا ہے اور اس سے پہلے قبر کے عذاب کا مسئلہ ہے"

"میں نے کہا نا یہ سب...... خیر چھوڑو...... لعنت بھیجو رشوت پڑھنے پر...... مجھے تم پر فخر ہے...... تم سب سے اچھے ہو...... پورے محکمے میں تم جیسا ایماندار ایک بھی نہیں۔ کوئی مسئلہ ہوا کرے تو مجھے بتا دیا کرو...... میں ہر ممکن تمہاری مدد کروں گا...... بہت بہت شکریہ...... تم یہاں آئے......" "شکریہ سر! آپ بھی بہت اچھے ہیں......" اس نے خوش ہو کر کہا، پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ "اب اجازت دیں" "ہاں! ضرور کیوں نہیں۔ لیکن میری طرف سے یہ چھوٹا سا تحفہ لیتے جاؤ"۔ انہوں نے ایک پیکٹ اسے تھما دیا۔ "یہ...... یہ کیا ہے سر" "بالکل چھوٹی سی چیز...... یہ میری طرف سے ہے...... اور بالکل رشوت نہیں ہے...... کھول کر دیکھ لو بے شک" اس نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ پیکٹ کھولا...... اس میں ایک ننھی سی، خوبصورت سی گڑیا تھی۔ "مم...... میری بچی کے لئے" "ہاں! اس میں کوئی حرج نہیں...... کیا میں نے تم سے کوئی غلط کام کرایا ہے" "نن نہیں سر...... بالکل نہیں" "کوئی دستخط کرائے ہیں" "نہیں سر...... بالکل نہیں" "بس تو پھر یہ رشوت کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ تو میری طرف سے میری چھوٹی سی بھتیجی کے لئے تحفہ ہے" "جی اچھا...... آپ کا شکریہ" یہ کہہ کر وہ چلا آیا...... اس کی بچی گڑیا دیکھ کر کھل اٹھی...... اچھل پڑی اور یہ گڑیا اپنی سہیلیوں کو دکھانے کے لئے بھاگ کھڑی ہوئی...... اس دن اسے بہت خوشی محسوس ہوئی۔ ایک روز اس کے آفیسر اس کے گھر آئے...... اور ایک پیکٹ دے گئے...... اس میں ایک بہت خوبصورت سوٹ تھا...... اس کی بیوی تو جھوم اٹھی...... مارے خوشی کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر تو یہ سلسلہ چل نکلا...... تحفے آنے لگے...... ایکدن پھر اس کے آفیسر نے اسے اپنے گھر بلایا...... چائے پلائی...... پھر بولے۔

"بھئی سلمان نذیر...... آخر تم اپنا حصہ کیوں نہیں لیتے...... اس میں کیا برائی ہے" "جی...... جی سر" "میں کہتا ہوں۔ اس میں کوئی برائی نہیں۔ تم اس ماہ سے اپنا حصہ وصول کر لیا کرو" "جی...... جی اچھا" اس نے شرما کر کہا۔ اور اس ماہ سے اس نے بھی حصہ لینا شروع کر دیا...... ایک چھوٹے سے تحفے نے یہ مسئلہ آسانی سے حل کر دیا تھا۔

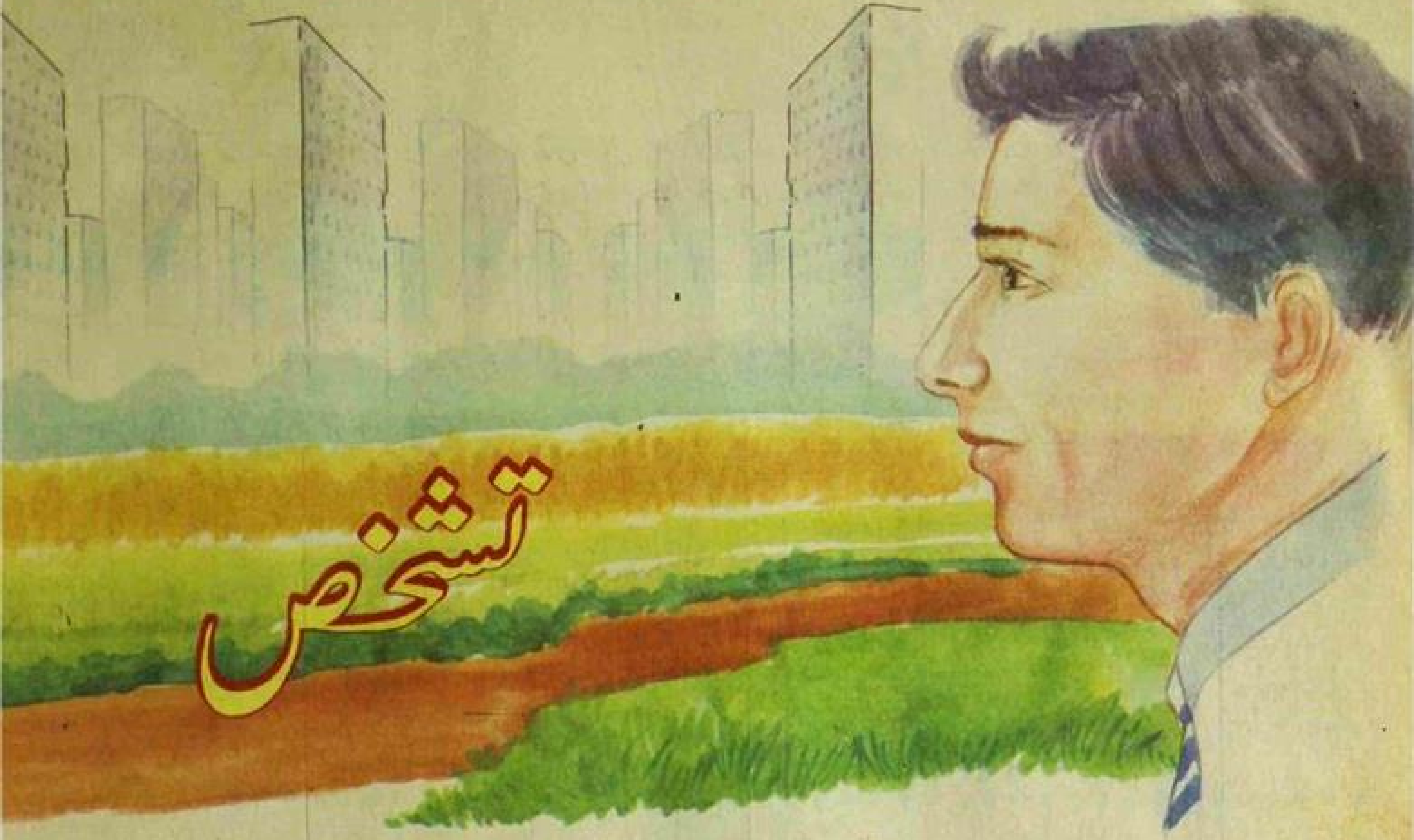
◆◆

بقیہ: کرکٹرز

کراپنی داستان سنانے کا آغاز کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے کرکٹر بننے کا شوق بچپن سے نہیں تھا۔ بس ویسے ہی کرکٹ کبھی کبھار کھیل لیتے تھے۔ 92ء میں جب پاکستان کا فائنل دیکھا تو شوق پیدا ہوا۔ میرے ایک دوست ہیں بچپن کے، محمود، انہوں نے میری حوصلہ افزائی کی اور مجھے انڈر 16 کے کیمپ میں لے گئے، وہاں میری سلیکشن ہوئی۔ پھر اسکے بعد مستقل کرکٹ کھیلی، پہلے ٹیپ بال اور پھر ہارڈ بال پھر انڈر 19 کھیلنے کا موقع ملا اور پھر قومی ٹیم، قومی ٹیم میں کھیلنا میرا خواب تھا اور پھر میرے ابو کہا کرتے تھے کہ یہ کھیل امیروں کا کھیل ہے اور میں کبھی قومی ٹیم میں نہیں کھیل سکتا لیکن میں نے اپنی لگن سے ابو کو ثابت کر کے دکھائی کہ کامیابی محنت مانگتی ہے نا کہ سٹیٹس اور پیسہ، انہوں نے کہا کہ میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ میں کرکٹ نہ کھیلتا تو کیا کرتا، بچپن میں جب سکول میں تھا تو مجھے سکول کی ٹیم میں یہ کہہ کر شامل نہیں کیا جاتا تھا کہ تمہیں کھیلنا نہیں آتا غضنفر نے پوچھا کہ آپ کو غصہ نہیں آتا تو عبدالرزاق نے کہا "بہت کم آتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں کسی کے بارے میں برا نہیں سوچتا اور مجھے یقین ہے کہ اگر آپ کسی کے بارے میں برا نہیں سوچیں گے تو کوئی بھی آپ کے بارے میں برا نہیں سوچے گا، بچپن میں انہیں ریاضی سے نفرت تھی اور انگریزی پسند تھی مگر انہیں زیادہ پڑھنے کا موقع نہیں ملا تاہم اب ایف اے کرنے کا ارادہ ہے، انہیں بھی انضمام کے ساتھ بیٹنگ کرنے کا مزہ آتا ہے میں نے پوچھا کہ آپ نے کبھی غرور تو نہیں کیا تو عمران سہیل بوبی جو بولنے کو بے تاب تھے کہنے لگے "اس کا جواب آپ کو میں دیتا ہوں، ویسے تو میں ان سے پہلی بار ملا ہوں لیکن یہ بہت سیدھے سادھے آدمی ہیں، بڑی عاجزی اور انکساری ہے ان میں اور بہت اچھے انسان ہیں" بوبی نے جواب دینے کے بعد میری طرف دیکھا تو دل چاہا کہ کہہ دوں "بوبی تم تو نرے کارٹون ہو" سوال کسی سے پوچھا اور جواب تم نے دے مارا۔ فارغ وقت ویسے تو کم ملتا ہے لیکن اگر مل جائے تو وہ میوزک سنتے ہیں۔ پسندیدہ شاعر اقبال ہیں اور پسندیدہ شعر جو انکے مطابق نیا تھا اور غضنفر کے مطابق غالب کے شعر کا ری میک تھا۔

ان حسینوں کو ان سے بھی وفا کی ہوتی ہے امید
وہ جو آندھی میں کھڑے ہو کے جلاتے ہیں چراغ

اگر ہمارے منصور حسین فائز ہوتے تو باقاعدہ فتویٰ دے دیتے کہ ذوق اچھا نہیں اور شعر بھی وزن میں نہیں مگر وہ اس وقت جا چکے تھے، شادی کے بارے میں پوچھا تو پہلے ایک شرمیلی سی مسکراہٹ آئی اور بعد میں بولے کہ ابھی دو تین سال تک تو کوئی ارادہ نہیں ہاں شادی اپنی پسند سے کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ ہماری نئی نسل کو چاہئے کہ وہ جو کام بھی کرے نیک نیتی سے کرے اور کسی کے بارے میں اچھا نہیں سوچ سکتے تو برا بھی نہ سوچیں۔ بچپن کی شرارتوں کا ذکر کرتے ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ نماز تراویح کے دوران میں نے اور میرے دوستوں نے اعتکاف پر بیٹھے ہوئے لوگوں کی کھانے پینے کی چیزوں سے لطف اٹھایا۔ ان کی شرارت بھی ان کی طرح سیدھی سادی تھی اس دوران انکے بچپن کے دوست محمود بھی آ گئے۔ جنہوں نے عبدالرزاق کو متعارف کروایا تھا۔ انہوں نے کہا "کہ بچپن کے اور اب کے عبدالرزاق میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ اب بھی ویسے ہی ہیں۔ ان کے دوست وہی پرانے ہیں اور اتنی شہرت کے باوجود انہوں نے اپنے آپ کو کبھی سپر سٹار نہیں سمجھا" عمران سہیل بوبی کی بات اب سچ معلوم ہوتی تھی کیونکہ محمود بھائی نے اس پر بھی مہر لگا دی تھی عبدالرزاق سے بات چیت مزے کی رہی اور ہم ایک یادگار ملاقات کی یادیں لئے لوٹے۔



تشخص

ایک کڑوے سچ کی کہانی بیٹے کو بڑے سالوں بعد اس کی سمجھ آئی تھی

مدیحہ انور

ماں جی نے کتنا سمجھانا چاہا تھا۔ مگر ان کی تمام باتیں تمام نصیحتیں بے اثر رہی تھیں۔ کتنا ارمان تھا انہیں علی کو ڈاکٹر بنانے کا۔ کتنی خواہش تھی انہیں کہ علی گاؤں میں جدید نوعیت کا ہسپتال کھولے تا کہ گاؤں والوں کا بھلا ہو۔ مگر اس کی تو ایک ہی رٹ تھی کہ امریکہ جانا ہے۔ بے تحاشا دولت' عزت اور شہرت کے جو خواب اس نے دیکھ رکھے تھے وہ امریکہ میں ہی پورے ہو سکتے تھے کہ اس کے نزدیک پاکستان ایک پسماندہ اور غریب ملک تھا جو اسے یہ سب دینے میں ناکام رہتا۔ اور پھر انگلستان جا کر ایم آر سی پی کی ڈگری حاصل کرنے کا کچھ تو مصرف ہو۔ ان شب و روز کی محنتوں کا کچھ تو پھل ملے تو اس نے پڑھائی کے لئے وقف کر دیئے تھے۔ امریکہ کے معروف ہسپتال سے آفر ملنے پر وہ کتنا خوش تھا۔ اس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ جبھی تو وہ ان بوڑھی آنکھوں کے ٹوٹتے بکھرتے خواب نہ دیکھ سکا جو اس کی پیدائش سے دیکھے جا رہے تھے۔ ''پتر'' ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی' جلد یا بدیر تجھے یہیں آنا ہے کہ یہی تیرا اصل ہے' یہی تیری حقیقت ہے۔ آخری وقت تک ماں جی اسے سمجھانے کی کوششیں کرتی رہیں مگر اس کا ارادہ اٹل تھا۔ اور پھر وہ نیو یارک آ گیا۔ ماں جی بہت کہنے پر بھی اس کے ساتھ چلنے کو تیار نہ ہوئیں کہ ان کی دعا تھی کہ انہیں وطن کی مٹی نصیب ہو۔ اور اللہ نے کتنی جلدی ان کی دعا قبول کی تھی۔ علی سے وابستہ تمام خواب بھی انہی کے ساتھ دفن ہو گئے۔ پردیس میں ان کی وفات کی خبر سن کر کیسا دھچکا لگا تھا دل کو۔ پاکستان سے وابستہ آخری رشتہ بھی ختم ہو گیا تھا۔ اب وہاں جانے کا کیا جواز؟ اب تو تمام عمر یہیں گزارنی تھی۔ یہی اس کے اپنے تھے۔ کتنے اچھے تھے یہ لوگ جو مذہب کی تفریق کئے بغیر ملتے تھے۔ کتنا وسیع دل تھا اس ملک کا جو اپنے دامن میں ہزاروں غیر ملکیوں کو سمیٹ رکھا تھا۔ یہی سوچ تھی اس کی کل تک بلکہ اب سے بیس منٹ پہلے تک۔ مگر جارج کے چند جملوں نے اس کی سوچ بدل ڈالی۔ اسے آسمان سے زمین پر پٹخ دیا۔ وہ جو اپنے آپ کو سورج سمجھ بیٹھا تھا آج اپنا وجود مٹی کے ذرے کے برابر محسوس کر رہا تھا۔ کبھی کبھی انسان اپنے کئے ہوئے فیصلوں کو بالکل درست گردانتا ہے مگر وقت گزرنے پر اسے غلطی' پچھتاوے اور شرمندگی کا احساس ہوتا ہے۔ اسے بھی شرمندگی ہو رہی تھی ماں جی سے' اپنے گاؤں سے' اپنے لوگوں سے کہ آج اپنے غلط فیصلے کا احساس ہوا تھا۔ بے چینی کے عالم میں ٹہلتے ہوئے وہ مسلسل سگریٹ پھونکے جا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں یادوں کی پٹاری کھل گئی۔ اپنے بچپن کے مناظر گھوم گئے جب وہ گاؤں کے چوہدری کا بیٹا ہونے کے باوجود سب سے انکساری و محبت سے ملتا تھا۔ اسے یاد تھا کہ پانچویں تک وہ اپنے گاؤں کے سکول میں پڑھتا تھا تو ماں جی کتنے چاؤ سے اسے تیار کرتیں۔ اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتیں۔ اسے خوب پڑھنے کی تلقین کرتیں۔ خود پڑھی لکھی نہ ہونے کے باوجود روزانہ شام کو صحن میں لگے برگد کے درخت کے نیچے بٹھا کر اس کا سبق سنتیں۔ کبھی گاجر کا حلوہ تو کبھی کھیر بنا کر دیتیں کہ وہ رغبت سے کھاتا تھا۔ کتنا خیال رکھتی تھیں ماں جی اس کا!

اور بچپن کے دوست' اس کے دکھ سکھ کے ساتھی جن کے ساتھ وہ کھیلتا تھا اب ان کے نام تک تو یاد نہ رہے تھے۔ اور نائلہ' اس کی بہن جس کے ساتھ مل کر وہ گھر میں خوب ادھم مچائے رکھتا۔ جس کے پیدا ہونے پر اس نے

اپنے رب سے اتنی پیاری سی گڑیا دینے پر شکر ادا کیا تھا۔ اس سے بھی تو اب کوئی خاص رابطہ نہ تھا۔ اس کے حالات اور سوچ میں تبدیلی شہر جا کر شروع ہوئی۔ چچا جان کی عالی شان کوٹھی اور ان کے بچوں کا رہن سہن سب کتنا مختلف تھا اس ماحول سے جہاں سے وہ آیا تھا۔ پھر شہر کے بہترین سکول میں اسے داخل کرایا گیا۔ کتنی زبردست عمارت تھی اس کی نئے سکول کی۔ گاؤں کے سکول کی طرح کچی دیواریں تھیں نہ ہی یہاں تختیوں پر لکھنے کا رواج تھا۔ صاف ستھری کاپیوں پر صاف ستھرا کام کرنے کی تلقین کی جاتی۔ ہر بچے کے لئے یونیفارم لازم تھا۔ گاؤں کی طرح نہیں کہ جو چاہا پہن لیا۔ اور یہاں کے ٹیچرز بھی کتنے اچھے تھے۔ پیار سے بولنے والے۔ ماسٹر اللہ بخش کی طرح ہاتھ میں ڈنڈا لیکر نہیں پڑھاتے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ شہری زندگی کا عادی ہو چلا تھا۔ کبھی تو چھٹیوں پر گھر جاتے ہوئے اسے گھبراہٹ محسوس ہوتی تھی۔ کل تک جو لوگ اس کے پسندیدہ تھے اب وہی ان پڑھ' گنوار اور جاہل لگتے۔ اور تو اور اس کے اپنے جو دن گن گن کر اس کی چھٹیوں کا انتظار کرتے ان تک سے تو اسے محبت نہ رہی تھی۔ اس کی سوچ کا رخ بدل چکا تھا۔ اس کے خواب بدل چکے تھے۔ اور بھولی ماں جی ان تمام باتوں سے بے خبر گاؤں والوں سے کہتی رہتیں کہ میرا بیٹا یہاں ہسپتال بنائے گا۔ پھر تم لوگوں کو علاج کے لئے شہر جانے کی دقت نہیں اٹھانی پڑے گی۔ اور گاؤں والے بھی شدت سے اس دن کا انتظار کرتے جب ان کے گاؤں میں بھی ہسپتال کی سہولت موجود ہو گی۔ اس کے ایم بی بی ایس کرنے پر ماں جی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ پورے گاؤں میں مٹھائی بانٹی گئی۔ ماں جی نے اس سے ہسپتال کی بنیاد ڈالنے کو کہا تو اس نے مزید پڑھائی کے لئے انگلستان جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اور انہیں بتایا کہ وہاں سے وہ بڑا ڈاکٹر بن کر لوٹے گا۔ اور ماں جی کو تو شاید انتظار کرنے کی عادت سی پڑ گئی تھی اور پھر تین چار سال کی ہی تو بات تھی۔ لہذا انہی خوشی اپنی دعاؤں میں اسے انگلینڈ جانے کے لئے رخصت کیا۔ مگر ان کی خوشی اس وقت غم میں بدل گئی جب انگلستان سے واپسی پر علی نے گاؤں میں ہسپتال بنانے کی بجائے امریکہ میں رہنے کو ترجیح دی۔ کتنی گم صم ہو گئی تھیں وہ اس کا ارادہ سن کر۔ پھر انہوں نے ہر ممکن طریقے سے اسے سمجھانا چاہا مگر وہ تو امریکہ جیسے امن پسند اور کرپشن سے پاک ملک میں رہنا چاہتا تھا لہذا اماں جی کی نصیحتوں کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ گزشتہ چار سالوں میں جب سے وہ نیویارک میں مقیم تھا سب کچھ کتنا بدل گیا تھا۔ نائلہ شادی ہو کر ناروے چلی گئی۔ وقت کی ظالم لہروں نے پہلے اباجی اور پھر ماں جی کو اپنے اندر سمو لیا تھا۔ اور وہ بڑی سی حویلی جہاں اس کا بچپن گزرا تھا' جو کبھی قہقہوں سے گونجا کرتی تھی اب اداس' ویران پڑی تھی۔ صحن میں لگا وہ بوڑھا برگد کا درخت جس نے نہ معلوم کتنی نسلوں کو جوان ہوتا دیکھا تھا اب چپ چاپ کھڑا کسی کی آمد کا منتظر تھا۔ بارش کی بوندوں نے اس کے خیالات کا تسلسل توڑا۔ وہ اندر آ کر آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ جارج کے چند جملوں نے کیا تباہی مچا دی تھی۔ کتنا پرسکون تھا وہ...... اتنا پیارا سا گھر' دو پیارے سے بچے' نئی چمکتی گاڑی' کس چیز کی کمی تھی اسے؟

اب جبکہ اس کے دیکھے ہوئے خواب پورے ہو گئے تھے۔ وہ ایک آسودہ' خوشحال اور مطمئن زندگی گزار رہا تھا کہ اچانک جارج کی بات نے بھونچال برپا کر دیا۔

کیا جارج نے صحیح کہا تھا؟ بار بار یہ سوال اسے الجھن' دکھ اور پریشانی میں مبتلا کر رہا تھا۔ کچھ غلط بھی تو نہیں کہا تھا اس نے۔ سچ ہی تو بولا تھا۔ ایک کڑوا سچ۔ کتنے اچھے ماحول میں وہ امریکہ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ علی کو تو ویسے بھی یہاں کے لوگ پسند تھے لہذا اس نے برملا اعتراف کیا تھا "غیر ملکیوں کے بارے میں امریکہ کی پالیسی دوسرے ممالک کی نسبت بہت اچھی ہے" اور جارج نے عام سے لہجے میں عام سا جواب دیا تھا

"ہاں بے چارے ایشینز خاص طور پر سے پاکستانی اور انڈین جب اپنے ہی وطن میں اپنا تشخص پانے میں ناکام رہتے ہیں تو یہاں چلے آتے ہیں کہ امریکہ انہیں نام پہچان اور تشخص کے ساتھ ساتھ دولت بھی دیتا ہے۔ پتہ نہیں اس جملے سے اس کا موڈ ایک دم خراب کیوں ہو گیا اور وہ کسی ضروری کام کا بہانہ کر کے گھر چلا آیا۔ چار سال کی محنت کا کتنا اچھا خراج تحسین ملا تھا اس کو کہنے والے نے تو بہت آرام سے کہہ ڈالا تھا مگر سننے والے پر کیا بیتی تھی۔ یہیں بس جانے کا فیصلہ کتنا غلط ثابت ہوا تھا۔ جو بات ماں جی ڈھائی ماہ تک نہ سمجھا سکی تھیں وہ جارج نے ڈھائی جملوں میں آسانی سمجھا دی تھی۔

"کیا امریکہ ہی میری پہچان' میرا تشخص ہے؟ کیا میری محنتوں اور خدمتوں کا حقدار یہی ملک ہے؟" اس نے اپنے آپ سے سوال کیا تھا۔ "نہیں" اس کے اندر سے آواز آئی "تمہارا تشخص' تمہاری پہچان پاکستان ہے تمہاری خدمتوں کے حقدار وہ بے کس اور مجبور لوگ ہیں جو تمہارے اپنے ہیں۔ تمہاری اس محنت کا اصل حقدار وہ ملک ہے جسے تم غریب اور پسماندہ کہہ کر دھتکار آئے تھے۔ اسی پاک وطن کا نام تمہارے نام سے جڑا ہے۔ آج تم دنیا میں کہیں بھی جاتے ہو تو یہی نام اور حوالہ تمہاری پہچان اور شناخت کا سبب بنتا ہے۔ وہ آگہی کے لمحوں سے آشکار ہوا تھا۔ اس کے ذہن میں خیالات کی یلغار تھی۔ مگر ایک فیصلہ کر کے وہ سکون اور اطمینان سے آنکھیں موند چکا تھا۔

برگد کے بوڑھے درخت کی جھومتی شاخوں نے اس کا استقبال کیا تھا۔ وہ حویلی جو قبرستان کا سماں پیش کرتی تھی اب ننھے شہروز اور بہروز کے قہقہوں سے گونج رہی تھی۔ پورا گاؤں اس کی واپسی پر بہت خوش تھا۔ ایک ماہ بعد گاؤں میں ہسپتال کی پہلی اینٹ لگا کر افتتاح کرتے ہوئے اس کے دل کو خوشی کے ساتھ ساتھ اداسی نے گھیر لیا کہ کاش ماں جی یہ دیکھنے کے لئے زندہ ہوتیں۔ اس کے ذہن میں ماں جی کا چہرہ آ گیا اور قدم قبرستان کی طرف اٹھ گئے۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد قبر پر نظر پڑی تو اس پر اگے سبزے نے گواہی دی۔ اور بے اختیار ہی ندامت' محبت اور عقیدت بھرا ایک آنسو اس کی آنکھ سے نکل کر قبر کی مٹی میں جذب ہو گیا!

"قیمت"

پھل فروش نے ایک چھوٹے سے آم کی قیمت اٹھارہ روپے طلب کی تو خریدار کو بڑی حیرت ہوئی۔ جیسے تیسے اس نے اپنی حیرت پر قابو پا لیا۔ جیب سے بیس روپے نکال کر دکاندار کو دیئے اور باہر جانے لگا۔ تو دکاندار نے آواز دی جناب "دو روپے تو لیتے جائیے۔ خریدار نے کہا رہنے دیں' آپ کی دکان میں داخل ہوتے وقت میرے پاؤں تلے ایک انگور کا دانہ آ گیا تھا۔

(زاہدہ عبدالرحمان' جڑانوالہ)



سکوں سے بھری جھولی

علی اکمل تصور

وہ ایک بھکارن تھی۔ پیشہ ور بھکارن...... گاؤں میں جب سیلاب آیا تھا تو اس کے گھر کے تمام افراد پانی میں بہہ گئے تھے۔ زندگی اجڑ کر رہ گئی تھی۔ اس کی گود میں اس کا اکلوتا بچہ موجود تھا اور وہ تنہا تھی۔ حکومت کی طرف سے قائم کئے جانے والے امدادی کیمپ میں اسے سہارا مل گیا تھا۔ لیکن یہ سہارا بھی جلد ہی اس سے چھین لیا گیا۔ دریا کا پانی تباہی مچا کر آگے بڑھ گیا تھا اور اب انسانیت کے ٹھیکے دار اور خدمت خلق کرنے کے دعوے دار بھی اپنے پاؤں واپس کھینچ رہے تھے اور پھر وہ بے یار و مددگار اپنے بچے کو گود میں اٹھائے سڑکوں پر دھکے کھانے پر مجبور ہو گئی۔ زندگی بوجھ بن کر رہ گئی تھی۔ وہ بھوکی تھی۔ پیاسی تھی۔ سورج سر پر چمک رہا تھا تارکول کی سڑک تندور بنی ہوئی تھی۔ وہ چکرا کر گری اور پھر ہر قسم کے احساس سے عاری ہو گئی۔ اس کا ننھا بچہ چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔ بے حس لوگ گزرتے چلے جا رہے تھے۔ ایسے میں ایک بوڑھی عورت آگے بڑھی۔ اس نے میلے کپڑے پہن رکھے تھے۔ چہرے پر گرد کی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس نے روتے بچے کو اٹھا لیا۔ پاس ہی نل لگا ہوا تھا۔ اس نے چلو میں پانی بھر کر بچے کو پلایا۔ بچہ بھی پیاسا تھا۔ پیاس بجھی تو اسے قرار آ گیا۔ بچہ خاموش ہوا تو وہ اس کی ماں کی طرف بڑھی۔ پانی کی چھینٹوں سے وہ ہوش میں آ گئی ہوش میں آتے ہی وہ اٹھ بیٹھی۔ اس نے اپنے بچے کو آغوش میں سمیٹا اور پوچھا تم کون ہو......

بوڑھی عورت مسکرائی اور بولی

"لوگ مجھے بھکارن کہتے ہیں۔ تم کون ہو......" اس کا لہجہ سوالیہ ہو گیا تھا۔

"میں مجبور ہوں...... بے آسرا ہوں......" وہ سسک پڑی۔ "بے آسرا وہ ہوتا ہے جس میں زندہ رہنے کی آرزو نہیں ہوتی۔ تمہاری گود میں تو زندگی موجود ہے۔ تم بے آسرا نہیں ہو سکتی" ایک بھکارن ہوتے ہوئے بھی اس نے ایسی بات کہہ دی تھی کہ جس سے بچے کی ماں کا سارا دکھ دور ہو گیا تھا۔ "میں ریشماں ہوں۔ یہ میرا بیٹا ہے اس کا باپ پیار سے اسے رستم کہتا تھا۔ لیکن پھر زندگی کے سورج کو گرہن لگ گیا۔ سیلاب آیا اور پھر" اس کی آنکھوں میں آنسو موتی بن کر چمکنے لگے تھے۔

"میری بچی صبر سے کام لو۔ مرنے والے مر جاتے ہیں۔ لیکن زندہ رہنے والے پھر بھی جیتے رہتے ہیں۔ زندگی سے موت اور موت سے زندگی تک کا سفر میری ان بوڑھی آنکھوں نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ میرے ساتھ آؤ میں تمہیں موت سے زندگی کی طرف لے جاؤں گی" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ریشماں نے غور سے دیکھا۔ یہی ایک دروازہ تھا۔ جو اسے کھلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ پھر وہ اس بھکارن کے پیچھے قدم اٹھانے لگی۔ شہر سے باہر ایک کچی بستی میں اسے پناہ مل گئی۔ یہاں نیم پختہ جھونپڑیوں میں پیشہ ور بھکاری رہتے تھے۔ روزانہ صبح ہوتے ہی یہ لوگ سوانگ بھرتے تھے۔ کوئی اندھا بن جاتا تھا۔ کوئی لنگڑا...... کوئی خارش زدہ اور کوئی جلا ہوا...... پھر یہ بہروپیے شہر کی طرف نکل جاتے تھے۔ اور شام کو اچھی خاصی کمائی کرنے کے بعد واپس لوٹتے تھے۔ اب ریشماں بھی اسی قبیلے کا ایک حصہ تھی۔ وہ بھکارن جو ریشماں کو اپنے ہمراہ لے کر آئی تھی۔ سب قبیلے والے اسے ماں جی کہہ کر پکارتے تھے۔ ماں جی نے ریشماں کو اپنے گھر میں ہی پناہ دے دی تھی۔ اور اب وہ ریشماں کو بھیک مانگنے کے طریقے سکھا رہی تھی۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ ریشماں کا ضمیر مردہ ہوتا جا رہا تھا اور پھر وہ دن بھی آیا جب ریشماں اپنے نومولود بچے کو گود میں اٹھائے بھیک مانگنے کیلئے نکلی۔ اس کی نئی زندگی کا یہ پہلا دن تھا۔ جھجک اور شرمندگی کے باعث وہ پانی

پانی ہوئی جارہی تھی اس کا پھیلا ہاتھ بار بار سمٹ جاتا تھا۔ اس کا ضمیر موت و حیات کے درمیان آخری ہچکیاں لے رہا تھا۔ وہ فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اکا دکا لوگ آتے جاتے نظر آرہے تھے۔ اس کا بچہ اس کی آغوش میں سو رہا تھا وہ سوچنے لگی بچے کے روشن مستقبل کیلئے دولت کی ضرورت تھی۔ پھر اس کا سمٹا ہوا ہاتھ پھیل گیا۔ چند لمحوں کے بعد ہی ایک راہ گیر اس کی ہتھیلی پر ایک چمکتا ہوا سکہ رکھ کر آگے بڑھ گیا۔ آخری ہچکیاں لیتا ہوں اس کا ضمیر ساکت ہوگیا۔

''اے بابو...... اے بابو...... اللہ کے نام پر دے......'' وہ کانپتی آواز میں پکار رہی تھی۔ اس کی فریاد سن کر کوئی رک جاتا تھا کوئی سنی ان سنی کر دیتا تھا پھر اچانک ہی اس کا بچہ چیخ چیخ کر رونے لگے۔ اسے بھوک لگی تھی۔ بچے کو بے قرار دیکھ کر ریشماں تڑپ اٹھی اور پھر اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ اپنی بوسیدہ چادر کا اس نے پردہ بنا لیا تھا۔ بچے کو قرار آ گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دوبارہ سو چکا تھا اور اب ریشماں پھر سے بھیک مانگ رہی تھی۔ رات کو جب وہ گھر واپس لوٹی تو بہت بے چین تھی۔ اسے بہت کم بھیک ملی تھی۔ روپے روپے والے دس سکے تھے جو اس کی چادر کے پلو میں بندھے ہوئے تھے۔ ماں جی نے اس کی ذہنی کیفیت کو سمجھ لیا تھا۔ وہ اسے دلاسا دیتے ہوئے بولی۔ ''بیٹی...... کبھی بھی مایوس مت ہونا۔ ناکامیاں وہ اینٹیں ہیں جن پر کامیابیوں کی عمارتیں کھڑی ہوتی ہیں......'' ''ماں جی...... میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ میرا بچہ بڑا ہو گا۔ اچھے سکولوں میں تعلیم حاصل کرے گا۔ خوب بڑا آدمی بنے گا۔ پھر میرا سہارا بنے گا۔ لیکن ماں جی دس روپے میں میرا خواب کیسے پورا ہوگا......'' ریشماں کی بات ابھی جاری تھی کہ بچہ چیخ چیخ کو رونے لگا۔ ریشماں نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ ماں جی کی آنکھوں میں فوراً ہی چمک دوڑ گئی تھی۔ ریشماں اپنا غم بھول کر بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ ایسے میں اس کے کانوں سے ماں جی کی آواز ٹکرائی۔

''میری بچی' خزانہ تمہاری گود میں ہے اور تو پریشان ہو رہی ہے......'' ماں جی کی بات سن کر ریشماں اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ ماں جی کی بات کا مطلب نہیں سمجھ پائی تھی۔ میری بچی میری بات پر عمل کرنا۔ تمہارا بچہ روتا ہے اور تو بے قرار ہو جاتی ہے۔ اسے رونے دے۔ وہ روئے گا تو تمہاری جھولی میں سکے گریں گے۔ آج تو دس روپے لائی ہے۔ کل تو سو روپیہ لائے گی۔ بچہ روئے گا تو لوگوں کے دلوں میں ہمدردی پیدا ہو گی۔ اور یہی ہمدردی تمہارے خواب کو تکمیل تک پہنچائے گی۔'' ماں جی کی بات کا مطلب ریشماں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ اب اس کی آنکھوں میں بھی چمک اتر آئی تھی۔ آج اس نے بھیک پانے کا بہت سنہری گر سیکھ لیا تھا۔ وہ رات اس نے بے چینی کے عالم میں گزاری۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ آنے والا دن اس کی جھولی کو دولت سے بھر دے گا۔ صبح کا آغاز ہوا تو ریشماں اپنے بچے کو گود میں لئے شہر کی سڑکوں پر نکل آئی اور پھر ایک مصروف چوراہے پر اس نے ڈیرا ڈال لیا۔ بچے کو بھوک نے ستایا تو وہ رونے لگا۔ راہ چلتے لوگ بچے کو روتا بلکتا دیکھ کر رکتے تھے اور حسب توفیق سکے یا پھر نوٹ چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے تھے۔ سکوں کی چمک نے ریشماں کی آنکھوں کو چندھیا دیا تھا۔ لالچ اس کنوئیں جیسا ہوتا ہے جس کی کوئی تہہ موجود نہیں ہوتیں۔ انسان گرتا ہے تو گرتا ہی چلا جاتا ہے۔ ریشماں بھی گر چکی تھی۔ وہ اپنی جھولی میں روپے سمیٹ رہی تھی اور اس کی اصلی دولت اس کا بچہ بھوک کی شدت سے بے قرار تڑپ تڑپ کر رو رہا تھا۔ ''میرے بچے تھوڑا سا صبر کرو۔ لوگ مہربان ہیں۔ دل کھول کر بھیک دے رہے ہیں۔ تھوڑی بھیک اور سمیٹ لوں۔ پھر تمہیں دودھ دیتی ہوں......'' وہ اپنے بچے کو دلاسا دے رہی تھی لیکن وہ معصوم اس کی بات سمجھنے کے قابل نہیں تھا۔ وہ چلا چلا کر احتجاج کر رہا تھا۔

اور اب تو اس کی آواز بھی بیٹھ گئی تھی۔ اپنے بچے کی بے قراری پر ریشماں کا دل بھی تڑپا تھا۔ لیکن پھر اس کا ذہن ماں جی کی باتوں پر متوجہ ہو جاتا تھا۔ ''بچہ روئے گا تو تمہاری جھولی میں سکے گریں گے......'' اور ریشماں جانتی تھی کہ بچہ ایک بار سیر ہو گیا تو پھر سو جائے گا۔ تین چار گھنٹے سے پہلے وہ نہیں جاگے گا۔ اور پھر لوگ اس کی فریاد پر کان بھی نہیں دھریں گے۔ یہی باتیں سوچ کر وہ بچے کو دودھ پلاتے پلاتے رہ جاتی تھی۔ سورج سر پر چمک رہا تھا۔ گرمی کی شدت میں خاصا اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ بچے کو گود میں لٹائے مسلسل ہلا رہی تھی۔ غیر شعوری طور پر یہ بچے کو چپ کرانے کا طریقہ تھا۔ پھر اچانک ہی روتا بچہ چپ کر گیا۔ ریشماں کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے کائنات تھم کر رہ گئی تھی۔ اس نے بچہ کو ہلایا۔ لیکن بچہ ساکت ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں کھلی ہوئی تھیں اور وہ اپنی پتھریلی آنکھوں سے ریشماں کو گھور رہا تھا۔ ''رستم......رستم'' ریشماں نے اسے پکارا۔ دوسرے ہی لمحے ریشماں نے اسے زور سے جھنجھوڑا اور پھر وہ چیخ چیخ کر بین کرنے لگی۔ اس کے رونے کی آواز سن کر لوگ رکتے تھے اور پھر سکے پھینک کر آگے بڑھ جاتے تھے ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ریشماں کی جھولی سکوں سے بھرتی جا رہی تھی۔

اخبار کے فوائد

سکول کے ایک انعامی مقابلے میں بچوں کو ''اخبار کے فوائد'' پر دس جملے لکھنے کو کہا گیا جس طالب علم کو پہلا انعام ملا اس نے اخبار کے درج ذیل دس فوائد لکھے۔

1- شدید گرمی کی صورت میں اس کو بطور پنکھا استعمال کیا جا سکتا ہے۔
2- کھانا کھاتے وقت دسترخوان بنایا جا سکتا ہے۔
3- الماریوں اور باورچی خانوں میں بچھایا جا سکتا ہے۔
4- نامساعد حالات میں اس کی ردی فروخت کر کے کچھ آمدنی حاصل کی جا سکتی ہے۔
5- کھانے کی اشیا کو مکھیوں سے بچانے کے لئے اس سے ڈھکا جا سکتا ہے۔
6-وقت ضرورت اس کو جلا کر بطور ایندھن استعمال کیا جا سکتا ہے۔
7- گاڑی اور ڈریسنگ ٹیبل کے شیشوں کو صاف کیا جا سکتا ہے۔
8- سکول کی کتابوں اور کاپیوں پر بطور جلد چڑھایا جا سکتا ہے۔
9-روشنی کی صورت میں منہ پر رکھ کر سویا جا سکتا ہے۔
10-ڈرائنگ روم کی سنٹرل ٹیبل پر اسے سجایا جا سکتا ہے۔

(مرسلہ: فرحت نذیر۔ خانیوال)

بیڈ ٹائم سٹوری

چھید

اختر عباس

یہ پار سال سردیوں کی پہلی بارش تھی۔ اُس کی آواز کوشش کے باوجود بارش کی بوندوں سے بار بار بھیگ جاتی۔ اجمل سے یہ ملاقات کافی مہینوں کے بعد ہو رہی تھی۔ اس نے بطور خاص فون کر کے گھر آنے کیلئے پوچھا تھا۔ میں اسے ڈرائنگ روم میں بٹھانے کی بجائے اپنے سٹڈی روم میں لے آیا جہاں میرا عزیز فون پڑا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی دوری برداشت نہیں کر پاتے' ذرا سی دیر کیلئے اُٹھ جاؤں تو اس کے ماتھے پہ ناگواری کی سطریں اُبھرنے لگتی ہیں اکثر اوقات تو ان سطروں سے دور ونزدیک سے آنے اور سنے نہ جا سکنے والے ٹیلی فونز کے نمبر بھی جھانک رہے ہوتے ہیں۔

اجمل کی گفتگو شیشے کے ٹوٹے ہوئے گلاس ایسی تھی۔ کسی کا کوئی کونا دائیں کو نکلا ہوا تھا تو کوئی سرا بائیں جانب جھانکتا نظر آتا تھا۔ میں کوشش کر کے بھی ان کا مفہوم پانے سے قاصر تھا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ اس کی ساری باتیں چتوں کی سائیں سائیں جیسی تھیں جو پکڑ میں نہیں آتیں۔ کافی دیر بات نہ بنی تو میں نے بہت دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھ دیا۔ کوئی مسئلہ ہے نا اجمل...... بولو اس کے حل کیلئے مجھے کدھر تک جانا ہے۔ زیادہ دور نہیں...... بس یہیں موٹر وے تک۔ اس کی آواز بالکل سسکی کی طرح نکلی تھی۔ موٹر وے سے اترتے ہی شیرا کوٹ ہے نا...... صادق آباد سے آنے والا نیو خان کا پکا ٹائم صبح 5 بجے وہیں آ کر رُکتا ہے۔ شینو اسی پہ آ رہا ہے۔ اس کو روکنا ہے۔

بابا! روک لیں گے' مسئلہ کیا ہے؟ وہ تو پہلے بھی کئی بار صبح صبح اُتر کر سیدھا میرے پاس ہی آ جاتا ہے۔ اب بھی آ جائے گا۔

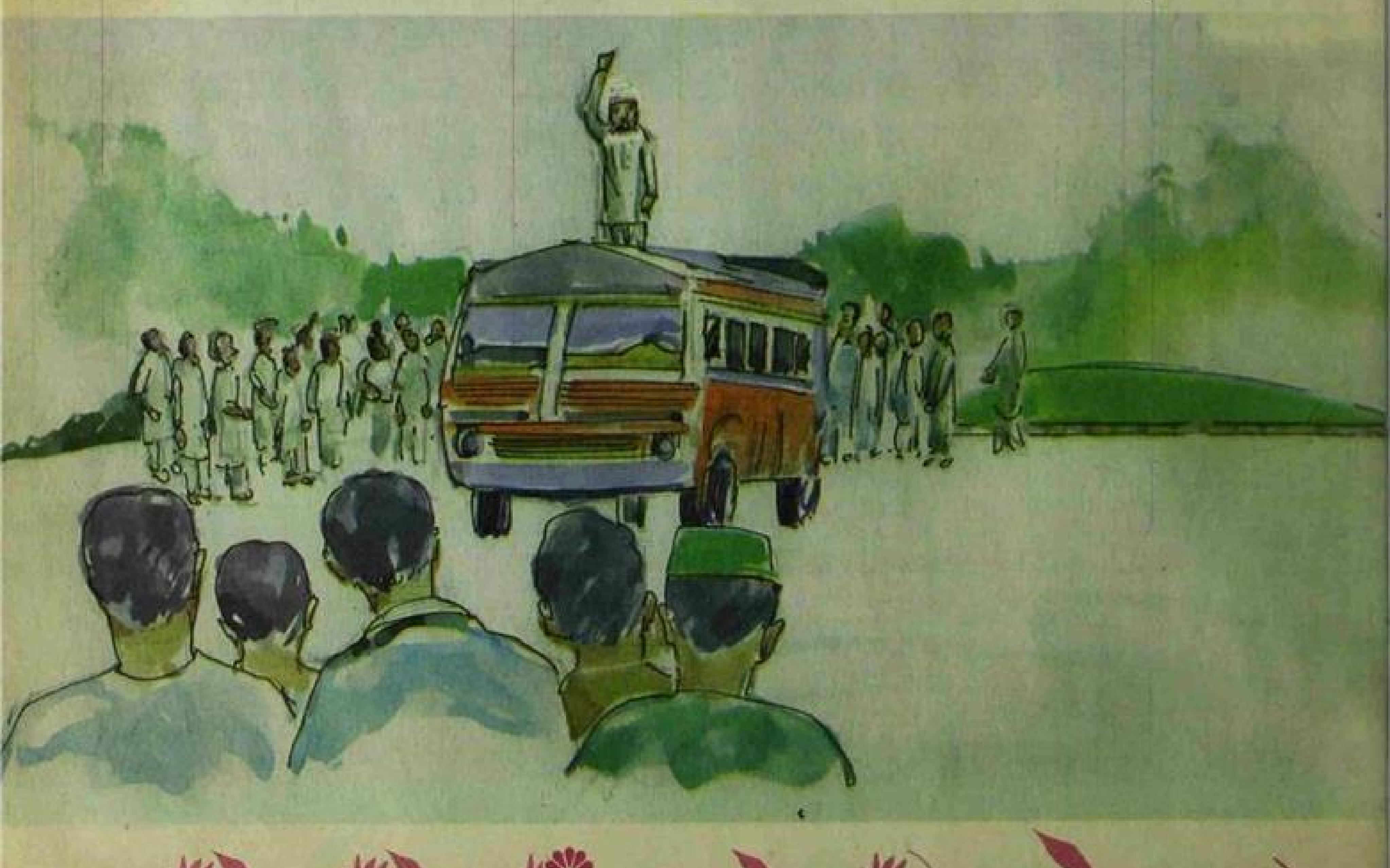
نہیں اب وہ نہیں آئے گا۔ اجمل نے ٹھنڈی سانس لی۔ اب وہ شاید ہم میں سے کسی کے پاس نہیں آئے گا...... اجمل بول رہا تھا اور مجھ سے سنا نہیں جا رہا تھا...... ایک لمحے کو مجھے یوں لگا جیسے اس کی باتوں نے مجھے جھڑے ہوئے چتوں والی کسی ٹہنی کی طرح خالی خالی کر دیا ہو۔ گھڑی نے بڑی اُداسی سے رات کے دس بجائے تھے۔ جب اجمل رخصت ہوا میں نے سوچا صبح 5 بجے بس نے آنا ہے تو دس پندرہ منٹ پہلے وہاں ہونا چاہئے ورنہ تو وہ سواریوں کو اُتار کر اپنے اڈے پر چلی جائے گی اور میں شینو کو کہاں ڈھونڈتا پھروں گا...... جو صورتحال اجمل نے بتائی تھی۔ اس میں تو ممکن ہے وہ آتے ہی ہاسٹل سے بھی کہیں شفٹ ہو جائے۔ سوچیں میرے من میں کسی گچھا ہوئی ادوائین کی طرح یہاں وہاں پڑی تھیں اور مجھے اُن کا سرا ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ میں نے بے خیالی میں ٹیلیفون کا ریسیور پکڑا اور اگلے ہی لمحے ڈائری میں سے صادق آباد کا نمبر دیکھ رہا تھا۔

اجمل کے گھر گھنٹی بج رہی تھی اور میری توقع کے مطابق اس کے ابو نے ہی فون اُٹھایا۔ سلام کے بعد میں نے حال پوچھنے کیلئے ابھی کوئی رسمی غیر رسمی جملہ بولا بھی نہیں تھا تو وہ سسک پڑے۔ پتر! تمہیں بھی پتا چل گیا...... وہ رو رہے تھے...... پیسے کا کیا ہے۔ بیٹا آ ہی جائے گا۔ پہلے میں نے جائز ناجائز جس طرح جمع کیا تھا۔ اس طرح اور بھی کر لونگا...... پر جو داغ میرے دل پر میری اولاد نے لگا دیا ہے یہ کیسے دھلے گا...... تمہیں پتا ہے اکمل ساری دُکان کھا گیا اور اب چُپ کر کے احمد پور شرقیہ جا کر اڈے پر دکان کر لی ہے...... یہاں میرے سر پر چودھری تھا وہاں بھی تو میرا ہی

مال اس کے استعمال میں ہے مگر اب میری بددُعائیں بھی ساتھ ہیں۔ زہر بن کر لگیں گی اسے ...... روئے گا عمر بھر ...... جب جب سوچے گا کہ اپنے باپ کو دھوکہ دیا ...... اس کا مال چرایا اور اپنے کاروبار میں لگایا تب تب بے چینی سے سو نہ پائے گا۔ چاقو کی تیزدھار ایسی بددُعائیں تھیں۔ اس لمحے باپ بیٹے کے رشتے کی ڈور کو کاٹ کر دور پھینک چکی تھیں ...... دھوکہ کوئی اپنا دے یا غیر دُکھ ایک سا ہوتا ہے۔ ہاں اپنا کوئی اعتبار توڑے ہے۔ اعتماد توڑے تو دل پر بڑا برا داغ لگتا ہے اور یہ داغ دھوئے نہیں دھلتا۔ مٹائے نہیں مٹتا۔ دُکھ کا گہرا چشمہ تھا جوان کے اپنے ہی اندر سے پھوٹا تھااور انہیں بھگوئے چلا جاتا تھا۔

تمہیں تو علم ہے لوگ میری مثالیں دیا کرتے تھے۔تین بیٹے ہیں اس کے ...... کیسے بازو بنیں گے اس کے ...... کہاں تک اُونچا نام لے کر جائیں گے اس کا ...... میں نے بھی ساری عمر ان کے حالات بہتر کرنے میں گزار دی ...... کاش میں نے حالات کی بجائے اعمال بہتر کرنے پر کچھ سوچا ہوتا ...... کیا نہیں تھا میرے پاس ...... کیا نہیں دیا ان کو ...... اللہ جانے کس کس کا حق مارا ...... کس کس کو کیا کیا سبز باغ دکھا کر اتنا مال جمع کیا۔ اتنا بڑا گھر بنایا اور اب صرف میں اور میری بوڑھی بیوی یہاں اور پورا گھر دُکھ اور رنج سے بھرا ہوا ہے بس کریں آپ! ...... اچانک ریسیور پہ کسی نے جیسے ہاتھ رکھ دیا ہو ...... ابھی رو رو کر آپ کے آنسو نہیں خشک ہوئے ...... اب بات شروع کی ہے تو پھر ساری رات روئیں گے ...... مجھے بھی رلائیں گے۔

آپ سوچتے کیوں نہیں کہیں ہم سے ہی غلطی ہو گئی ہے کوئی صاف ستھرا رزق اس اولاد کو کھلایا ہوتا تو ان کے کام بھی صاف ستھرے ہوتے یوں بدقسمتی ہمارے دروازے پر تو آ کر نہیں بیٹھتی۔ تم چلو ...... میں آتاہوں فون سن کر۔ ہر جملے میں دُکھ اور بے بسی کی مہک تھی اور مجھ تک آ رہی تھی۔



تمہیں پتا ہے بیٹے! شیخو نے کیا کیا ہے۔ اس شیخو نے جو ہم دونوں کی آنکھوں کا تارا تھا...... اسے پتا تھا بھائی نے باپ کی کمر توڑ دی ہے۔ آگے بڑھ کر کمر سے کمر لگا کر کھڑا ہو جاتا تو اس کا کیا جاتا ...... ہم نے تو ساری عمر اس سے سب سے زیادہ محبت کی تھی ...... اس کے نخرے برداشت کئے تھے۔ زیادہ محبت اس پہ لگائی تھی۔ ہائے یہاں بھی ہم ہار گئے اور دیکھو ہمارے بخت! کہ ہار سامنے ہے اور دل نہیں مانتا ہماری محبت یوں بھی ہار سکتی ہے۔ مکان بیچ کر 8 لاکھ کا چیک دیا تھا شیخو کو کہ جاؤ کیش کرا لاؤ۔ بڑے بیٹے کے ہاتھوں اجڑے کاروبار کا قرض اتار کر جو باقی بچے گا اس سے کاروبار پھر سے شروع کرتا ہوں اور وہ ظالم سارے پیسے لیکر چپ کر کے نکل گیا۔اس نے وہاں لاہور میں تعلیم کے ساتھ ساتھ کسی کے ساتھ کاروبار کیا ہوا تھا۔ اکٹھی رقم دیکھی تو اس کو وہاں اپنے فوائد نقصان یاد آ گئے۔ ہم گلہ کریں تو کس سے۔ دہائی دیں تو کس کے آگے۔ منصف کریں تو کسے......

اللہ کرے مجھے تو کسی کی آئی آ جائے ...... وہ سسکیوں سے رو دیئے تھے زندگی شاید محبت کی طرح ہوتی ہے۔ اس کے ہر موڑ پہ خوشی نہیں ہوتی۔اس کا ہر موڑ آسان نہیں ہوتا۔ جب جب اعتبار کا بوجھ پڑتا ہے تبھی انسانوں کی اصل اوقات کا پتا چلتا ہے کہ وہ کتنا اعتبار سہہ سکتے ہیں۔ لوگ ادھوری محبت کا ساتھ نہیں چھوڑتے پھر کوئی زندگی کا ساتھ کیسے چھوڑ دے۔ بس سہنا پڑتا ہے۔ ہار کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

شیرا کوٹ کے سٹاپ پر کھڑے ہوئے مجھے 35 منٹ ہو چکے تھے میں یہی سوچتا کبھی گاڑی میں بیٹھ جاتا کبھی اُتر کر ٹہلنے لگتا۔ الٰہی! یہ من کا کھوٹ کہاں سے آتا ہے۔ کیا کسی کنویں کے پانی جتنا ہوتا ہے کہ نکالتے جاؤ اور یہ نکلتا جائے۔ کبھی تو ختم بھی ہوتا ہو گا۔ کیا کوئی ساری عمر کیلئے کھوٹا ہو سکتا ہے یا اس پر کھوٹ کے فیز آتے ہیں۔

شیخو کو کیا سوجھی۔ اسے ہر سہولت تو مل رہی تھی۔ منہ مانگا جیب خرچ بھی میسر تھا پھر یہ لالچ کا پھل کب اس کے من میں اُگا۔ کب اس پر پھل لگے اور کب یوں پک بھی گئے۔

یہ باتیں سوچتے، ٹہلتے، گھومتے مجھے وہاں دو گھنٹے ہو گئے۔ دل میں گھبراہٹ بھری خاموشی کے ڈھیر لگ گئے تھے جب میں نے اجمل کو فون کیا۔ نہ تو شیخو آیا ہے نہ بس ...... اللہ خیر کرے۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی......

اتنی دیر میں مجھے نیوخان کی ایک بس سٹاپ پر رُکتی نظر آئی اور میں فون کو ڈس کنیکٹ کیے بنا باقاعدہ بس کی طرف بھاگ کھڑا ہوا ...... جانے میرے دل میں وسوسوں کا پورا شہر کیوں آباد ہو چکا تھا ...... کوئی ان دیکھی طاقت اترتی سواریوں کو دیکھنے کی بجائے مجھے ڈرائیور کے دروازے کی طرف کھینچ رہی تھی اور میں ادھر کھنچا چلا گیا۔

بھائی صاحب! بہت پریشان کیا آپ نے! میں نے سلام کے بعد ڈرائیور سے کہا۔ آپ نے تو صبح پانچ بجے پہنچنا تھا......

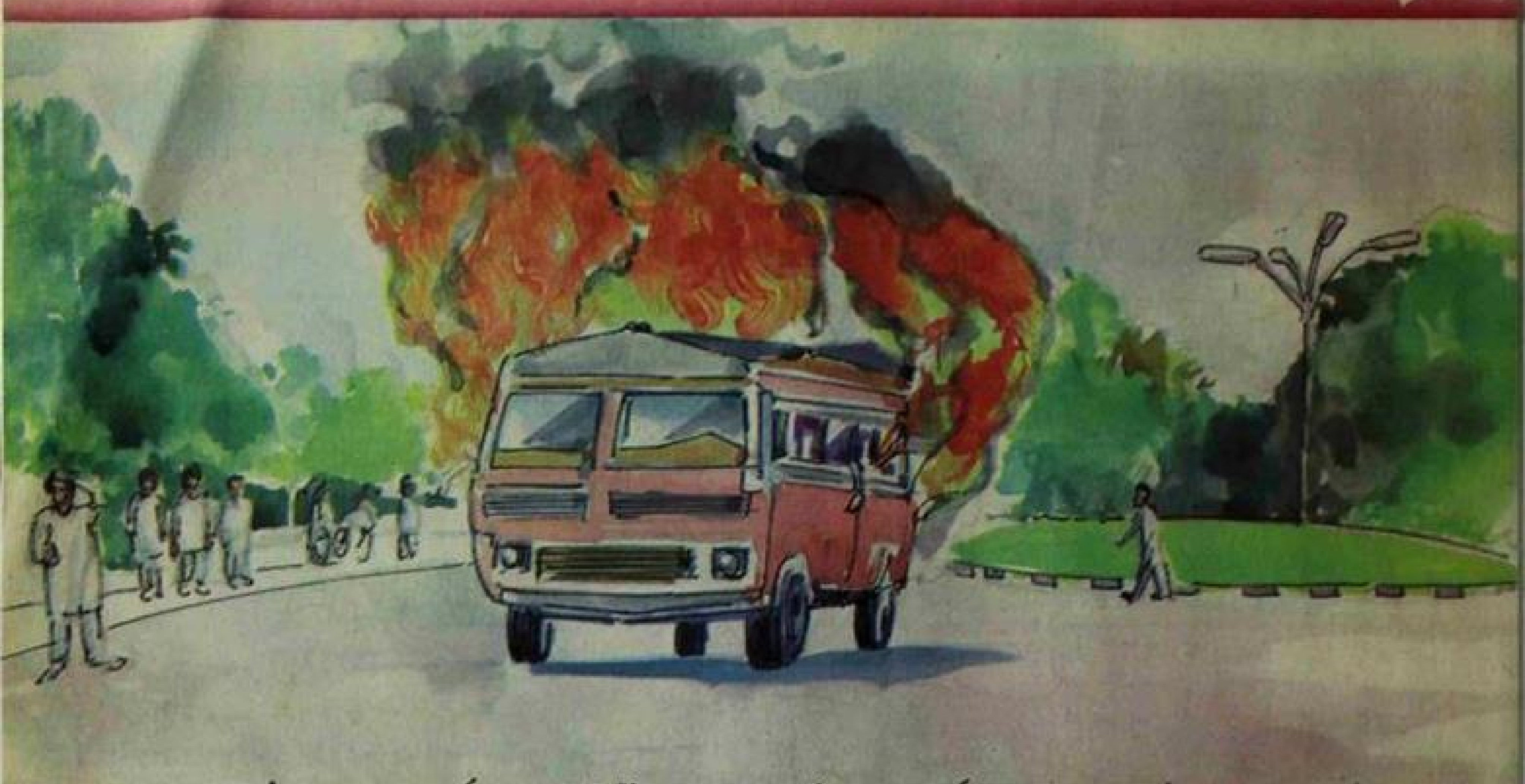
نہیں صاحب میرا ٹائم تو اتنا خراب نہیں ہوا۔ آدھ گھنٹہ ہی لیٹ ہوا ہوں۔ صبح پانچ بجے والا ٹائم تو آیا ہی نہیں......

کیوں؟ میں نے گھبرا کر پوچھا ......

وہ جی لوگوں نے اسے آگ لگا دی ...... 7 بندے جل کر مر گئے ...... ہم پہنچے تو پوری بس جلی پڑی تھی اور زخمیوں کا ڈھیر پڑا تھا۔

الٰہی خیر! بے ساختہ میرے منہ سے نکلا ...... یہ حادثہ کہاں ہوا؟ کب ہوا؟

بس احمد پور شرقیہ سے ذرا آگے ڈیرہ نواب صاحب کا چوک کراس کر رہی تھی جب ایک بچے نے بھاگ کر سڑک کراس کرنی چاہی ...... دوسری طرف اس کے والد کی دکان تھی۔ بس تیز تھی کوشش کے باوجود ڈرائیور بچے کو نہیں بچا سکا۔ بس رُک گئی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ اس شور شرابے میں ایک آدمی نے جو وہاں دکاندار تھا بس پہ چڑھ کر تقریر شروع کر دی۔ لوگوں کو اس نے اتنا جوش دلا دیا کہ وہ سارے غصے کے بھوت بن گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُنہوں نے بس کو آگ لگا



دی ...... اللہ جانے ان پہ کیا سوار تھا۔ یہ بھی نہ سوچا کہ اندر ساری مخلوق بھری ہوئی ہے ...... حادثے ہوتے رہتے ہیں مگر ایسا ظلم کسی نے کب ڈھایا ہو گا۔ غصے میں آ کر کوئی یوں بھی کرتا ہے۔ جیتے جاگتے انسانوں کو مچھلیوں کی طرح بھون کر رکھ دیا۔ سات بندے تو جل کر کوئلہ سواہ ہو گئے۔ زخمیوں کی گنتی نہیں۔ صحیح سالم تو آٹھ دس ہی بچ کر نکلے ہوں گے۔ انہیں میں لے آیا ہوں۔ ڈرائیور کی باتیں ابھی جاری تھیں کہ میں پاگلوں کی طرح دوسری جانب بھاگا بس سے خاصے لوگ اتر چکے تھے۔ کچھ اتر رہے تھے۔ میں نے ایک ایک کے چہرے کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ ان میں کوئی شینو نہیں تھا۔ کوئی شینو جیسا بھی نہیں تھا ...... ہاں لوگ باتیں کر رہے تھے کہ کچھ لوگ تو سوتے میں ہی مر گئے پر ایک لڑکا تھا بڑا خوبصورت۔ صادق آباد سے بیٹھا تھا جب اس کو آگ لگی تو بہت ساروں کو سامنے کھڑی اپنی موت بھول گئی۔ اس کی چیخیں ساتویں آسمان تک جا رہی ہوں گی۔ اس کے تو منہ سے نہ اللہ نہ رسول کچھ نہیں نکلا۔ پہلے وہ اپنے ابے کو بلاتا رہا پھر اس نے اچانک پاگلوں کی طرح بھائی بھائی کہہ کر ایک شیشے میں سے باہر نکلنے کیلئے کوشش شروع کر دی۔ وہ بدبخت جس نے تقریر کر کے بس کو آگ لگوائی تھی سامنے ایک مکان پہ کھڑا سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ لوگ کہہ رہے تھے وہ اڈے کے دکانداروں کا صدر ہے۔ وہ لڑکا اسی کو آوازیں دے رہا تھا مگر اس کے شاید کان بند تھے اس نے کچھ نہیں سنا پر جب وہ لڑکا آدھا باہر لٹکا جل رہا تھا تو اس کی آخری چیخ اس نے بھی سن لی بھائی اکمل شینو' شینو یہی کچھ وہ بولا تھا۔ اس وقت تک پوری بس آگ کا گولا بن چکی تھی۔ اس لڑکے کا آدھا دھڑ باہر لٹکا ہوا تھا آدھا اندر پھنسا ہوا تھا اور کوئی کچھ بھی نہ کر سکا۔ وہ بدبخت دکاندار ذرا پہلے اس کی آواز سُن کر آ جاتا' اسے کھینچ کر باہر نکال لیتا تو شاید وہ تو بچ ہی جاتا۔

یہ پار سال سردیوں کی بات ہے تب پہلی بارش ہوئی تھی۔ رات بھی پہلی بارش بری تھی۔ اس کی ایک ایک بوند اداسی سے بھری تھی۔ جنہیں اجمل کی باتوں نے اور بھی اداس کر دیا تھا ...... کچھ ظالموں سے موت کے بعد بھی رشتے نہیں ٹوٹتے۔ محبت ختم نہیں ہوتی۔ موت کے بعد رشتے مٹی کیوں نہیں ہو جاتے۔ کبھی کبھی ہوتا ہے ایسے سینے میں بنے چھیدوں کا احساس اتنا بڑھ جاتا ہے کہ دوستوں کی باتوں اور بچھڑنے والوں کی یادوں سے بھی اُنہیں رفو کرنا چاہیں تو یہ چھید کسی سے رفو نہیں ہوتے۔ الٹا بڑھنے لگتے ہیں۔ زیادہ دُکھ دینے لگتے ہیں۔

الحدیث



سید نظر زیدی

(اللہ کیلئے خرچ کرنا)

ہمارے دین اسلام کی ایک بہت بڑی اچھائی یہ ہے کہ یہ دین کمزوروں اور غریبوں کی مدد کرنے کا حکم دیتا ہے۔ عام بول چال میں اس طرح خرچ کرنے کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنا کہا گیا ہے۔ اور قرآن پاک میں اس کی تاکید کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک حدیثوں میں بھی اس کی تاکید ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ کہا گیا۔

"جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ سچے مومن ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں۔ قصوروں کی معافی ہے اور بہترین رزق ہے۔ سورہ الانفال (آیت نمبر3 اور نمبر4)

جیسا کہ ہم نے اوپر کی سطروں میں لکھا اللہ کے آخری رسول اور سب رسولوں کے سردار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اللہ کے لئے خرچ کرنے کا بار بار حکم دیا ہے' آپ کی ان حدیثوں میں ایک حکایت بھی بیان کی گئی ہے۔ یہ حکایت ہم یہاں لکھتے ہیں۔ بچوں کو چاہئے یہ حکایت توجہ سے پڑھیں اور اس سے سبق حاصل کریں۔ بیشک وہ بڑوں کی طرح خرچ نہیں کر سکتے۔ لیکن اپنے تھوڑے سے جیب خرچ میں سے بھی اپنے غریب ساتھیوں کی کچھ نہ کچھ مدد ضرور کر سکتے ہیں۔ وہ حکایت یہ ہے:

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے۔ ایک گنجا دوسرا برص کا مریض (اس بیماری میں چہرے اور بدن کے اور حصوں پر داغ پڑ جاتے ہیں جن کی وجہ سے مریض بہت بدصورت ہو جاتا ہے) اور تیسرا نابینا۔ اللہ پاک نے ان کو آزمانا چاہا۔ اور ایک فرشتے کو انسانی شکل میں ان کے پاس بھیجا۔ فرشتہ پہلے برص کے مریض کے پاس آیا اور اس سے کہا "اگر تمہاری کوئی آرزو ہے تو بیان کرو۔" مریض نے کہا "میرا رنگ پہلے جیسا ہو جائے' برص کے یہ داغ مٹ جائیں جن کی وجہ سے لوگ مجھے برا جانتے ہیں" فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور وہ تندرست ہو گیا۔ اس کے بعد فرشتے نے پوچھا "تمہیں مال کون سا پسند ہے؟" اس نے جواب دیا "اونٹ" فرشتے نے ایک ایسی اونٹنی اسے دیدی جو بچہ دینے والی تھی اور اس کے لئے برکت کی دعا کی۔

اس کے بعد فرشتہ گنجے کے پاس گیا اور اس سے کہا "اگر تمہاری کوئی تمنا ہو تو بیان کرو!" اس نے جواب دیا "میرے سر پر خوبصورت بال اگ آئیں اور یہ گنج ختم ہو جائے۔" فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے سر پر خوبصورت بال اگ آئے۔ اس کے بعد فرشتے نے دوسرا سوال کیا "تمہیں مال کونسا پسند ہے؟" اس نے جواب دیا "گائے" اور فرشتے نے اسے ایک ایسی گائے دیدی جو بچہ دینے والی تھی اور ساتھ اس کے لئے برکت کی دعا کی۔

اب فرشتہ نابینا کے پاس گیا اور اس سے بھی وہی سوال کیا۔ "تمہاری سب سے بڑی آرزو کیا ہے؟" اس نے جواب دیا "میں چاہتا ہوں اللہ میری آنکھیں ٹھیک کر دے۔" فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اس کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں اس کے بعد فرشتے نے اس سے مال کے بارے میں پوچھا کہ کون سا مال پسند ہے۔؟ اس نے جواب دیا "بکریاں" اور فرشتے نے اسے ایک ایسی بکری دیدی جو بچہ دینے والی تھی اور اس کے لئے برکت کی دعا بھی کی۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "ان تینوں کو اللہ نے اتنی برکت دی کہ ان کے جانوروں سے جنگل بھر گیا۔ تینوں بڑے بڑے ریوڑوں کے مالک بن گئے۔" اس کے بعد اللہ نے انہیں آزمانے کے لئے فرشتے کو غریب مسافر کے روپ میں ان کے پاس بھیجا۔ وہ پہلے اس آدمی کے گھر پہنچا جو برص کا مریض تھا اور اس سے کہا۔ "میں غریب مسافر ہوں' میرے پاس اپنے گھر پہنچنے کا کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ خدا کے نام پر اپنے اونٹوں میں سے ایک اونٹ دے دے۔" وہ بولا "پہلے ہی میرے خرچے اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ تجھے اونٹ کہاں سے دیدوں۔" اس کا یہ جواب سن کر فرشتے نے کہا "میں تجھے جانتا ہوں کیا تو وہی نہیں ہے جو برص کی بیماری میں مبتلا تھا۔ لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے اور تو بالکل غریب تھا؟" اس نے کہا "تو غلط کہتا ہے میں تو جدی پشتی امیر ہوں" فرشتے نے کہا "اگر تو جھوٹ بول رہا ہے تو اللہ تجھے ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا" اور اس کے بعد وہ پہلے کی طرح برص کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور اس کے سارے اونٹ بھی ختم ہو گئے۔"

فرشتہ اب اس کے پاس پہنچا جو گنجا تھا اور اس سے بھی اللہ کے نام پر امداد کرنے کی درخواست کی اور اس نے بھی ٹکا سا جواب دیدیا۔ فرشتے نے اسے بھی بددعا دی کہ تو جیسا پہلے تھا ویسا ہی ہو جائے۔ اور اس کی حالت بھی ویسی ہی ہو گئی جیسی پہلے تھی۔

ان دونوں کے بعد فرشتہ اس کے پاس گیا جو پہلے نابینا تھا اور اسے مدد کرنے کے لئے کہا' اور اس نے بہت خوش ہو کر کہا "یہ سب کچھ مجھے اللہ کی مہربانی سے ملا ہے۔ میں پہلے اندھا تھا' اس نے مجھے آنکھیں دیدیں۔ غریب تھا امیر کر دیا۔ تم میرے مال میں سے جتنا چاہو اٹھا لو اور جتنا چاہو چھوڑ دو" فرشتے نے کہا "تمہارا مال تمہیں مبارک ہو' میرا سوال کرنا تو صرف تمہاری آزمائش کے لئے تھا۔ تمہیں مبارک ہو کہ تم آزمائش میں پورے اترے اللہ کے لئے میری مدد کرنے پر تیار ہو گئے جبکہ تمہارے دونوں ساتھی فیل ہو گئے۔ ان سے وہ نعمتیں چھن گئیں جو اللہ نے اپنی خاص مہربانی سے انہیں دی تھیں۔ لیکن تمہارا مال تمہارے پاس رہے گا۔ بلکہ اللہ اس میں اور برکت ڈالے گا۔" (بخاری و مسلم)

بچو: اس حدیث مبارک کا مطلب ہم نے اپنے لفظوں میں لکھا ہے اور امید ہے یہ بات تمہاری سمجھ میں اچھی طرح آ گئی ہوگی۔ کہ اللہ کو وہ لوگ بہت پسند ہیں جو اس کے حکم کے مطابق اس کے کمزور بندوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس حدیث سے دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ بڑے سے بڑے امیر کے پاس بھی جو کچھ ہے وہ اللہ پاک کا دیا ہوا ہے۔ ہمیں لگتا تو یوں ہے کہ ہم اپنی قابلیت اور کوشش سے دولت کماتے یا کوئی بڑا عہدہ حاصل کرتے ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ ہمیں جو کچھ بھی ملتا ہے اللہ پاک کی مہربانی ہی سے ملتا ہے۔ ہمارا فرض ہے ایک تو اپنی حالت سدھارنے کے لئے خوب محنت کریں۔ کیونکہ اللہ نے محنت اور کوشش کرنے کا حکم بھی دیا ہے اور جب ہمیں کوئی نعمت مل جائے تو غریبوں اور کمزوروں کو نہ بھولیں۔ لازمی طور پر ان کی مدد کریں۔

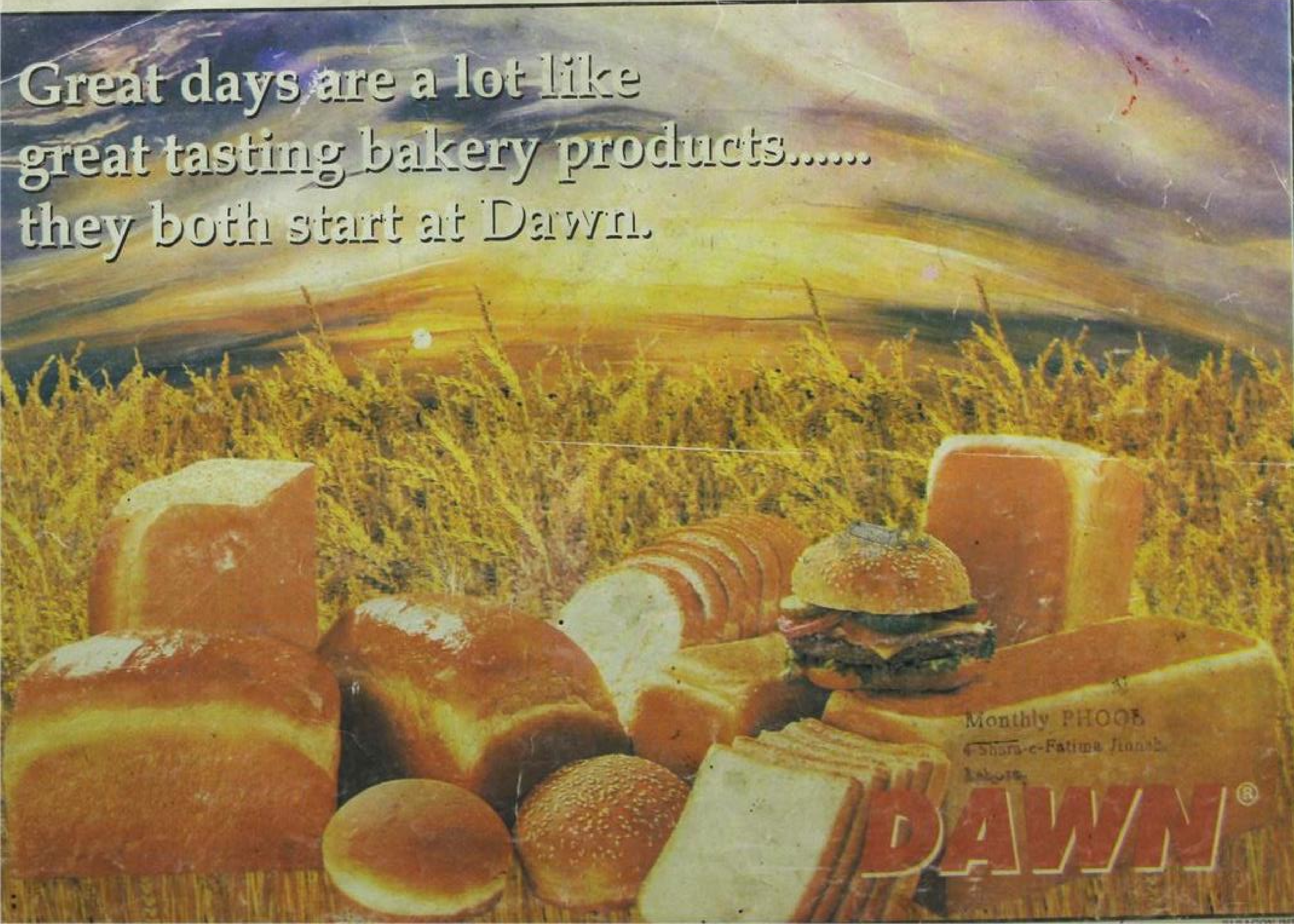
سوالات

1- انفاق فی سبیل اللہ کا کیا مطلب ہے؟
2- زکات کا کیا مطلب ہے اور یہ کیسی عبادت ہے؟
3- غریب اور محتاج کن لوگوں کو کہا جاتا ہے؟
4- جو لوگ اللہ کے راستے میں خوشی سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں انہیں کیا کہا جاتا ہے؟
5- جو لوگ اللہ کے لئے خرچ نہیں کرتے۔ مال جمع کرنے کی بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں انہیں کس نام سے پکارا جاتا ہے؟

حدیث کوئز

آپکے جواب 10 تاریخ تک ہمیں ضرور مل جانے چاہئیں

(درست جواب پر انعامی کتب کا تحفہ آپ کا)


Great days are a lot like
great tasting bakery products......
they both start at Dawn.
Monthly PHOOL
4 Shara-e-Fatima Jinnah
Lahore
DAWN®